معاشرے میں رائج من گھڑت اور خلافِ شرع اعتقادات ورسومات کی اصلاح
اور نوجوانوں کو اقامتِ دین کے پہلوؤں سے
روشناس کروانے کے لیے ایک مخلصانہ کوشش

اصلاحِ عقائد و رسوم

ترتیب و تحریر

فیروز ساجد قادری

الملاحم اسلامک انسٹیٹیوٹ

نام کتاب : اصلاحِ عقائد و رسوم

ترتیب و تحریر : فیروز ساجد قادری

نظرِ ثانی : علامہ محمد اویس رضوی (گوجرانوالہ)

: علامہ ظہور احمد صدیقی (لاہور)

صفحات : 340

اشاعت : 2021

قیمت : 350

ملنے کا پتہ : الملاحم اسلامک انسٹیٹیوٹ (03234095802)

فیروز ساجد قادری

03154908032

03234095802

Ferozsajid24@gmail.com

بندہ پرور دگارم امت احمد نبی
دوست دار چہار یارم تابع اولاد علی
مذہب حنفیہ دارم ملت حضرت خلیل
خاکپائے غوث اعظم زیر سایہ ہر ولی

ترجمہ : میں اللہ پرورد گار کا بندہ ہوں، احمد نبی ﷺ کا امتی ہوں، چار یار کو اپنا دوست رکھتا ہوں، اور یہ دوستی علی کی اولاد تک جاتی ہے۔ میرا مذہب حنفی ہے جو ملت حضرت خلیل کی ہے۔ غوثِ اعظم کے قدموں کی خاک ہوں، ہر ولی کے زیر سایہ ہوں۔

انتساب

محافظِ ناموسِ دینِ مصطفیٰ ﷺ

مظہرِ جلال فاروقِ اعظم

امیر المجاہدین فنافی خاتم النبیین حضرت علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ
کے نام جنہوں نے زندگی میں دین مصطفیٰ ﷺ کے لیے
عملی جدوجہد کی فکر و جذبہ دیا۔

میرے شیخ طریقت حضرتِ عطار دام ظلہ اور میرے شفیق والدین
کے نام اور اُن تمام عزیز و اقرباء اور اساتذہ کے نام
جو علم دین کے حصول اور اس کتاب کی اشاعت میں
ہر طرح سے میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

فہرست

☆☆☆☆☆

تقریظ جلیل

حضرت محقق عصر مفسر قرآن مفتی ضیاء احمد قادری رضوی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام
علی سید الانبیاء والمرسلین امابعد

اعمال درست اور شریعت کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ عقائد اور نظریات کا درست اور اہلِ سنت وجماعت کے مطابق ہونا بھی اہم اور ضروری ہے، اس لیے کہ غلط عقیدہ جو کفر تک لے جائے اس کے ساتھ تو اچھے اعمال بھی معتبر نہیں، نیز اس زمانے میں مختلف طریقوں سے عوام کے نظریات اور عقائد پر حملہ کیا جارہا ہے، ایسی صورتِ حال میں مناسب انداز سے جوانوں کو نظریاتی بے راہ روی سے بچانا لازم ہے۔ ایک عام مسلمان عقائد کے حوالے سے اتنا علم رکھنے کا مکلف ہے جس قدر عقائد ایمان صحیح ہونے اور آخرت کی کامیابی کے لیے ضروری ہیں، عقائد کی جزئیات کا علم اور ان میں گہری علمی بحث کرنا یہ علماء کا کام ہے، عام افراد اس کے مکلف بھی نہیں، اور ان کے سامنے گہرے مباحث بیان کرنے سے اصلاح کے بجائے ذہنی انتشار بڑھ سکتا ہے، اور فکری انتشار کا رد کرنے اور عوام کو اس سے بچانے کے اہل علمائے دین ہیں، ہر داعی اور مبلغ یہ کام نہیں کر سکتا۔

اس لیے ہمارے علماء کے لئے بھی لازم ہے کہ اسلام کے بنیادی عقیدے توحید ورسالت اور آخرت کی تعلیم دینے کے ساتھ ضروری عقائد کی اصلاح کی بات کی جائے اور عقائد کی جزئیات کو عامۃ الناس میں نہ بیان کیا جائے، پچھلے کچھ عرصہ سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح عامۃ الناس کو ان مسائل میں الجھا دیا گیا ہے جن کا تعلق قطعی طور پر غلبہ دین کے ساتھ نہیں۔ شعائر اسلام کو قائم رکھنے کا وقت ہے اور اسلام کے غلبہ کے لئے رات دن جدوجہد کرنے کا

وقت ہے اور ہمارے مفتیان کرام ایسے مسائل پر دست و گریبان ہو گئے ہیں جن مسائل کو اگر بالتحقیق دیکھائے تو شعار اسلام کے قیام کے مقابل انکا درجہ وہ نہیں نظر آئے گا جو سمجھ رہے ہیں اور اس پر رات دن مناظروں کے چیلنج دے رہے ہیں۔ اور ادھر دین دشمن لبرل و سیکولر دین متین کی جڑیں ہلائے جارہے ہیں۔

ماشاء اللہ یہ کتاب مستطاب دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ محترم جناب محمد فیروز ساجد قادری صاحب حفظہ اللہ جو رات دن غلبہ دین کے لئے کام کرنے والے نوجوان ہیں، جو لکھنے کے ساتھ ساتھ بولنے کے فن سے آگاہ ہیں، ان کی تحریر ہو یا ان کی مجلس اس میں ایک ہی بات پڑھنے اور سننے میں آتی ہے اور وہ ہے غلبہ دین کی بات۔ اور بحمد اللہ اس کتاب شریف میں جہاں نام نہاد مذہبی لوگوں کے غلط افکار و نظریات کا رد ہے تو وہاں لبرل و سیکولر طبقہ کے باطل نظریات کا بھی خوب رد کیا گیا ہے اور آپ کا یہ کام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور یہ انتہائی شاندار کام ہے اور اس کام کی بہت زیادہ ضرورت تھی، آپ نے محنت شاقہ اور عرق ریزی کے ساتھ اس کتاب کو ترتیب دیا ہے، اب ہم پر بھی لازم ہے کہ اسے علماء و مشائخ تک پہنچائیں اور مساجد شریفہ میں باقاعدہ اس کا درس ہو۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولا تعالی اس کتاب کو اپنی پاک اور بلند بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے اور اسے حضور تاجدار ختم نبوت ﷺ کی امت کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے۔

فقیر ضیاء احمد قادری رضوی عفی عنہ
(خلیفہ مجاز بریلی شریف)
مقیم جامع مسجد غوثیہ ندیم ٹاؤن ملتان چونگی ملتان روڈ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

تقدیم

ہمارا معاشرہ دورِ حاضر میں جہاں بہت سے غلط سلط اعتقادات، توہمات اور ناجائز رسم و رواج میں منہمک، بے عملی بلکہ بد عملی کا شکار ہے وہیں کفار و مشرکین اور ملحد و بے دین طبقہ اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف بر سرِ پیکار ہے۔ حق و باطل کی یہ جنگ تیر و تلوار اور قلم و قرطاس سے لے کر سوشل میڈیا تک ہر محاذ پر پوری شدت سے جاری ہے۔ سیکولر نظریات اور الحادی فتنے ہمارے گھروں کے دروازے کھٹکھٹا چکے ہیں اور مسلسل ہمارے نوجوانوں کو اپنے بھنور میں لے رہے ہیں۔ آج عالمِ اسلام فتنوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ اسلام کا لبادہ اوڑھے مذہبی بہروپیے اور یورپ سے درآمد شدہ دانشوروں کی نت نئی تحقیقات نے آج مسلمانوں کو اسلامی عقائد و رسوم سے بد ظن کر دیا ہے اور مسلمانوں کی جمیعت کے احکام کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ دنیا بھر میں ہماری پستی و ذلت کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے خالقِ کائنات سے روگردانی کر رکھی ہے اور اس چمکتے ہوئے دین اسلام کی تعلیمات سے رُخ موڑ لیا ہے۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

(علامہ اقبال)

ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اہلِ اسلام اپنی ترجیحات کو بدلیں اور ان فکری یلغاروں کو روکنے کے لیے اپنی تمام تر توجہ اسی جانب مبذول کریں اور باہمی اختلافات کو ترک کرکے دینِ متین کے غلبہ کے لیے کوشش کریں۔

یہ کتاب اسی فکر و جذبہ کے تحت تحریر کی گئی ہے۔ اس عاجز نے اپنے سکول و کالج اور یونیورسٹی میں انجینیرنگ کے دوران نوجوانوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے مسلک حقہ اہلِ سنت وجماعت کے متعلق اعتراضات وشبہات کوزائل کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے۔

کتاب کے اول حصے میں اسلامی عقائد ورسوم اور ان کے متعلق بے اعتدالیوں کی آسان فہم انداز میں اصلاح کی گئی ہے اور ان سے متعلق حکمِ شرعی بیان کیا گیا ہے(اس میں صرف اُن ناجائز اُمور کا ذکر کیا گیا ہے جن میں عوام عمومی طور پر مشغول ہیں)۔ اس میں مہینوں وعبادات، شادی بیاہ و دینی تقریبات، مزارات و پیری مریدی، انشورنس، ٹائم ویلیو آف منی، وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں اور آخر میں کفریہ کلمات کی پہچان سے متعلق مختصر وجامع رسالہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

کتاب کے دوسرے حصے میں نوجوانوں کو اقامتِ دین کے پہلوؤں سے روشناس کروانے اور جدید فتنوں کے آگے بند باندھنے سے متعلق ابحاث شامل ہیں۔ اس میں اُن عقائد و معمولات کا ذکر کیا گیا ہے جن پر اجماع اُمت ہے لیکن فی زمانہ باطل نفس پرست دین کا لبادہ اُوڑھے لوگوں کی چرب زبانیوں اور سوشل میڈیا کی وجہ سے، عوام میں غلط عقائد زور پکڑ رہے ہیں اور ہمارے نوجوان ان غلط عقائد کی گہری کھائی میں گر رہے ہیں۔ اس میں سیکولرازم ، لبرل ازم، ایتھیزم ،الحادی فتنوں وغیرہ کا تعارف، قربِ قیامت کے فتنے اور اِن سے بچنے کے لیے فرامینِ مصطفیٰ ﷺ ، عظمت اصحابِ رسول وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں۔ آخر میں مسئلہ ختم نبوت و ناموسِ رسالت اور اسلام کے فلسفہ جہاد کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے متعلق چند اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

مالک کائنات عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو ان فتنوں سے محفوظ فرمائے اور اس وطنِ عزیز کو نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا گہوارا بنائے۔ اللہ کریم جل شانہ ہمیں دین کی غیرت اور احساس ذمہ داری کی دولت سے سرفراز فرمائے، ہمیں شریعت مطہرہ پر احسن طریقہ سے چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اس کتاب کو اہلِ اسلام کے لیے مفید ثابت کرے اور اس گنہگار کے لیے مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

فقط

فیروز ساجد قادری عفی عنہ

بدعت کی حقیقت

مختلف ممالک میں رہنے والے لوگ اپنے خطہ کے اعتبار سے مختلف قسم کے رسم و رواج سے منسلک ہیں، بعض اوقات وقت کے ساتھ ساتھ ان میں نئی نئی رسومات بھی رواج پاتی ہیں۔ ان تمام نئی اور پرانی رسومات کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار شریعت کے اصولوں کے موافق یا مخالف ہونے پر ہے۔ جیسے اپنی عقل سے کسی چیز کو جائز قرار دے دینا درست نہیں اسی طرح ہر نئی رسم و طریقے کو ناجائز قرار بھی نہیں دیا جا سکتا۔ بحیثیت مسلمان ہمارے لیے کسی کام کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار قرآن و احادیث میں بیان کیے گئے اصولوں پر ہے۔ جو پرانے یا نئے رسم و رواج قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاف ہوں وہ ناجائز ہیں اور جو اسکے خلاف نہ ہوں وہ جائز ہیں اور جس کی اصل شرع سے ثابت ہو وہ مستحب ہیں۔ اب معاشرے میں رائج من گھڑت اعتقادات اور ناجائز رسوم کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ ہمیں زندگی کے ہر معاملہ میں شریعتِ مطہرہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بدعت کی تعریف :

" شرعی اعتبار سے بدعت ہر اُس کام کو کہتے ہیں جو نیا ہو پہلے (قرونِ اولیٰ میں) نہ ہو "۔ اگر وہ نیا کام احکامِ شریعہ کے خلاف ہو تو بدعتِ سیئہ (بری بدعت) ہے اور اگر قرآن و حدیث سے ٹکراتا نہ ہو تو بدعتِ مباحہ اور بدعتِ حسنہ (اچھی بدعت) کے قبیل سے ہے۔

بدمذہب مسلمانوں کے اُن معمولات کو جن کی اصل قرآن و احادیث سے ثابت ہے انہیں "بدعت" کہتے ہیں اور شرعاً ممنوع ہونے پر دلیل دینے کے بجائے یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ اس خاص ہیئت (طریقہ) کے ساتھ اس کا ثبوت قرونِ ثلاثہ (دورِ نبوی، دورِ صحابہ ، دورِ تابعین) میں نہیں تھا اور یہ کہتے ہیں کہ "ہر بدعت گمراہی ہے"۔ انکا صرف یہ کہہ کر کسی چیز کو بدعتِ سیئہ (بری بدعت) قرار دینا کئی وجوہات سے غلط ہے۔

یاد رکھیں قرآن و حدیث میں سے کوئی بھی مسئلہ اخذ کرنے کے لیے تمام دلائل پر بیک وقت نظر رکھنا ضروری ہے۔ آج مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے اور فرقہ واریت کو ہوا دینے میں سب سے زیادہ کردار ان چھپے ہوئے سازشیوں کا ہے، جنہوں نے صرف اپنی من پسند کی باتیں لوگوں کے سامنے بیان کی ہیں اور اپنے اندرونی عقائد پر ضرب لگانے والے دلائل کو چھپا دیا ہے، اے عزیز! حدیث پر ناراض ہونا اور حدیث پیش کرنے والے کو قصوروار سمجھنا آپکو زیب نہیں دیتا۔ اب اصل صورتِ حال ملاحظہ کیجیے:

☆ **اولاً** : قرون و زمانہ کو حاکم بنانا (یعنی یہ کہنا کہ کوئی کام فلاں زمانے میں تھا تو جائز اور فلاں زمانے میں نہ تھا تو ناجائز ہے) جہالت اور اپنی طرف سے شریعت گھڑنا ہے۔ شریعت میں اصل حکم اباحت (اجازت) کا ہے۔ ہمیں تو صاحبِ شریعت سرورِ کائنات ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے وہ حلال اور جو چیز حرام فرمائی ہے وہ حرام ہے۔ اور جس کے بارے میں سکوت کیا وہ کام بھی کر سکتے ہیں۔ ترمذی و ابن ماجہ نے سیدنا سلیمان فارسی سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں :

" حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس کے بارے میں سکوت ہے وہ معاف شدہ چیزوں میں سے ہے " [1]

☆ **ثانیاً** : ہر نئے کام کو بدعتِ سیئہ (بری بدعت) کہنا بھی جہالت ہے۔ ہمیں تو صاحبِ شریعت ﷺ نے یہ حکم دیا ہے۔ فرمایا: " جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اپنے ایجاد کرنے کا ثواب بھی ملے گا اور جو اس طریقے پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اسے ملے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہو گی۔ اور جس نے اسلام میں برا طریقہ رائج کیا اس کا گناہ اس کے ذمہ ہو گا اور ان لوگوں کا گناہ بھی اسے ملے گا جنہوں نے اس کے بعد اس پر عمل کیا اور ان عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہو گی " [2]

---

1 (ترمذی، کتاب اللباس، باب ما جاء فی لبس الفراء، ج 1، ص 835، حدیث 1781، فرید بک سٹال، لاھور)
2 (صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنتہ حسنتہ، ج 3، ص 478، حدیث 6741، فرید بک سٹال، لاھور)

اس حدیث میں بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی تقسیم موجود ہے جو بے لگام فتویٰ بازی میں مانع ہے۔ اس لیے اہلِ سنت کے نزدیک بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعتِ حسنہ (اچھی بدعت) اور بدعتِ سیئہ (بری بدعت)۔

☆ **ثالثاً** : بدعت (ہر نئے کام کو) کو بدعتِ سیئہ (بری بدعت) میں منحصر کرنا شریعت پر افتراء ہے۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح کی جماعت کے متعلق فرماتے ہیں: " یہ اچھی بدعت ہے "۔ [1]

اور سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: " جسے مومنین اچھا سمجھیں وہ (کام) اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے۔ " [2]

ثابت ہوا ہر نیا کام اگر موافق اصولِ شرعی ہے تو بدعتِ حسنہ (اچھی بدعت) ہے اور حدیث پاک (مَن سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً) کے عموم میں داخل ہو کر محمود و مقبول (جائز) ہو گا اور اگر مخالف اصولِ شرعی ہو تو مذموم اور مردود (ناجائز) ہو گا۔ فی زمانہ سپیکر پر اذان دینا، موبائل پر قرآن پڑھنا، سوشل میڈیا کے ذریعے علمِ دین کی اشاعت اور بہت سے دنیاوی اُمور کے جائز ہونا اسی اصولِ شرعی کے تحت ہے۔ [3]

بدعت کی حقیقت واضح ہونے کے بعد اب نئے و پرانے رسم و رواج
اور ان میں کی جانے والی بے اعتدالیوں سے متعلق ابحاث ملاحظہ کیجیے۔

---

1 (صحیح البخاری، کتاب صلوۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، ج 1، ص 800، حدیث 2010، فرید بک سٹال، لاهور)

2 (المعجم الاوسط، باب الزاي من اسمه زکریا، ج 2، ص 798، حدیث 3602، پرو گریسو بکس، لاهور)

3 (ماخوذ قرآن وحدیث اور عقائد اهلسنت، ص 85، مکتبہ امام اهلسنت، لاهور)

مہینوں کے متعلق رسم ورواج کی اصلاح

محرم الحرام کے متعلق اصلاح

محرم الحرام میں کچھ صحیح العقیدہ حضرات بھی نادانی میں بدمذہبوں کے سے شعار اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان ناجائز رسوم سے متعلق امام اہلِ سنت امامِ احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے احکامِ شریعت میں کچھ سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے ہیں، ہم نے ذیل میں اُنہیں ترتیب دیا ہے اور اس کے متعلق کُتبِ احادیث سے چند فرامینِ مصطفیٰ ﷺ نقل کیے ہیں، ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

مجلس میں جانا ، ماتم سُننا :

روافض[1] کی مجلس میں جانا اور مرثیہ (ماتم) سُننا حرام و موجبِ لعنت ہے ۔ حدیثِ پاک میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : " جو(اپنا) منہ پیٹے، گریبان پھاڑے اور دورِ جاہلیت جیسی چیخ و پکار کرے وہ ہم میں سے نہیں" [2]

حضرتِ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت کی ہے" [3]

اس حدیث پاک سے اُن سنی حضرات کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ جو شوقیہ مرثیہ ماتم وغیرہ سُنتے دکھائی دیتے ہیں۔

بدمذہبوں کی نیاز :

روافض کی نیاز (لنگر) کی چیز نہ لی جائے ، اِنکی نیاز عموماً نجاست سے خالی نہیں ہوتی، آج کل سوشل میڈیا پر بھی اس بات کی تصدیق کرتی کچھ ویڈیوز گردش کر رہی ہیں۔

---

1 (شیعوں)

2 (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب ، ج 1، ص 554 ، حدیث 1294 ، فرید بک سٹال، لاھور)

3 (سنن ابی داؤد ، کتاب الجنائز، باب فی النوح ، ج 2، ص 470، حدیث 2721 ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

حدیثِ پاک میں آقا کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بد مذہبوں کے ساتھ کھانا کھانے اور انکے ساتھ میل جول رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمانِ مصطفیٰ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہے :

"آخری زمانہ میں ایک قوم آئے گی جو میرے صحابہ کو گالیاں دے گی، ان سے بغض رکھے گی، ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے رشتہ نہ کرو، وہ بیمار پڑیں تو عیادت نہ کرو، مر جائیں تو ان کی میت کے پاس نہ جاؤ، ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھو (یعنی ان کے لیے دعائے مغفرت نہ کرو) اور نہ ہی ان کے ساتھ نماز پڑھو" (1)

محرم الحرام اور سوگ :

" شریعتِ مطہرہ میں کسی بھی مسلمان کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ جائز نہیں ، محرم الحرام میں سوگ کی نیت سے کالے کپڑے پہننا حرام ہے۔ کپڑے نہ بدل کر، صفائی نہ کر کے، جوتی نہ پہن کر اظہارِ غم کرنا سوگ ہے، اور تین دن سے زیادہ سوگ حرام ہے"۔ حضرتِ زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا :

"جو عورت بھی اللہ تعالیٰ اور بروزِ آخرت پر یقین رکھتی ہو اس کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں، البتہ خاوند (کی وفات) پر چار ماہ دس دن سوگ کرے" (2)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: " اس حدیث سے اُن نادان سنیوں کو عبرت لینی چاہیے جو محرم میں دس دن تک کوٹتے پیٹتے ہیں، چار پائی پر نہیں سوتے، اچھا لباس نہیں پہنتے ہیں، کالے کپڑے پہنتے ہیں یہ سب حرام ہے اور روافض کی پیروی ہے۔ حضرات اہل بیت اطہار نے (یہ کام) کبھی نہ کیے"۔ (3)

محرم الحرام میں سیاہ رنگ کے کپڑے پہننا بد مذہبوں سے مشابہت ہے، حدیثِ پاک میں اس متعلق سخت وعید ہے، لہٰذا اس سے بچنا لازم ہے ۔ حضرتِ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

---

1 (کنز العمال، کتاب الفضائل، باب فی فضائل الصحابہ، ج 6، حصہ 11، ص 257، حدیث 32528/32542، دار الاشاعت، کراچی)

2 (صحیح مسلم ، کتاب الطلاق ، باب وجوب الاحداد فی عدۃ ، ج 2 ، ص 295 ، حدیث 3710 ، فرید بک سٹال، لاہور)

3 (مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ، کتاب النکاح ، باب العدۃ ، ج 5 ، ص 165، حسن پبلیشرز ، لاہور)

ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ اُن میں سے ہو گا (یعنی دنیا و آخرت میں وہ انہیں میں سے سمجھا جائے گا) "۔[1]

واقعہء کربلا کا غم :

واقعہء کرب وبلا پر ہمارے دل غمگین ضرور ہیں، لیکن ہم (اہلِ سنت) محرم و پورا سال ہی شریعت کے پابند رہتے ہوئے ماتم کے بجائے اُن عظیم ہستیوں کا ذکرِ خیر کرتے ہیں، اُنکے لیے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرتے ہیں، اُن لوگوں کی جرائت و بہادری اور اس عظیم قربانی کی داستانیں بیان کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" وہ کونسا سُنی ہو گا جسے واقعہ کربلا کا غم نہیں یا اُس کی یاد سے اُس کا دل محزون (غم زدہ) اور آنکھ پُر نم نہیں، ہاں مصائب میں ہم کو صبر کا حکم دیا گیا ہے، جزع فزع کو شریعت منع فرماتی ہے اور جسے واقعی دل میں غم نہ ہو اُسے جھوٹا اظہارِ غم ریا (ریاکاری) ہے اور قصداً غم پروری خلاف رضا ہے، جسے اس (واقعہ کربلا) کا غم نہ ہو اسے بے غم نہ رہنا چاہیے بلکہ اس غم نہ ہونے کا غم (ہونا) چاہیے کہ اس کی محبت ناقص ہے اور جس کی محبت ناقص اس کا ایمان ناقص "۔[2]

☆**نوٹ:**

محرم الحرام میں بہت سے دنیادار قسم کے خطباء واقعہ کربلا سے متعلق من گھڑت روایات سناتے ہیں، جن کو سننے سے بچنا چاہیے۔ واقعہ کربلا سے متعلق پڑھنے کے لیے مستند کُتب (برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا علیہ الرحمہ کی کتاب "آئینہ قیامت" اور صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کی کتاب "سوانح کربلا") کا مطالعہ کیجیے۔

---

1 (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، ج3، ص165، حدیث 3512، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

2 (فتاویٰ رضویہ، ج24، ص 487، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

محرم الحرام اور قربانی کا گوشت :

محرم الحرام قریب آتے ہی کچھ لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ محرم الحرام سے پہلے پہلے قربانی کا گوشت ختم کرلیں، محرم الحرام یا اسکے بعد قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ یہ بات بالکل من گھڑت ہے۔ قربانی کا گوشت محرم سے پہلے پہلے ختم کرنا شرعاً ضروری نہیں ابتدائے اسلام میں تین دن سے زیادہ رکھنے کی ممانعت تھی جو بعد میں منسوخ ہو گئی۔ لہٰذا قربانی کرنے والا یا جسے وہ دے جب تک چاہیں (گوشت) استعمال کر سکتے ہیں۔ محرم میں قربانی کا گوشت کھانے کو گناہ کہنا اٹکل سے بغیر تحقیق مسئلہ بتانا ہے جو بلاشبہ ناجائز و گناہ ہے اس لیے کہنے والے پر توبہ واجب ہے۔ (1)

1 (مختصر فتاویٰ اهلسنت، ج1، ص218، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

صفر المظفر کے متعلق اصلاح
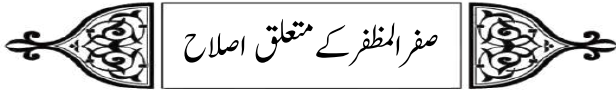
ماہِ صفر سے متعلق زمانہ جاہلیت ہی سے کچھ باتیں (بدشگونیاں) آج بھی ہمارے معاشرے میں رائج ہیں ، بہت سے لوگ ان غلط سلط اعتقادات پر آج بھی یقین رکھتے ہیں۔ ان باطل نظریات کی اصلاح سے متعلق ہم تفصیلاً لکھتے ہیں۔

بدشگونی کسے کہتے ہیں؟

" کسی بھی شخص، چیز، دن یا مہینہ وغیرہ کو منحوس جان کر اپنا کام موقوف کردینا (یعنی نہ کرنا) بدشگونی کہلاتا ہے "۔

ماہ صفر کو منحوس جاننا :

نُحوست کے وہمی تصورات کے شکارلوگ ماہِ صفر کو مصیبتوں اور آفتوں کے اُترنے کا مہینہ سمجھتے ہیں خصوصاً اس کی ابتدائی تیرہ تاریخیں جنہیں "تیرہ تیزی" کہا جاتا ہے بہت منحوس تصور کی جاتی ہیں۔ وہمی لوگوں کا یہ ذہن بنا ہوتا ہے کہ صفر کے مہینے میں نیا کاروبار شروع نہیں کرنا چاہیے نقصان کا خطرہ ہے، سفر کرنے سے بچنا چاہیے ایکسیڈنٹ کا اندیشہ ہے، شادیاں نہ کریں، بچیوں کی رخصتی نہ کریں گھر برباد ہونے کا امکان ہے۔ اسی طرح فوت شدہ کو جن برتنوں سے غسل دیا جائے اُنہیں گھر میں رکھنے، شیشہ ٹوٹ جانے، آگے سے کالی بلی گُزر جانے کو بھی برا گمان کرتے ہیں اور اپنے کام ٹال دیتے ہیں۔ یاد رکھیں ! یہ تمام اعتقادات باطل ہیں۔ اس قسم کے تمام خیالات بے بنیاد ہیں۔

ہمارے پیارے آقا حضور جانِ جاناں ﷺ نے صفر المظفر کے بارے میں وہمی خیالات کو باطِل قرار دیتے ہوئے فرمایا :

" لَاصَفَرَ " یعنی صفر کچھ نہیں ۔ (1)

---

1 (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الجذام، ج 3، ص 302، حدیث 5707، فرید بک سٹال، لاہور)

بد شگونی لینا عالمی بیماری ہے، مختلف ممالک میں رہنے والے مختلف لوگ مختلف چیزوں سے ایسی ایسی بد شگونیاں لیتے ہیں کہ انسان سُن کر حیران رہ جاتا ہے، اسلام نے اس قسم کے تمام اعتقادات کا رد کیا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے، آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا :

" جس نے بد شگونی لی اور جس کے لیے بد شگونی لی گئی وہ ہم میں سے نہیں ہے "۔[1]

اور ایک حدیثِ پاک میں فرمایا : " اَلْعِیَافَةُ وَالطِّیَرَةُ وَالطَّرْقُ مِنَ الْجِبْتِ "

" یعنی اچھا یا بُرا شگون لینے کے لیے پرندہ اُڑانا ، بد شگونی لینا اور طَرق (یعنی کنکر پھینک کر یا ریت میں لکیر کھینچ کر فال نکالنا) شیطانی کاموں میں سے ہے " (ایک حدیث پاک میں بد شگونی کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے)۔[2]

ان احادیث میں اُن لوگوں کے لیے عبرت ہے جو اس قسم کے باطل نظریات کو ماننے والے اور اِن کو پھیلانے والے ہیں۔

ماہِ صفر اور شادی :

اسلام میں کوئی دن مہینہ یا کوئی وقت منحوس نہیں۔ سال کے تمام دنوں میں نکاح کرنا بلاشبہ جائز ہے، ماہِ صفر میں بھی نکاح جائز ہے۔ بعض لوگ صفر کے مہینے میں اس اعتقاد کی بنا پر شادی نہیں کرتے کہ اس مہینے میں بلائیں وغیرہ اترتی ہیں اور یہ منحوس مہینہ ہے۔ یہ اعتقاد محض باطل و مردود ہے جس کی کوئی اصل نہیں بلکہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اسے منحوس سمجھتے تھے تو سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو منحوس جاننے سے منع فرمادیا۔[3]

کوئی وقت برکت والا اور عظمت و فضیلت والا تو ہو سکتا ہے جیسے ماہِ رمضان، ربیع الاول، جمعۃ المبارک وغیرہ مگر کوئی مہینہ یا دن منحوس نہیں ہو سکتا۔ مراٰۃُ المناجیح میں ہے :

" اسلام میں کوئی دن یا کوئی ساعت منحوس نہیں ہاں بعض دن بابرکت ہیں "۔

---

1 (مسند بزار، الجز التاسع، حدیث عمران بن حصین، ص52، حدیث3578، مکتبہ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ)

2 (سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الخط وزجر الطیر، ج 3، ص127، حدیث 3408، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

3 (مختصر فتاویٰ اھلِ سنت، ج 1، ص 141، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اصل نحوست گناہوں کی ہے :

تفسیر روح البیان میں ہے :" صفر وغیرہ کسی مہینے یا مخصوص وقت کو منحوس سمجھنا درست نہیں ، تمام اوقات اللہ عزوجل کے بنائے ہوئے ہیں اور ان میں انسانوں کے اعمال واقع ہوتے ہیں۔ جس وقت میں بندۂ مومن اللہ عزوجل کی اطاعت وبندگی میں مشغول ہو وہ وقت مبارک ہے اور جس وقت میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کرے وہ وقت اس کے لئے منحوس ہے۔ درحقیقت اصل نُحوست تو گناہوں میں ہے " [1]

بعض لوگ اپنے کسی کام میں ناکامی کو کسی شخص کی نحوست قرار دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی اصلاح کرنی چاہیے کہ کسی شخص کو منحوس قرار دینے میں اس کی سخت دل آزاری ہے اور اس سے تُہمت دھرنے کا گناہ بھی ہوتا ہے اور یہ دونوں جہنم میں لے جانے والے کام ہیں۔ سلطانِ دو جہان ﷺ کا فرمانِ عبرت نشان ہے : " جس نے (بلاوجہ شرعی) کسی مسلمان کو ایذاء دی اُس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی اُس نے اللہ عزوجل کو ایذاء دی "۔[2] اور اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کو اِیذاء دینے والوں کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا[3]

ترجمہ کنزالعرفان : " بیشک جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمادی ہے اور اللہ نے ان کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اہم ترین وضاحت :

نہ چاہتے ہوئے بھی بعض اوقات انسان کے دل میں بُرے شگون کا خیال آہی جاتا ہے اس لئے کسی شخص کے دل میں بدشگونی کا خیال آتے ہی اسے گنہگار قرار نہیں دیا جائے گا۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ اللہ عزوجل کی ذات پر توکل کر کے اپنا کام مکمل کرے اور شگونِ بد کو دل میں جگہ نہ دے۔

---

1 (تفسیر روح البیان، 3/428، بیروت)

2 (المعجم الاوسط، باب من اسمه سعید، ج 2 ، ص 803 ، حدیث 3607 ، پرو گریسو بکس ، لاھور)

3 (الاحزاب، آیت 57)

سورج اور چاند گرہن سے جڑے توہمات :

سورج اور چاند گرہن کے بارے میں لوگ اِفراط و تفریط کا شکار نظر آتے ہیں۔ کہیں تو سورج گرہن کا (مخصوص شیشوں کے ذریعے) نظارہ کرنے کے لئے پارٹیاں منعقد کی جاتی ہیں اور کہیں گرہن کے بارے میں مختلف تصورات و توہمات پائے جاتے ہیں، مثلاً: گرہن اس وقت لگتا ہے جب سورج کو بلائیں اور خوفناک جانور نگل لیتے ہیں۔ گرہن کے وقت حاملہ خواتین کو کمرے کے اندر رہنے اور کپڑا اور سبزی وغیرہ نہ کاٹنے کی ہدایت کی جاتی ہے تاکہ ان کے بچے کسی پیدائشی نقص کے بغیر پیدا ہوں، گرہن کے وقت حاملہ خواتین کو سلائی کڑھائی سے بھی منع کیا جاتا ہے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے بچے کے جسم پر غلط اثر پڑ سکتا ہے۔ بعض معاشروں میں جس دن گرہن لگتا ہے اکثر لوگ کھانا پکانے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ گرہن کے وقت خطرناک جراثیم پیدا ہوتے ہیں، کئی مشرقی ملکوں میں علم نجوم کے ماہرین سورج گرہن سے منسلک پیشن گوئیاں کرتے ہیں جن میں کسی تباہی یا نقصان کی نشان دہی کی جاتی ہے یا کسی کی پیدائش یا وفات سے اسے منسلک کیا جاتا ہے۔ الغرض مشرق و مغرب، ترقی پذیر اور ترقی یافتہ دنیا میں ہر جگہ سورج اور چاند گرہن کے انسان پر مضر اثرات کے حوالے سے خدشات پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام اعتقادات غلط، من گھڑت، بے بنیاد ہیں۔[1]

اللہ عزوجل کے پیارے حبیب، حبیب لبیب، طبیبوں کے طبیب ﷺ نے ان توہمات کو ختم کیا۔ آقا کریم ﷺ نے اشاد فرمایا: "سورج اور چاند اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انہیں گرہن کسی کی موت اور زندگی کی وجہ سے نہیں لگتا۔ پس جب تم اسے دیکھو تو اللہ عزوجل کو پکارو، اس کی بڑائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ دو"۔[2]

ہمیں کیا کرنا چاہیے :

جب سورج یا چاند کو گہن لگے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس نظارے سے محظوظ ہونے (ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ گرہن کے وقت سورج کو براہ راست دیکھنے سے آنکھ کی

---

1 (ماخوذ بدشگونی، ص78، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (صحیح البخاری، کتاب الکسوف، باب الصدقۃ فی الکسوف، ج1، ص470، حدیث 1044، فرید بک سٹال، لاہور)

بینائی بھی جاسکتی ہے) اور توہمات کا شکار ہونے کے بجائے بارگاہِ الٰہی میں حاضری دیں اور گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں، اس یوم قیامت کو یاد کریں جب سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے اور ستارے توڑ دیئے جائیں گے اور پہاڑ لپیٹ دیئے جائیں گے۔[1]

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے :

بدشگونی ایک ہلاکت خیز باطنی بیماری ہے۔ انسان کو چاہیئے بدشگونی کو دل میں جگہ نہ دے اور ہر کام میں اللہ پر بھروسہ کرے جب بھی کوئی نقصان پہنچے تو وہ یہ ذہن بنالے کہ یہ میری تقدیر میں لکھا تھا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَاۚ هُوَ مَوْلٰىنَاۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ [2]

ترجمہ کنزالعرفان "تم فرماؤ : ہمیں وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا، وہ ہمارا مددگار ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے"

☆ سرکارِ مدینہ منورہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرتِ سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا : " یقین رکھو کہ اگر پوری اُمت اس پر متفق ہو جائے کہ تم کو نفع پہنچائے تو وہ تم کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی مگر اس چیز کا جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی اور اگر اس پر متفق ہو جائیں کہ تمہیں کچھ نقصان پہنچا دیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اس چیز سے جو اللہ نے لکھی "۔[3]

☆ اور سلطانِ باقرینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا : "اللہ عزوجل نے ہر ایک جان کو پیدا فرمایا ہے اور اس کی زندگی، رِزق اور مصیبتوں کو لکھ دیا ہے "۔[4]

لہٰذا ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اس بات پر یقینِ کامل ہونا چاہئے کہ رنج ہو یا خوشی! آرام ہو یا تکلیف! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو مشکلات، مصیبتیں، تنگیاں اور بیماریاں ہمارے نصیب میں نہیں لکھیں گئیں وہ ہمیں نہیں پہنچ سکتیں۔

---

1 (بدشگونی، ص 81، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (التوبہ، آیت 51)

3 (ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب بغاوت وقطع رحمی، ج 2، ص 172، حدیث 408، فرید بک سٹال، لاھور)

4 (ترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء لاعدوی، ج 2، ص 23، حدیث 14، فرید بک سٹال، لاھور)

آخری بدھ :

صدرُ الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ماہ صفر کا آخر چہار شنبہ (بدھ) ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں، سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں، پُوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا اور بیرونِ مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم ﷺ کا مرض شدت کے ساتھ تھا، وہ باتیں خلافِ واقع ہیں۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں سب بے ثبوت ہیں"۔[1]

سٹارز کی حقیقت :

علم ہیئت کا ماہرین، قدیم یونانی فلسفی اہل نجوم اور دور حاضر میں خود کو پڑھا لکھا سمجھنے والوں کی بہت بڑی تعداد ستاروں کے اثرات کی قائل ہے۔ یہ لوگ انسانوں کے نام، تاریخ پیدائش سے سیارے نکالتے اور ان سیاروں کی تاثیر کو سعادت مندی اور منحوس ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔ کئی لوگ شادی اور کاروبار جیسے اہم فیصلے ستاروں کی نقل و حرکت کے مطابق کرتے ہیں۔ اور اس کے متعلق اخباروں میں کالم بھی شائع ہوتے ہیں۔ (اسی طرح کچھ لوگ کاہنوں، نجومیوں سے جا کر قسمت کا حال معلوم کرتے ہیں)۔ یہ سب اٹکل پچو باتیں ہیں ظن و تخمین کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اسلام میں ایسے باطل نظریات کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ نظام کائنات کی مکمل باگ دوڑ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے، وہی مالک و مختار ہے، اس کی مشیّت کے بغیر ایک پتہ نہیں ہلتا اور جو ستاروں کی تاثیر (بالذات) کے قائل ہیں یعنی یقین رکھتے ہیں ان پر حکم کفر ہے۔[2]

صحیح بخاری و مسلم کی حدیث پاک میں ہے: حضورِ پُر نور ﷺ نے بارش کے بعد صبح کی نماز میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی امامت فرمائی، پھر ارشاد فرمایا: کیا تُم جانتے ہو کہ

---

1 (بہارِ شریعت، حصہ 16، ص659، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (ماخوذ رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص 500 / شرح صحیح مسلم، ج1، ص527، فرید بک سٹال، لاہور)

تمہارے رب نے رات کیا فرمایا ؟ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے : میرے بندوں میں سے کچھ نے مؤمن رہتے ہوئے صبح کی، کچھ نے کافر رہتے ہوئے۔ جو مؤمن ہے اس نے کہا: ہمیں اللہ پاک کے فضل و رحمت سے بارش عطا ہوئی۔ یہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں (کی تاثیر) سے کفر و انکار کرتا ہے جبکہ کافر نے کہا: ہمیں تاروں کی اِس اِس چال سے بارش ملی۔ یہ مجھ سے کفر کرتا ہے اور ستاروں (کی تاثیر) پر ایمان رکھتا ہے۔(1) (2)

ستاروں کا تعلق انسان کی قسمت سے نہیں صحیح بخاری کی حدیث پاک میں ہے :

" حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (اللہ عزوجل کا ارشاد ہے) اور بلا شبہ ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے مزّین فرمایا۔ یہ ستارے تین فائدے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ آسمان کی زینت کے لیے اور شیطانوں کو سنگسار کرنے کے لیے اور علامتیں ہیں جن سے راستہ جانا جاتا ہے۔ جس نے ان کے علاوہ اور کوئی تاویل کی اس نے غلطی کی اور علم سے اپنا حصہ ضائع کر دیا اور اس کا تکلف کیا جس کا اسے علم نہیں"۔(3)

لہٰذا مسلمان کو چاہیئے کہ قطعاً ان سٹارز پر یقین نہ رکھیں اور نہ ہی کوئی ایسی تحریر پڑھیں جس میں لکھا ہو کہ آپ کا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا، تاکہ ذہن میں کسی قسم کی کوئی بدشگونی جنم نہ لے۔

کریں نہ تنگ خیالاتِ بد کبھی، کر دے
شعور و فکر کو پاکیزگی عطا یا رب
(کلامِ عطار)

---

1 (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب یستقبل الامام الناس اذا سلم، ج 1، ص 406، حدیث 846، فرید بک سٹال، لاہور)
2 (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، ج 1، ص 108، حدیث 228، فرید بک سٹال، لاہور)
3 (صحیح البخاری، کتاب بدا الخلق، باب فی النجوم، ج 2، ص 233، فرید بک سٹال، لاہور)

پیاری بیٹیاں

بیٹا پیدا ہو یا بیٹی، انسان کو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے کہ بیٹا اللہ عزوجل کی نعمت اور بیٹی رحمت ہے اور دونوں ہی ماں باپ کے پیار اور شفقت کے مستحق ہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ عزیز واَقرِبا کی طرف سے جس خوشی کا اِظہار لڑکے کی ولادت پر ہوتا ہے، محلے بھر میں مٹھائیاں بانٹی جاتی ہیں ،مبارک سلامت کا شور مچ جاتا ہے لڑکی کی ولادت پر اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ہوتا۔ دنیاوی طور پر لڑکیوں سے والدین اور خاندان کو بظاہِر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان کی شادی کے کثیر اخراجات کا بھار باپ کے کندھوں پر آن پڑتا ہے شاید اسی لئے بعض نادان بیٹیوں کی ولادت ہونے پر ناک چڑھاتے (یعنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے) ہیں اور بچی کی امی کو طرح طرح کے طعنے دیئے جاتے ہیں، طلاق کی دھمکیاں دی جاتی ہیں بلکہ ایک سے زائد بیٹیاں ہونے کی صورت میں اس دھمکی کو عملی تعبیر بھی دے دی جاتی ہے۔ اس پر یہ ظلم بھی ہوتا ہے کہ بیٹیوں کو ہی منحوس قرار دے دیا جاتا ہے،اس وہم کی بھی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ سے اس کے متعلق سوال پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "بیٹیوں کی پیدائش کو برا جاننا محض باطِل اور زنانے اَوہام اور ہندوانہ خیالاتِ شیطانیہ ہیں ان کی پیروی حرام ہے"۔[1]

بیٹیوں کی پرورش کے فضائل:

بیٹیوں کی پیدائش پر دل چھوٹا کرنے والے دوستوں کو چاہیے ذرا سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ہر شے افضل و اعلیٰ عطا فرمائی اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کو اللہ رب العزت نے چار بیٹیاں عطا فرمائیں تو بھلا بیٹیوں کی پیدائش کیسے بری ہو سکتی؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

1 (فتاویٰ رضویہ، ج 29، ص 645، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

" بیٹی بیٹے سے زیادہ باعثِ برکت ہے، اور اسکی پرورش میں اجر وثواب زیادہ ہے "۔ (1)

اللہ عزوجل نے جن لوگوں کو بیٹیوں سے نوازا ہے، انہیں چاہیے کہ وہ ذیل میں فرامینِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بار بار پڑھیں جن میں بیٹی کی پرورش پر مختلف بشارتوں سے نوازا گیا ہے۔ چنانچہ حضورِ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ افلاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

(1) " بیٹیوں کو بُرا مت کہو، میں بھی بیٹیوں والا ہوں ۔ بے شک بیٹیاں تو بہت محبت کرنے والیاں، غمگسار اور بہت زیادہ مہربان ہوتی ہیں "۔ (2)

(2) اور حضور جانِ جاناں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جس کے ہاں بیٹی پیدا ہو اور وہ اسے اِیذاء نہ دے اور نہ ہی بُرا جانے اور نہ بیٹے کو بیٹی پر فضیلت دے تو اللہ عزوجل اس شخص کو جنت میں داخل فرمائے گا"۔ (3)

(3) اور نبی رحمت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا "جس کی تین بیٹیاں ہوں، وہ ان کا خیال رکھے، ان کو اچھی رہائش دے، ان کی کفالت کرے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔" عرض کی گئی: "اور دو ہوں تو؟" فرمایا: "اور دو ہوں تب بھی۔" عرض کی گئی: " اگر ایک ہو تو ؟ " فرمایا: " اگر ایک ہو تو بھی "۔ (4)

(4) اور پیارے آقا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص پر بیٹیوں کی پرورش کا بار پڑ جائے اور وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرے تو یہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم سے روک بن جائیں گی "۔ (5)

(5) اور حضور خاتم النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: " جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں وہ ان سے اچھا سلوک کرے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اس کے لیے جنت ہے "۔ (6)

---

1 (کیمیائے سعادت، باب المعملات، ص238، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

2 (مسند الفردوس للدیلمی، ج2، ص 415، حدیث 7556، دار الفکر، بیروت)

3 (المستدرك للحاكم، كتاب البر والصلة، ج5، ص 824، حديث 7348، شبير برادرز، لاهور)

4 (المعجم الاوسط، باب الميم، ج4، ص347، حديث 6199، پرو گريسو بكس، لاهور)

5 (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الاحسان الى البنات، ج3، ص447، حديث 6636، فريد بك سٹال، لاهور)

6 (ترمذی، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في النفقه، ج1، ص900، حديث 1977، فريد بك سٹال، لاهور)

پیارے آقا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیٹیوں پر شفقت:

(1) پیارے آقا کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی صاحبزادیوں پر انتہائی شفقت فرماتے۔ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اپنے والدِ بزرگوار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتیں تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کھڑے ہو جاتے، ان کی طرف متوجہ ہو جاتے، پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے، اسے بوسہ دیتے پھر ان کو اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتے۔ اسی طرح جب آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھ کر کھڑی ہو جاتیں، آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتیں پھر اس کو چُومتیں اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔[1]

(2) حضرتِ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی بادشاہ نے رسولِ اکرم ،نُورِ مُجسم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں کچھ زیورات بطورِ تحفہ بھیجے جن میں ایک حبشی (کالے) نگینے والی انگوٹھی بھی تھی۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس انگوٹھی کو چھڑی یا اَنگشتِ مبارکہ سے مَس کیا (یعنی چُھوا) اور اپنی نواسی اُمامہ کو بلایا جو شہزادئ رسول حضرتِ سیدتُنا زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی تھیں اور فرمایا: "اے چھوٹی بچی! اسے تم پہن لو"۔[2]

(3) حضرتِ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ (اپنی نواسی) امامہ بنت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نماز پڑھانے لگے تو رکوع میں جاتے وقت انہیں اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو انہیں اٹھا لیتے۔[3]

---

1 (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی القیام، ج3، ص604، حدیث 4540، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

2 (سنن ابی داؤد، کتاب الخاتم، باب ماجاء فی ذھب للنساء، ج3، ص231، حدیث 3697، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

3 (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد، ج3، ص393، حدیث 5996، فرید بک سٹال، لاھور)

بے اولادی :

اللہ عزوجل کبھی اپنی کسی خاص حکمت کے تحت انسان کو اولاد کی نعمت سے نہیں نوازتا یا اس کی اولاد وفات پا جاتی ہے، ایسے میں اس شخص کو چاہیے کہ اللہ عزوجل کی رضا میں راضی رہے۔ اُخروی اجر و ثواب پر غور کرے۔ اسکے برعکس ہمارے معاشرے میں اگر کسی عورت کی اولاد نہ ہو یا وفات پا جائے تو اُسے منحوس کہہ کر طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ایسے لوگ حقیقتاً اللہ عزوجل کے فیصلے پر اعتراض کرنے والے ہیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ [1]

ترجمہ کنزالعرفان : " آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرے ۔ جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے۔ یا انہیں بیٹے اور بیٹیاں دونوں ملا دے اور جسے چاہے بانجھ کر دے، بیشک وہ علم والا، قدرت والا ہے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کسی کے ہاں صرف بیٹے پیدا کرنے، کسی کے ہاں صرف بیٹیاں پیدا کرنے اور کسی کے ہاں بیٹے اور بیٹیاں دونوں پیدا کرنے کا اختیار اور قدرت صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، کسی عورت کے بس میں یہ بات نہیں کہ وہ اپنے ہاں بیٹا یا بیٹی جو چاہے پیدا کر لے، اور جب یہ بات روشن دن سے بھی زیادہ واضح ہے تو بیٹی پیدا ہونے پر عورت کو مشقِ ستم بنانا، اسے طرح طرح کی اذیتیں دینا، بات بات پہ طعنوں کے نشتر چبھونا، آئے دن ذلیل کرتے رہنا، صرف بیٹیاں پیدا ہونے پر اسے منحوس سمجھنا اور طلاق دے دینا، قتل کی دھمکیاں دینا بلکہ بعض اوقات قتل ہی کر ڈالنا، یہ اس مجبور اور بے بس کے ساتھ کہاں کا انصاف ہے، افسوس! ہمارے آج کے معاشرے میں مسلمانوں نے اُس طرزِ عمل کو اپنایا ہوا ہے جو دراصل کفار کا طریقہ تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

1 (الشوریٰ، آیت 49، 50)

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰی ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيۡمٌ ۚ يَتَوَارٰی مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰی هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ [1]

ترجمہ کنزالعرفان : "اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصے سے بھرا ہوتا ہے۔ اس بشارت کی برائی کے سبب لوگوں سے چھپا پھرتا ہے۔ کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اسے مٹی میں دبادے گا؟ خبردار! یہ کتنا برا فیصلہ کررہے ہیں"

افسوس! اسلام نے عورت کو جس آگ سے نکالا آج کے لوگ اسے پھر سے اسی میں جھونک رہے ہیں۔ اسلام نے کفار کے چھینے ہوئے جو حق عورت کو واپس دلائے آج کے مسلمان وہی حق چھیننے میں لگے ہوئے ہیں۔ اسلام نے عورت کو ذلت و رسوائی کی چکی سے نکال کر معاشرے میں جو عزت اور مقام عطا کیا، آج کے مسلمان دوبارہ اسے اسی چکی میں پسنے کے لئے دھکیل رہے ہیں اور شاید انہی بدعملیوں کا نتیجہ ہے کہ آج اسلام کے دشمن عورت کے حقوق کی آڑ میں مسلمانوں کے اسی کردار کو دنیا کے سامنے پیش کر کے دینِ اسلام جیسے امن کے علمبردار مذہب کو ہی دہشت گرد مذہب ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے، آمین۔[2]

اولاد کی وفات پر صبر واجر :

جن والدین کی اولاد وفات پاجائے انہیں چاہیے کہ وہ اس دنیاوی نعمت کے چھن جانے پر صبر کریں اور اخروی اجر و ثواب کے مستحق بنیں۔ اولاد کی وفات پر صبر و اجر سے متعلق تین فرامینِ مصطفیٰ ﷺ ملاحظہ ہوں :

(1) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے تین بچے آگے بھیج دیے جو ابھی بالغ نہ تھے تو وہ بچے اس کے لیے جہنم سے مضبوط پردہ (ڈھال) ہونگے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض

1 (النحل، آیت 58-59)

2 (تفسیر صراط الجنان، تحت الآیتہ الشوریٰ 5049، مکتبتہ المدینہ، کراچی)

کیا : (یارسول اللہ ﷺ) میں نے دو آگے بھیجے ہیں۔ فرمایا : "تو دو"۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: (یارسول اللہ ﷺ) میں نے ایک آگے بھیجا ہے۔ فرمایا :"تو ایک "۔(یعنی جس کے دو یا ایک بچہ بھی فوت ہوا تو اس کا بھی یہی حکم ہے)۔[1]

(2) حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک نامکمل بچہ اپنے رب سے شفاعت کرنے میں جھگڑا کرے گا۔ جب اللہ تعالیٰ اس کے والدین کو جہنم میں داخل کرے گا تو (رب تعالیٰ) کہے گا: اے اپنے رب سے جھگڑا کرنے والے نامکمل بچے ! اپنے والدین کو جنت میں داخل کر دے تو وہ ان دونوں کو اپنی نال کے ساتھ کھینچے گا یہاں تک کہ ان دونوں کو جنت مین داخل کر دے۔[2]

(3) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے !بے شک نامکمل بچہ اپنی ماں کو اپنی نال (جسے ولادت کے وقت دایہ کاٹتی ہے) سے جنت کی طرف کھینچے گا جب وہ ماں اپنے بچے کے ضائع ہونے پر اجر و ثواب کی امید رکھتی ہو"۔[3]

کسی کی وفات پر کیا سوچ ہونی چاہیے :

حجتہ الاسلام امام محمد بن محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" جس شخص کا بچہ یا قریبی رشتہ دار فوت ہو جائے تو وہ یہ خیال کرے کہ ہم دونوں اپنے شہر کی جانب سفر کر رہے تھے لیکن میرا بچہ مجھ سے پہلے اپنے وطن اور رہائش گاہ پر پہنچ گیا ہے اور سفر کرتے ہوئے بچے کا جلدی پہنچنا اس کے لئے زیادہ رنج و غم کا باعث بھی نہیں بنتا ہے اس لئے کہ اسے یقین ہو تا ہے کہ عنقریب میں بھی اس سے جاملوں گا، فرق صرف اتنا ہے کہ اس نے سفر جلدی طے کر لیا اور میں نے تاخیر سے طے کیا۔ موت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کیونکہ موت کا

1 (سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز ،باب ماجاء فی ثواب، ج1،ص500،حدیث 1594،ضیاء القرآن پبلی کیشنز ،لاھور)
2 (سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز ،باب ماجاء فیمن اصیب، ج1،ص500،حدیث 1596،ضیاء القرآن پبلی کیشنز ،لاھور)
3 (سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز ،باب ماجاء فیمن اصیب، ج1،ص501،حدیث 1597،ضیاء القرآن پبلی کیشنز ،لاھور)

معنی ہے وطن کی طرف جلد پہنچنا حتٰی کہ بعد والا بھی آملے تو جب وہ اس طرح سے سوچے گا اور بالخصوص اولاد کی موت پر ملنے والے ثواب پر غور کرے گا کہ جس سے ہر مصیبت زدہ کو تسلی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی پریشانی کم ہو جائے گی"۔[1]

1 (احیاء العلوم، موت اور اس کے بعد کا بیان، ج5، ص 600، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ربیع الاول کے متعلق اصلاح

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروزِ ساعت پہ لاکھوں سلام

ماہِ میلاد شریف :

لفظِ "میلاد" کا معنی ہے (ولادت، یومِ پیدائش، جنم دن) اور میلاد النبی کا معنی ہے امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی اِس دنیا میں جلوہ فرمائی (پیدائش) کا دن۔
کثیر کُتب ِسیرت میں مذکور ہے کہ آقا کریم ﷺ کی ولادت (12 ربیع الاول) شریف پیر کے دن ہوئی۔[1][2][3] پوری دنیا کے مسلمان ہر سال اس بابرکت دن پر اللہ عزوجل کی اس عظیم نعمت واحسان پر شکر ادا کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔
خوشی کا اظہار کرتے ہوئے عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ محلے، بازار، گھر، سجاتے ہیں، چراغاں (*lighting & decoration*) کیا جاتا، اور کھانے پکا کر تقسیم کیے جاتے ہیں، صدقہ و خیرات کی جاتی، جلوس نکالے جاتے، جھنڈے لگائے جاتے، محافل میلاد مصطفیٰ ﷺ کا انعقاد کیا جاتا ہے (اور انکا ثواب تحفتاً و محبتاً پیارے آقا ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں)۔ یہ سب کام نہ صرف جائز بلکہ مستحب (باعثِ ثواب) اعمال ہیں، یہ تمام افعال مسلمان حکمِ الٰہی پر عمل کرتے ہوئے کرتے ہیں، کہ اللہ عزوجل نے فضل اور اُسکی رحمت کے ملنے پر خوشی منانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

☆ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ[4]

---

1 (المواھب اللدنیہ ،باب ذکر ولادت شریف، ج1،ص 88، فرید بک سٹال،لاھور)
2 (مدارج النبوت، باب ذکر ولادت شریف، ج2،ص32،ضیاء القران پبلی کیشنز،لاھور)
3 (فتاوٰی رضویہ ملخصاً، ج26،ص411-414،رضا فاؤنڈیشن،لاھور)
4 (یونس،آیت58)

ترجمہ کنزالعرفان :" تم فرماؤ : اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر ہی خوشی منانی چاہیے ، یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں "۔

☆وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ [1]

ترجمہ کنزالعرفان : " اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو "

☆ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ [2]

ترجمہ کنزالعرفان : "اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کر"

☆وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ [3]

ترجمہ کنزالعرفان : " اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو "

ان آیات مبارکہ سے واضح ہوا کہ اللہ عزوجل نے ہمیں نعمت ملنے، فضل واحسان ہونے کے موقع پر شکر، چرچا (خوشی) کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔اور رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اس دنیا میں تشریف آوری اللہ عزوجل کا خاص الخاص فضل واحسان ، اور سب سے بڑھ کے رحمت و نعمت ہے۔کیا کوئی مسلمان اس کے برعکس سوچ سکتا؟ حاشا ہر گز نہیں۔کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ [4]

ترجمہ کنزالعرفان: "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے "

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آمد اللہ عزوجل بہت بڑا فضل ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے :

☆وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا [5]

ترجمہ کنزالعرفان: "اور ایمان والوں کو خوشخبری دیدو کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے "

---

1 (المائدہ،آیت7)
2 (النخل،آیت114)
3 (الضحیٰ،آیت11)
4 (الانبیاء،آیت107)
5 (الأحزاب،آیت47)

12ربیع الاول (میلاد المصطفیٰ ﷺ) پر ہونے والے افعال گھر و محلے سجانا، صدقہ و خیرات کرنا، جلوس وغیرہ نکالنا یہ تمام کام جائز و مستحب ہیں اور اِنکے درست ہونے پر کثیر دلائل علمائے اہلسنت کی کُتب میں موجود ہیں، جو اہلِ محبت کے لیے کافی و شافی ہیں۔ منکرینِ میلاد کا مذہبی و سیاسی ریلیاں نکالنا، سیاسی پارٹی کے جھنڈے لگانا، سیرت کانفرنسیں کرنا، شادی کے موقع پر لائیٹنگ کرنا، سالگرہ پر کیک کاٹنا جو پورا سال عین جائز ہوتا ہے وہ ماہِ ربیع الاول آتے ہی آقا کریم ﷺ کی آمد کی خوشی میں کرنا ناجائز و بدعت سیئہ لگنے لگتا ہے۔ اللہ عزوجل انہیں عقلِ سلیم عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ان کے غلط فتوؤں سے بچائے۔

سب نے میلادِ مصطفیٰ ﷺ منایا:

(1) پیارے آقا ﷺ اپنی ولادت کی خوشی میں خود میلاد مناتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ ہر پیر کو روزہ رکھا کرتے تھے، چنانچہ حضرتِ قتادہ نے اس دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا تو جواباً ارشاد فرمایا: "یہ دن میری ولادت کا دن ہے اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل کیا گیا"۔[1]

(2) ولادت مصطفیٰ ﷺ سے قبل انبیاء بھی آمد مصطفیٰ ﷺ کا ذکر اپنی اُمتوں میں کرتے رہے، ابن عساکر نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: ہمیشہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے بارے میں آدم اور ان کے بعد سب انبیاء سے پیشگوئی فرماتا رہا اور قدیم سے سب امتیں حضور کی تشریف آوری پر خوشیاں مناتیں اور آپ ﷺ کے توسل (وسیلہ) سے اپنے اعداء (دشمنوں) پر فتح مانگتی آئیں، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے حضور ﷺ کو بہترین امت و بہترین زمانہ بہترین اصحاب و بہترین شہر میں ظاہر فرمایا "۔[2]

(3) صحابی رسول کاتبِ وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: " رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کی ایک محفل میں تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: کس چیز نے تمہیں یہاں بیٹھایا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم

---

1 (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام، ج1، ص822، حدیث2742، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (الخصائص الکبریٰ، باب خصوصیت باخذ المیثاق، ج1، ص56، مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور)

یہاں اس لیے بیٹھے ہیں (یہ محفل سجانے کا مقصد یہ ہے) کہ ہمیں جو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی دولت عطا فرمائی اور آپ ﷺ کو بھیج کر ہم پر احسان فرمایا اس پر اسکا ذکر کریں اور اسکا شکر ادا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم؟ (اے میرے صحابہ) تم صرف اس لیے بیٹھے ہو؟۔ صحابہ نے عرض کی: اللہ کی قسم ہم صرف اس لیے بیٹھے ہیں کہ دین اسلام کی دولت اور آپکی آمد کی نعمت پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: "اے میرے صحابہ میں تم سے قسم اس لیے نہیں لے رہا کہ مجھے تم پر شک ہے، بلکہ (معاملہ یہ ہے) میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور مجھے خبر دی کہ تمہارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر فرما رہا ہے"۔[1]
اللہ! اللہ! صحابہ کرام کے جس عمل (ذکر ولادتِ مصطفیٰ) پر رب تعالیٰ خود فرشتوں پر فخر فرمائے وہ ہم کیوں نہ کریں۔

(4) محافظ ناموسِ رسالت شیخ الحدیث والتفسیر علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے میلاد منانے پر بڑی پیاری بات ارشاد فرماتے ہیں کہ: " تم ہم پر صرف سرکار کی آمد مرحبا (حضور ﷺ تشریف لے آئے) کہنے پر اعترض کرتے ہو؟ آمد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی میں چیزیں (تبرک) تقسیم کرنے پر اعتراض کرتے ہو؟۔ تم جانتے ہو صحابہ کرام نے کیسے میلاد منایا؟ صحابہ نے تو اپنے جان و مال رسول اللہ ﷺ پر فِدا کر کے، وقت کی (super powers) سلطنتوں قیصر و کسریٰ (روم و ایران) کے قلعوں اور محلات کے دروازوں کو کھٹکھٹا کر یہی نعرہ لگایا کہ! نکلو باہر اب حضور آ گئے (سرکار کی آمد مرحبا)"۔

اسی طرح کُتبِ سیرت میں روایات موجود ہیں کہ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشی میں فرشتوں، جانوروں، چرند پرند حتیٰ کہ اس کائنات کی ہر ہر چیز نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا، کہ وہ نبی جن کو رب تعالیٰ نے دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنایا وہ اس دنیا میں جلوہ گر ہو گئے۔ لہٰذا ہم بھی اسی لیے خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا چرچا کرتے ہیں۔

---

1 (سنن نسائی، کتاب آداب القضاۃ، باب کیف یستحلف الحاکم، ج3، ص544، حدیث 5330، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولیٰ ﷺ کی دُھوم
مثل فارِس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہو جائیں عدوّ جل کر مگر ہم تو رضا
دَم میں جب تک دَم ہے ذکر اُن کا سناتے جائیں گے

خوشی پر عقلی دلیل :

اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو نعمت ،رحمت ، فضل کے ملنے پر خوشی کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے (جیسے اوپر آیات میں بیان ہوا)۔ اللہ عزوجل نے یہ حکم مطلقاً دیا ہے ،یعنی اِس کے ساتھ کوئی قید نہ رکھی کہ تُم نے کسی خاص (مخصوص) طریقے سے خوشی منانی ہے بلکہ مطلقاً فرما کر اجازت دے دی کہ جس طرح چاہو ہر جائز طریقہ سے شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوے خوشی مناو۔ یہ مطلقاً حکم فرمانا اِس لیے بھی ہے کہ ہر خطہ، ہر ملک، ہر قوم میں خوشی منانے کا انداز جداگانہ ہوتا ہے۔ اگر کسی کو مقید کر دیا جائے، کہ تم نے فلاں فلاں طریقہ سے ہی خوشی منانی ہے ،تو وہ خوشی اُس کے لیے باعثِ مسرت نہ رہے گی بلکہ بعض اوقات باعثِ اذیت بن جائے گا کیونکہ ہر انسان کی کسی چیز کو پسند کرنے سے متعلق طبعی حالت الگ ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر جائز طریقہ سے خوشی کا اظہار کرنا درست ہے۔

ہاں دورِ حاضر میں ان افعال میلاد کے ساتھ بہت سی خرافات کی آمیزش جاہل عوام کی طرف سے شامل کر دی گئی ہے، جس سے اہلِ سنت کا کوئی تعلق نہیں۔ ہم یہاں ذیل میں افعالِ میلاد پر مختصر دلائل اور ان میں ہونے والی خرافات کا متعلق لکھتے ہیں تاکہ اس کے متعلق لوگوں کی اصلاح کی جاسکے۔

افعالِ میلاد اور اصلاح

محفلِ میلاد شریف اور نعت خوانی :

یومِ ولادت مصطفیٰ ﷺ پر مسلمان محفل میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا انعقاد کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل کی اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے محفل میلاد پر ذکر الہیٰ کیا جاتا ہے، نعتیں پڑھی جاتی ہیں، آقا کریم ﷺ کی فضائل و مناقب بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ تمام اُمور باعثِ ثواب اور ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے۔

سرکار ﷺ کی نعتِ پاک بیان کرنا سنتِ الٰہیہ ہے اور خود آپ ﷺ کی سنتِ مبارکہ بھی ہے۔ صحابیِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعت خوانی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے فضائل و کمالات بیان کرتے اور آقا کریم ﷺ کے دشمنوں کو اپنے اشعار کے ذریعے جواب دیا کرتے تھے۔ کُتب احادیث میں حضرتِ حسان بن ثابت کے کثیر اشعار موجود ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے، رسول اللہ ﷺ حضرت حسان بن ثابت کے لیے منبر رکھوا دیتے اور فرماتے : "اے حسان! اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے (میرے دشمنوں کو) جواب دو، اے اللہ روح القدس (حضرت جبریل) کے ذریعے حسان کی مدد فرما" [1]

اصلاح :

☆ رسول اکرم ﷺ سے ہماری محبت کا اظہار تعلیمِ نبوی ﷺ کے مطابق ہونا چاہیے، محفل میلاد کے تمام اُمور علمائے اہلسنت کی نگرانی میں ہونا ضروری ہیں۔ محفل میلاد شریف میں من گھڑت روایات کا ذکر کرنا، مساجد کے اندر تصویریں آویزاں کرنا، بعض مقامات پر نعت خوانوں اور پیشہ ور مقررین کا میلاد کے نام پر کاروبار، گانوں کی طرز پر نعت خوانی، موسیقی کے آلات اور دف ڈھول کا استعمال، یہ تمام اُمور ایسے ہیں جنکی روک تھام ضروری ہے۔ (دف کے ساتھ نعت

---

1 (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل حسان، ج3، ص359، حدیث 6336، فرید بک سٹال، لاہور)

پڑھنا جمہور اہلِ سنت کے نزدیک جائز نہیں)۔ نعت خوانوں کے ساتھ لڑکوں کی ٹیم وغیرہ کا اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی (اللہ اللہ) کو اس طرح بگاڑ بگاڑ کر پڑھنا کہ ڈھول کی آواز پیدا ہو، اسی طرح ساؤنڈ سسٹم کی گونج (echo) اس طریقے سے کھولنا کہ آلاتِ موسیقی جیسا ردھم پیدا ہو جائے ناجائز ہے اور ڈھول ہی کے مترادف ہے۔

☆ نعت خوانوں اور واعظین کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل سے عوام کو متنفر کرنے کا سبب نہ بنیں۔ مثلاً لوگوں سے زبردستی ہاتھ اٹھوانا، اور ہلانے کا کہنا وغیرہ۔ اسی طرح عوام کے سامنے اہلِ سنت کے عقائد و نظریات کے بجائے اپنی فہم و ذوق سے اشعار کی من گھڑت تشریحات کرنا بھی سختی سے منع ہے۔ اکثر محافل میں نعت خوان حضرات بخشش کے پروانے تقسیم کر رہے ہوتے ہیں، شفاعتِ نبوی ﷺ کو اس تناظر میں بیان کرنا کہ عوام بے خوفی، بے عملی بلکہ بد عملی پر قوی ہو، یہ ظلمِ عظیم ہے۔ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے، جہاں جنت کی بشارتیں سنائی جائیں وہاں ضروری ہے کہ گناہ کی وعیدیں بھی بیان کی جائیں۔

☆ محفلِ میلاد ﷺ کے انعقاد پر یہ احتیاط بھی بے حد ضروری ہے کہ نعتوں کی آواز اس قدر اونچی نہ ہو کہ عبادت کرنے والے، سوتے ہوئے شخص یا مریض کو تکلیف ہو۔ اسی طرح عورت کا خوش الحانی سے باآواز ایسے (نعت) پڑھنا کہ نامحرموں کو اس کے نغمہ کی آواز جائے یہ حرام ہے۔[1]

☆ بعض اوقات رات دیر تک محفل جاری رہتی ہے اور صبح فجر کی نماز سوئے ہوئے گُزر جاتی ہے۔ ایسا کرنا بالکل درست نہیں کیونکہ صبح فجر کی نماز باجماعت پڑھنا ساری رات عبادت سے بہتر ہے۔ اس لیے چاہیے کہ محفل میلاد کا دورانیہ رات اتنی دیر تک نہ رکھا جائے کہ لوگ فجر کی نماز کے لیے اُٹھ نہ سکیں۔

اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ رحمتِ عالم ﷺ کی ولادت کے بابرکت دن ہم کسی مسلمان کو اذیت پہنچانے کا باعث نہ ہو۔

---

1 (فتاویٰ رضویہ، ج 22، ص 242، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جلوس نکالنا :

میلاد النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جلوس تعظیم و توقیر مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اظہار کا ایک طریقہ ہیں۔کتب احادیث و سیرت میں ہے کہ:"جب نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو مدینہ منورہ میں جو مسلمان موجود تھے، ان کا حال یہ تھا مرد اور عورتیں چھتوں پر چڑھ گئے ، بچے اور غلام راستوں میں پھیل گئے اور اس طرح پکارتے تھے یا محمد یا رسول اللہ، یا محمد یا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم "۔(1)

اس حدیث پاک سے پتا چلا کہ خوشی کے موقعہ پر جلوس نکالنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا طریقہ ہے۔بہت سے محدثین نے اِس حدیثِ پاک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، جس میں اُن اشعار کا بھی ذکر کیا جو خواتین اور چھوٹی بچیاں آقا کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آمد کی خوشی پر پڑھتی تھیں۔

اصلاح :

☆ محفل میلاد کے جلوسوں میں باوضو ہو کر زبان پر درود شریف یا نعت جاری رکھتے ہوئے باوقار انداز میں شرکت کرنی چاہیے۔اگر کوئی غیر مسلم بھی دیکھے تو کشش محسوس کرے۔ لیکن بعض جلوس اس قدر منفی اثرات کے حامل ہوتے ہیں کہ اغیار کا متاثر ہونا تو کجا، خود سنجیدہ مسلمان بھی پریشان ہو جاتے ہیں، انکی درستگی کے لیے انتظامیہ کو مناسب حکمت عملی کرنی چاہیے۔

☆ جلوس میلاد کے موقع پر اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ جلوس جس (route) سے گزرے وہاں موجود کسی چیز کو نقصان نہ پہنچے۔ بعض جگہوں پر لوگ شُرکاءِ جلوس میں چیزیں (تبرک وغیرہ) بانٹنے کے لیے اُسے اُچھالتے ہیں جو بعض اوقات زمین پر گر کر ضائع بھی ہو جاتا ہے، ایسا کرنا رزق کی بے حُرمتی ہے جو بالکل جائز نہیں۔ کسی کو کوئی چیز دینا چاہیں تو ہاتھ میں دیجیے۔ محفلِ میلاد النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جلوس کے دوران یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کوئی نماز قضا نہ ہو کہ جلوسِ میلاد ایک مستحب امر، اور نماز فرض ہے۔

---

1 (صحیح مسلم، کتاب الزھد والراقائق، باب فی حدیث الھجرۃ، ج3، ص710، حدیث7438، فرید بک سٹال، لاھور)

جھنڈے لگانا :

ولادتِ مصطفیٰ ﷺ پر جھنڈے لگانا بھی رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیرِ مصطفیٰ کے اظہار کا ایک انداز ہے۔ نبی مکرم نور مجسم شاہ بنی آدم ﷺ کی والدہ محترمہ سیدتنا آمنہ آقا کریم ﷺ کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

(1) "میں نے دیکھا کہ تین جھنڈے نصب کئے گئے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبے کی چھت پر تو حضور انور ﷺ ولادت ہو گئی"۔[1]

روح الامین نے گاڑا کعبے کی چھت پہ جھنڈا

تا عرش اڑا پھریرا صبح شبِ ولادت

(2) مدارج النبوت میں شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، رسول ﷺ کی مدینہ سے مکہ کی طرف ہجرت کا واقع نقل کرتے ہیں کہ دورانِ سفر: "حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم کی بارگاہ میں عرض کیا: آپ مدینہ طیبہ میں اس حال میں داخل ہونگے کہ آپکے ساتھ ایک جھنڈا بھی ہو، تو انہوں نے اپنا عمامہ اتارا اور اسے نیزے پہ باندھ لیا پھر رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے چلنے لگے (اور قافلہ پیچھے پیچھے آتا رہا)"۔[2]

اس روایت میں جھنڈے اور جلوس دونوں کا ذکر ہے۔

چراغاں کرنا :

جشنِ آزادی پر لاکھوں روپے کے جھنڈے اور جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا، لیکن میلاد النبی ﷺ کے موقع پہ جھنڈے اور چراغاں (lighting) کرنے پر منکرینِ میلاد سیخ پا ہوتے ہیں اور اسے فضول خرچی (اسراف) کہتے، در حقیقت یہ اسراف نہیں، یہ سب حضور ﷺ کی محبت و تعظیم میں کیا جاتا ہے۔ خانہ کعبہ پر معمولی غلاف بھی ڈالا جا سکتا ہے، لیکن پھر ہر سال کروڑوں ریال کا غلاف کیوں ڈالا جاتا؟ اِس لیے کہ کعبہ شریف کی تعظیم مقصود ہے۔ یاد رکھیں "اسراف میں کوئی بھلائی نہیں اور بھلائی کے کاموں میں

---

1 (الخصائص الکبریٰ ،باب خصائص ولادت، ج 1، ص154 ، مکتبہ اعلیٰ حضرت،لاھور)

2 (مدارج النبوت ، ج2 ، ص103، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاھور)

خرچ کرنے میں کوئی اسراف نہیں (علامہ علی قاری، امام احمد رضا) "۔

(1) امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب اللدنیہ میں روایت نقل کرتے ہیں:

" آقا کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ فرماتی ہیں: " ولادت مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رات میں نے دیکھا کہ میں نے ایک نور جنا ہے۔ جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے یہاں تک کہ میں نے انہیں دیکھ لیا"۔[1]

(2) حضرتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ماہِ رمضان میں مسجد میں قندیلیں لگا کر زیادہ روشنی کرنے پر یہ دعا دی : "اللہ عزوجل حضرت عمر کی قبر کو روشن فرما، جیسے انہوں نے ہماری مسجد کو روشن فرمایا"۔[2]

ان روایات سے پتہ چلا کہ کسی چیز کی تعظیم کے لیے زیادہ (lighting & decoration) کرنا جائز ہے۔

اصلاح:

☆ بارہ ربیع الاول کے موقع پر گلیوں محلوں کی سجاوٹ میں ایسے فانوس، جھنڈیاں اور دیگر ڈیکوریشن کا سامان لگایا جاتا ہے، جس پر کعبہ شریف، گنبدِ خضریٰ یا نقشِ نعلینِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تصویر بنی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے چھوٹے چھوٹے ماڈل ڈیکوریشن کے طور پر لٹکائے جاتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کے گرنے سے ان کی بے ادبی کا قوی خدشہ ہوتا ہے اور بعض مقامات پر گرے دیکھے بھی گئے ہیں، لہٰذا تمام عاشقانِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے التجاء ہے کہ اس قسم کی ڈیکوریشن کا استعمال بالکل نہ کیا جائے جن کے گرنے پر بے ادبی کا اندیشہ ہو۔

☆ چراغاں (lighting) کے لیے بجلی چوری نہ کی جائے۔ بلکہ اپنے گھر میں ایک دن کے لیے (connection) کروا لیا جائے اور بل ادا کیجیے یا واپڈا وغیرہ سے رابطہ کر کے کسی دوسرے جائز طریقہ سے چراغاں کی ترکیب کیجیے۔ اسی طرح ساری رات یہ (lights) جلتی چھوڑ دینا بھی درست نہیں۔

---

1 (المواھب اللدنیہ، ج1، ص79، فرید بک سٹال، لاھور)

2 (فیضانِ فاروقِ اعظم، باب اولیات فاروق اعظم، ج1، ص735، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کھانا کھلانا، صدقہ وخیرات کرنا:

کسی کو کھانا کھلانا صدقہ خیرات کرنا سال کے کسی بھی دن ہو جائز اور باعثِ ثواب ہے۔ حضور پُر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(1) " ہر ذی روح کو پانی پلانے میں اجر ہے "۔[1]

(2) "اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے"۔[2]

مسلمان میلاد النبی ﷺ پر لوگوں کو کھانا وغیرہ کھلا کر اس کا ثواب آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیۃً تحفۃً عقیدۃً پیش کرتے ہیں، جو کے شرعاً جائز ہے۔

کیک کاٹنا:

بارہ ربیع الاول کے موقع پر کیک کاٹنا اور دوسروں کو کھلانا بھی مذکور بالا احادیث کے تحت جائز ہے۔ ہمارے ملک میں ہر خوشی کے موقع پر کیک وغیرہ کاٹا جاتا ہے (پیدائش کا دن ہو یا شادی کی سالگرہ، جشنِ آزادی، دکان کا افتتاح ہو یا اور کوئی خوشی کا موقع) ان سب میں کیک کاٹنا جائز ہے اور کیک کاٹنے کو غیر مذہبوں کا طریقہ کہنا درست نہیں۔

اصلاح:

☆ ہاں البتہ خیال رہے جس طرح آج کل کئی جگہوں پر لاکھوں روپے کا صرف کیک کاٹا جاتا اور لوگوں (مرد و عورتوں) کا اِرد گرد ہجوم اکٹھا ہو جاتا ہے، تو اِس میں ریاکاری سمیت دیگر خرافات کا قوی اندیشہ ہے۔ ایسا کرنا درست نہیں۔ اگر کوئی کیک ہی کاٹنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ کیک کو گھر کے اندر ہی رکھ کر کاٹ لے اور پھر دوسری چیزوں کی طرح باہر عوام میں تقسیم کر دے تاکہ کہیں یہ عمل خرافات کی وجہ سے گناہوں کا سبب نہ بن جائے۔

☆ اسی طرح بعض جگہوں پر دیکھا گیا ہے کہ کیک پر کعبہ معظمہ، گنبد خضریٰ، نقشِ نعلینِ مصطفیٰ ﷺ کی تصاویر بنا کر یا حضور جانِ رحمت آقا دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسمِ گرامی (نام مبارک) لکھ کر اُسی پر کاٹتے وقت چھُریاں چلائی جاتی ہیں، جو یقیناً اہلِ محبت کے لیے انتہائی تکلیف دہ بات ہے، اس سے اجتناب لازم ہے۔

---

1 (سنن ابنِ ماجه، کتاب الاداب، باب فضل الصدقه الماء، ج 2، ص 481، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

2 (مسند امام احمد، ج 10، ص 1035، حدیث 24425، مکتبه رحمانیه، لاھور)

بانٹنے میں احتیاط کیجیے :

دیکھا گیا ہے کہ کوئی چیز (لنگر) وغیرہ بانٹتے ہوئے اُسے عوام کی جانب پھینکا جاتا ہے، جس سے اکثر وہ چیز زمین پر گر جاتی ہے اور لوگ ایک دوسرے سے چھیننے میں لگ جاتے ہیں۔

اصلاح :

☆ یہ طریقہ غلط، رزق کی بے حُرمتی اور اسراف ہے، اِس طرح نہ کیا جائے، بلکہ جو چیز بھی ہو لوگوں کے ہاتھ میں پکڑائی جائے۔

پہاڑیاں بنانا :

سجاوٹ اور لائیٹنگ کے ساتھ ساتھ ایک عرصہ سے بارہ ربیع الاول پر پہاڑیاں بنائی جاتیں ہیں، کھجور کے درخت لگائے جاتے ہیں۔ یہ سب اس لیے کیا جاتا کہ جس وقت آقا کریم ﷺ کی مکہ معظمہ میں ولادت ہوئی تو وہ مقام ایسا تھا (یعنی پہاڑ اور کھجور کے درخت وہاں موجود تھے اور آج بھی ایسا ہے)۔ اُن مبارک جگہوں کی تعظیم وعظمت بیان کرنے اور اپنے بچوں کے دل میں اُن جگہوں سے محبت پیدا کرنے کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ البتہ ان میں کچھ خرابیاں ہیں جن کی اصلاح بے حد ضروری ہے۔

اصلاح :

☆ یہ ضروری ہے کہ جہاں پہاڑی بنائی جائے وہاں دیکھنے والوں میں مردوں عورتوں کا اِختلاط نہ ہو ،وگرنہ ایسا کرنا گناہ کا سبب ہو گا۔ اسی طرح دیکھا گیا ہے کہ پہاڑیوں پر مختلف قسم کی گُڑیاں و جانداروں کے چھوٹے ماڈل (بُت) رکھے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی اجازت نہیں، احادیث میں اِسکی سختی سے ممانعت ہے، اِسکی جگہ کوئی پھول وغیرہ رکھ سکتے ہیں۔

☆ فی زمانہ اس کام کی اصل روح باقی نہیں رہی، لوگ بغیر کسی نیت کے اسے صرف تفریح کے طور پر کرتے ہیں اور خرافات بہت زیادہ ہوتی ہیں، اس لیے اب اس کام سے بچنا بہتر ہے۔

کعبہ و گنبدِ خضراء کے ماڈل بنانا :

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : " روضہ منورہ کی صحیح نقل بنا کر بقصد تبرک رکھنا جائز ہے۔ جس طرح کاغذ پر اس کا فوٹو بہت سے مسلمان رکھتے ہیں۔ یونہی اگر پتھر وغیرہ کی عمارت بنائیں تو اس میں اصلاً حرج نہیں۔ جانور کی تمثال (شکل، ماڈل) حرام وناجائز ہے۔ غیر ذی روح کی تصویر میں کوئی قباحت نہیں، نقشہ نعلین مبارک کو ائمہ و علماء جائز بتاتے ہیں اور اس کے مکان میں رکھنے کو سب بابرکت جانتے ہیں۔ شبیہ روضہ (گنبدِ خضریٰ کے ماڈل) کا بھی وہی حکم ہے۔(خانہ کعبہ کے ماڈل کا بھی یہی حکم ہے) "۔[1]

اصلاح :

☆ یاد رکھیں ! کعبہ و روضہ کے ماڈل تعظیم کے لیے بنائے جاتے ہیں، اس لیے اسے کسی ایسی جگہ پر رکھنا جہاں تعظیم نہ ہو جیسے گندی زمین پر یا ایسی جگہ جہاں مردوں و عورتوں کا اختلاط ہو کسی صورت بھی (رکھنا) درست نہیں، بے حُرمتی کا سخت اندیشہ ہے۔

☆ اگر بنانا چاہیں تو ضروری ہے تعظیم کے ساتھ کسی اونچی جگہ پر رکھیں اور خیال کیجیے کہ اس کے رکھنے کی وجہ سے لوگوں کو گزرنے میں تکلیف نہ ہو۔ یہ باعثِ راحت و تسکین ہونا چاہیے نہ کہ باعثِ تکلیف و اذیت۔

کچھ مزید خرابیوں کی اصلاح :

☆ 12 ربیع الاول شریف کے موقع پر بچے وغیرہ گلی محلہ سجانے کے لیے چندہ اکٹھا کرتے ہیں اور بعض اوقات راستے بند کر دیتے ہیں، اِس میں یاد رکھیں کہ کسی سے زور و زبردستی کرنا ہرگز جائز نہیں اسی طرح عام گزر گاہ بند کرنا بھی جائز نہیں، والدین کو چاہیے اس معاملہ میں بچوں کی اصلاح کریں۔

☆ بعض جگہوں پر دیکھا گیا کہ بچوں کے ساتھ بالغ نوجوانوں کا رش (چندہ اکٹھا کرنے کے لیے) چوکوں میں ہوتا ہے، اگر یہ عام گزر گاہ ہے اور خواتین نے بھی یہیں سے گزرنا ہے تو یہ طریقہ

---

1 (فتاویٰ امجدیہ، ج4، ص25، مکتبہ رضویہ، کراچی)

ہر گز درست نہیں، آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایسی جگہوں (گزر گاہوں) پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے۔

☆ چراغاں (گلیاں بازار سجے) دیکھنے کے لیے عورتوں کا اجنبی مردوں میں بے پردہ نکلنا حرام ہے اور باپردہ عورتوں کا بھی مروجہ انداز میں مردوں میں اختلاط (یعنی خلط ملط) ہونا انتہائی افسوس ناک اور گناہوں کا سبب ہے۔ عورتوں کا مردوں کے جلوس میں شرکت کرنا بھی منع ہے۔

☆ بالخصوص میلادِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مہینے اور بالعموم پورا سال مذہبی پروگرامز کی تشہیر کے لیے بہت سی تنظیمات کی جانب سے دیواروں پر گیلو کے ذریعے کاغذ کے اشتہارات لگائے جاتے ہیں، جن پر اسماءِ الٰہیہ اور انبیاء و اولیاء کے نام مبارک بھی لکھے ہوتے ہیں۔ یہ اشتہارات موسموں کی نظر ہونے کی وجہ سے کچھ ہی عرصہ میں ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر گرتے رہتے ہیں۔ ہمارا اِن دوستوں سے سوال ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے سامنے ان مقدس ناموں کی یوں بے ادبی کرے تو ہمارا اُسکے ساتھ کیا رویہ ہو گا؟۔ دیکھنا چاہیے کہ کوئی ایسا کر کے سخت گناہ کا مرتکب تو نہیں ہو رہا۔ محافل کی تشہیر کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ باریک کاغذ کے بجائے(flex) کا استعمال کیا جائے اور جہاں جہاں یہ(flex) آویزاں کی جائیں، محفل کے بعد وہاں سے اتار کر اوراقِ مقدسہ والے ڈبوں میں ڈال دیا جائے۔ یہاں اس بات کا بھی خیال رہے کہ بغیر اجازت کسی کی دیوار پر اشتہار لگانا منع ہے۔

☆ کسی بھی جلوس، محفل وغیرہ کے لیے عوامی گُزر گاہ کو مکمل بند کر دینا یا عوام کے گزرنے میں اذیت کا باعث بننا جائز نہیں۔ امامِ اہلِ سنت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ حقوقِ عامہ کی دست اندازی ہوئی، شریعت میں تو اسی لحاظ سے راستہ میں نماز پڑھنی بھی مکروہ ہوئی نہ کہ بازار کی سڑک پر مجلس"۔ [1]

☆ گزشتہ چند سالوں سے کچھ بد بخت لوگ، امام الانبیاء حبیب کبریاء صاحب لولاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ولادت کے دن معاذ اللہ سپیکرز پر گانے وغیرہ لگا کر، ڈانس کرتے دیکھے گئے ہیں۔ آہ افسوس! یہ کہاں جہنم میں جاتے ہیں۔ ناچنا گانا تو ویسے ہی جائز نہیں اور پھر ولادت مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دن یہ

---

1 (فتاوٰی رضویہ، ج23، ص724، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سب کرنا، حد درجہ کی بے باکی و بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

الغرض : آقائے دو جہاں سرورِ کائنات رحمتِ عالم ﷺ کی ولادت کے دن ہر طرح سے لوگوں کے لیے آسانیوں اور خوشیوں کا سبب بنیں ، بلکہ اس دن تو رسول اللہ ﷺ کے ہر اُمتی کی خاص نیت ہونی چاہیے کہ آج اپنے نبی کریم ﷺ کی ولادت کے دن ہم کسی قسم کا غیر شرعی کام نہیں کریں گا ، حقیقی میلاد مصطفیٰ ﷺ یہی ہے کہ دُکھیوں اور مصیبت زدہ لوگوں کے کام آئیں اور زندگی کے ہر کام میں شرعی احکامات کو ملحوظ خاطر رکھیں، اللہ عزوجل ہمیں صحیح معنوں میں میلادِ مصطفیٰ ﷺ پر خوشی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کیا عیدیں صرف دو ہیں؟؟

عیدِ میلادُ النبی تو عید کی بھی عید ہے
بالیقیں ہے عیدِ عید اں عیدِ میلادُ النبی

مسلمان 12 ربیع الاول شریف کو اللہ عزوجل کی نعمت، رحمت، فضل ملنے پر اللہ عزوجل کے حکم پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اِس دن کو اپنے لیے عید کا دن سمجھتے ہیں، جو کے شرعاًبالکل درست ہے۔ عید کے لغوی معنی ہیں : " جو بار بار آئے، مسلمانوں کے جشن کا روز، خوشی کا تہوار "۔[1]

منکرین میلاد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں تو صرف دو عیدیں ہیں، یہ تیسری عید اپنے پاس سے بنالی ہے ؟

ان کا یہ کہنا کہ عیدیں صرف دو ہیں غلط اور دجل و فریب پر مبنی ہے کیونکہ احادیثِ مبارکہ میں اِن دو عیدوں (عید الفطر، عید الاضحیٰ) کے علاوہ بھی کئی دنوں (یومِ جمعہ، یوم عاشورہ، یومِ عرفہ، یومِ نحر) کو بھی عید کا دن قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا جس دن اللہ عزوجل مسلمانوں کو اپنی کسی خاص رحمتوں اور برکتوں سے نوازے اُسے عید کا دن کہنا درست ہے۔

ایک اِعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عید کے دن روزہ رکھنا منع ہے، 12 ربیع الاول کو جب عید ہے تو روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ 12 ربیع الاول والی عید کی نماز کیوں نہیں ہوتی؟ اول یاد رہے کسی دن کا عید ہونا اُس دن روزہ رکھنے سے منع نہیں کرتا، روزہ رکھنا صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ (10، 11، 12، 13ذوالحجہ) کے ایام میں مکروہ تحریمی وناجائز ہے۔

یوم عرفہ و یوم عاشورہ کو احادیث میں عید کا دن کہا گیا اور ساتھ ہی احادیث میں اس دن روزہ رکھنے کی ترغیب و فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح یوم عرفہ و یوم عاشورہ کو احادیث میں عید کا دن کہا گیا، مگر ان میں عید کی نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ اعتراضات باطل ہیں۔

---

1 (فیروزُ اللغات، ص736، فیروز سنز، لاہور)

افعالِ میلاد سے متعلق حکم شرعی

یاد رہے کہ عید میلاد النبی ﷺ منانا (جلوس نکالنا، جھنڈے لگانا، گھر کو سجانا وغیرہ) اپنی اصل کے اعتبار سے نہ ضروریاتِ دین میں سے ہیں اور نہ ہی ضروریاتِ اہلِ سنت وجماعت سے، یعنی یہ فرض وواجب نہیں بلکہ مستحب (باعثِ ثواب) افعال ہیں۔ البتہ نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ اکثر مسلم ممالک میں بھی یہ اہلِ سنت کا شِعار اور معمول ہیں اور فی نفسہ جائز و مستحسن ہیں۔ ان سے دینی فائدہ حاصل کرنے کے لیے مناسب حکمتِ عملی کی ضرورت ہے تاکہ اہلِ سنت وجماعت کا صحیح تشخص واضح ہو۔ ان مستحب اور مستحسن دینی کاموں کو بدعات و خرافات سے پاک رکھنے کا اہتمام بھی ضروری ہے، تاکہ ان خرابیوں کو گمراہ لوگ اہلِ سنت وجماعت کی طرف منسوب کرکے مسلکِ حق کو ہدفِ طعن نہ بناسکیں۔[1]

اگر کوئی شخص ایسے (افعال میلاد) نہیں کرتا لیکن اِن کو جائز سمجھتا ہے تو ایسے شخص کی تنقیص نہیں کی جائے گی (یعنی اُسے برا بھلا نہیں کہا جائے گا)، لیکن اگر کوئی اِن افعال میلاد کو برا کہتا ہو تو اُسکی بات کا ضرور رَد کیا جائے گا۔ ہاں البتہ جو آقا کریم ﷺ کی یومِ ولادت پر خوش بھی نہ ہو اور مسلمانوں کے بارہ ربیع الاول پر خوشی منانے کو رسول اللہ ﷺ کی وفات پر خوشی منانے سے منسوب کرکے گھٹیا الزام لگائے، وہ ضرور شیطان کا چیلا ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے۔
ابنِ کثیر دمشقی البدایہ والنہایہ (تاریخ ابن کثیر) میں لکھتے ہیں، امام سُہَیلی نے بقی بن مخلد حافظ کی تفسیر سے روایت کیا کہ:
"شیطان (ابلیس) چار بار چیخ کر رویا۔ پہلی مرتبہ اُس وقت رویا جب اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی، دوم جب اس کو جنت سے نکال کر زمین پر پھینک دیا گیا، سوم جب نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے، چہارم جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی"۔[2]

---

1 (ماخوذ اصلاح عقائد واعمال، ص47، دار العلوم نعیمیہ، کراچی)

2 ((تاریخ ابن کثیر) البدایہ والنہایہ، من الآیات لیلتہ مولدہ علیہ، ج2، ص 166، نفیس اکیڈمی، کراچی)

جو شخص آقا کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار نہیں کرتا اور جو جشنِ ولادت مصطفیٰ ﷺ پر خوشی کا اظہار کریں اُن پر طعن و تشنیع کرتا ہے، اُسے سوچنا چاہیے کہ وہ مسلمانوں کے رستے پر ہے یا شیطان کے۔

نثار تیری چہل پہل پر ہزاروں عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

من گھڑت روایات

ربیع الاول شریف سے متعلق جھوٹی روایت :

ماہِ ربیع الاول کی آمد پر خوشی منانا اور چرچا کرنا بہت اعلیٰ اور مستحسن عمل ہے۔ لیکن چند سالوں سے ربیع الاول قریب آتے ہی ایک مَن گھڑت (جھوٹی) روایت سوشل میڈیا پر گردش کرنے لگتی ہے کہ: "جس نے سب سے پہلے ربیع الاول کی مبارکباد دی اِس پر جنت واجب ہو جائے گی"۔ ایسی کوئی روایت نظر سے نہیں گزری، نہ علماء سے سُنی، بلکہ ایسی باتیں عموماً من گھڑت ہوا کرتی ہیں، اور من گھڑت بات حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف قصداً منسوب کرنا حرام ہے[1]۔ حدیثِ پاک میں اس پر سخت وعید ارشاد فرمائی گئی ہے۔ حدیث پاک میں ہے آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا :

" جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے "۔[2]

اور بغیر تحقیق و تصدیق ہر سنی سنائی بات کو آگے پھیلانا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ حدیثِ پاک میں ایسے شخص کو جھوٹا قرار دیا گیا ہے، چنانچہ فرمانِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے : "انسان کے جھوٹا ہونے کو یہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات (بغیر تحقیق کے آگے) بیان کر دے"۔[3]

لہٰذا ایسی روایات پر مشتمل (messages & posts) سے بچنا بہت ضروری ہے ۔

بوڑھی عورت سے متعلق جھوٹی روایت :

اس طرح "رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر کوڑا پھینکنے والی بوڑھی عورت" سے متعلق ایک من گھڑت روایت گردش کرتی ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔ تمام مکاتب فکر اور عرب و عجم کے علماء و محدثین کی متفقہ رائے ہے کہ یہ روایت موضوع اور

---

1 (مختصر فتاویٰ اہلسنت، ص199، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (صحیح البخاری، کتاب العلم ،باب اثم من کذب علی النبی، ج1، ص153، حدیث 108، فرید بک سٹال، لاہور)

3 (صحیح مسلم ، مقدمہ، باب النھی عن الحدیث ، ج1، ص34 ، حدیث 7، فرید بک سٹال، لاہور)

من گھڑت ہے۔ [1] [2]

اس کے متعلق مفتی ضیاء احمد قادری دام ظلہ نے "بڑھیاء کہ حقیقت" کے نام سے 330 صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے، جس میں آپ نے ہر جہت سے اس روایت کا رد کیا ہے اور علمائے عرب و عجم کے فتاویٰ کو نقل کیا ہے۔

خُلقِ عظیم :

لبرل حضرات اپنے مقاصد کے لیے اس (بوڑھی عورت کو معاف کرنے والی) من گھڑت روایت کا اکثر ذکر کرتے ہیں، اور گستاخ رسول کی سزا کی مخالفت میں اسے پیش کرتے ہیں۔ یاد رکھیں یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ گستاخ رسول کی سزا جو کہ کثیر احادیث میں بیان کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں اسے 11 سے زائد گستاخانِ مصطفیٰ ﷺ پر نافذ کیا ہے یہ آپکے خلقِ عظیم ہونے کے بالکل منافی نہیں۔ جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں تفصیلاً لکھیں گے۔

آج ہماری قوم نے صرف معاف کرنے کو خلقِ عظیم سمجھ لیا ہے جو کہ درست نہیں۔ حضور جانِ جاناں جناب رحمۃ للعالمین ﷺ کا ہر ہر قول و فعل خلقِ عظیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا خدا اور دین کے دشمنوں سے جہاد کرنا بھی خلقِ عظیم ہے اور آپ کا ﷺ کافروں اور گستاخوں پر سختی کرنا بھی خلقِ عظیم ہے۔ الغرض سرکارِ دوجہاں، حبیب کبریاء ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جو چیز بھی آپ سے منسوب ہے وہ خلقِ عظیم میں داخل ہے۔

ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے سچے اور مستند واقعات کو بیان کرنا چاہیے اور انہیں پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ جھوٹی روایات کو نیک نیتی یا بدنیتی دونوں طرح سے بیان کرنے کا جواز نہیں بنتا۔

---

1 (تفھیم المسائل، عقائد کے مسائل، ج 11، ص 38، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

2 (بڑھیاء کی حقیقت، مکتبہ طلع البدر علینا، لاھور)

چند مزید من گھڑت روایات :

(1) ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ: " ماں کی گود سے لیکر قبر تک علم حاصل کرو"۔
یہ روایت موضوع و من گھڑت ہے۔ یہ روایت حدیثِ مصطفیٰ ﷺ نہیں ہے بلکہ یہ لوگوں کا کلام ہے۔ لہٰذا اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف جائز نہیں۔ (1)
علم کی اہمیت بیان کرنے کے لیے دوسری احادیث بیان کرنی چاہییں۔

(2) ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ: "دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔
یاد رہے یہ روایت قرآن و احادیث کی تعلیمات کا اولین مفہوم تو ضرور ہے۔ لیکن یہ جملہ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے" حدیث کے الفاظ نہیں ہیں۔ لہٰذا اسے مفہوم احادیث کی طور پر تو بیان کیا جاسکتا ہے، لیکن اس جملے کی نسبت رسول اللہ کی طرف جائز نہیں۔ (2)

(3) ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ : "مومن کے جوٹھے میں شفاء ہے"۔
یہ روایت بھی فرمانِ مصطفیٰ ﷺ نہیں ہے۔ ہاں مسلمانوں کے مل بیٹھ کر کھانے میں برکت ضرور ہے جیسا کے دیگر احادیث میں روایات موجود ہیں، لیکن مذکور بالا روایت حدیث شریف نہیں۔ (3)

(4) ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ : " کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اذان نہ دینے کی وجہ سے صبح نہیں ہوئی"۔
یہ واقعہ بھی کتب احادیث میں موجود نہیں ہے۔ علماء نے اسے بے بنیاد اور موضوع قرار دیا ہے۔ (4)

(5) ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ : " کہ جو شخص رمضان کے آخری جمعہ کو ایک قضائے عمری کی نماز ادا کرلے تو یہ ایک نماز اس کی ستر سالوں کی قضاء نمازوں کے لیے کافی ہے"۔
یہ روایت قطعی طور پر باطل ، بے بنیاد اور اجماع کے خلاف ہے۔ یاد رہے زندگی میں جتنی بھی

---

1 (بڑھیاء کی حقیقت، ص34، مکتبہ طلع البدر علینا، لاھور / قیمۃ الزمن عند العلماء، مصر)
2 (بڑھیاء کی حقیقت، ص38، مکتبہ طلع البدر علینا، لاھور / المقاصد حسنۃ، ص351، دار الکتاب، بیروت)
3 (بڑھیاء کی حقیقت، ص38، مکتبہ طلع البدر علینا، لاھور / کشف الخفاء، ج1، ص524، مکتبہ القدسی القاھرۃ)
4 (بڑھیاء کی حقیقت، ص39، مکتبہ طلع البدر علینا، لاھور)

نمازیں قضاء ہوئی ہیں اُن سب کو الگ الگ ادا کرنا لازم ہے، یعنی اُن سب کی قضاء کرنا ہو گی۔ [1]

(6) ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ "حضرتِ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جنگِ احد میں دندان مبارک شہید ہونے کی خبر ملی تو حضرت اویس قرنی نے اپنے سارے دانت نکال دیے۔"

علماء فرماتے ہیں کہ یہ روایت درست نہیں ہے، یہ بعض جاہلوں کی طرف سے وضع کردہ واقعہ ہے۔ اگرچہ چند کتب میں یہ روایت موجود ہے لیکن کسی معتبر یا محفوظ ذریعے سے یہ ثابت نہیں ہے، اسکی کوئی مستند اصل نہیں۔ [2]

---

1 (بڑھیاء کی حقیقت، ص40، مکتبہ طلع البدر علینا، لاھور / الموضوعات، ص91، بیروت)

2 (بڑھیاء کی حقیقت، ص41، مکتبہ طلع البدر علینا، لاھور / فتاویٰ شارح بخاری، ج2، ص115، مکتبہ برکات المدینہ، کراچی)

ضعیف اور من گھڑت احادیث میں فرق کیجیے

اہلِ اسلام سال کے مختلف دنوں (شبِ معراج، شبِ براءت 27 شب وغیرہ) میں اللہ تعالیٰ کے حضور عبادات و مناجات کا خصوصی اہتمام کرتے اور انفرادی و اجتماعی طور پر اپنے رب کے حضور توبہ و سجدہ ریزی کرتے ہیں، صدقہ و خیرات کرتے ہیں، یہ سب کام جائز بلکہ اعمالِ مستحبہ میں سے ہیں۔

وہابی حضرات مسلمانوں کے اِن نیک اعمال کو بری بدعت قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انفرادی و اجتماعی توبہ و استغفار کرنے سے روکتے ہیں (معاذاللہ)۔ ان مخصوص دنوں شبِ معراج، شبِ براءت وغیرہ کے فضائل وبرکات سے متعلق بہت سی احادیث کتب احادیث میں موجود ہیں اور علماء نے اپنی تصنیفات میں انہیں جمع کیا ہے (وہاں ملاحظہ کیجیے)۔ لیکن یہاں چند اصولی باتیں ذہن نشین کرلیں :

☆ **اول :** یہ کہ شریعتِ مطہرہ میں اصل حکم اباحت (اجازت) کا ہے۔ یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی وہ حلال ہے، جو حرام قرار دی وہ حرام ہے اور جس کے بارے میں سکوت کیا (یعنی جن کے بارے میں کوئی واضح حکم نہیں ہے) وہ کام بھی کرسکتے ہیں، جبکہ وہ کام شریعت کے خلاف نہ ہو۔[1] لہٰذا مسلمانوں کے وہ طور طریقے جن کی شریعت میں ممانعت نہ آئی ہو وہ جائز ہیں۔ (مزید تفصیل کے لیے شروعِ کتاب میں "بدعت کی حقیقت" مضمون ملاحظہ کیجیے)۔

☆ **دوم :** یہ کہ جن کاموں کی اصل شریعت میں موجود ہے وہ تمام کام بدرجہ اولیٰ جائز و مستحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں سینکڑوں جگہ اپنی عبادت کا حکم ارشاد فرمایا اور اس پر کوئی قید نہیں لگائی یعنی فلاں وقت میں کرو فلاں میں نہ کرو، فلاں دن رات میں کرو اور فلاں دن رات میں نہ کرو، ایسا نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً حکم ارشاد فرمایا۔ اور جن اوقات میں عبادات نہیں کرنی اُن کا بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خود ہی بتادیا، مثلاً سورج طلوع یا غروب ہو رہا ہو تو

---

1 (ترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الفراء، ج1، ص835، حدیث 1781، فرید بک سٹال، لاہور)

نماز نہ پڑھو، عید کے دن روزہ نہ رکھو، عورت ایامِ مخصوصہ میں نماز و روزہ نہ رکھے وغیرہ۔ لہٰذا جس وقت عبادت نہیں کرنی تھی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ نے بتادیا، اس کے علاوہ ہر وقت عبادت کا وقت ہے، ہر وقت دعا و مناجات کا وقت ہے، ہر وقت اللہ کی بندگی کا وقت ہے۔ ان عمالِ صالحہ سے مسلمانوں کو روکنا قطعاً درست نہیں۔

☆ **سوم:** فی زمانہ ضعیف احادیث کے انکار اور ضعیف احادیث کو عام عوام کے سامنے موضوع (من گھڑت) (*fabricated*) حدیث بنا کر پیش کرنے کا فتنہ عروج پر ہے۔ لیکن یاد رکھیں ضعیف اور موضوع احادیث کے حکم میں فرق ہے۔ جب فضائل اور نیکی کے کام کی ترغیب کی بات ہو تو بہت سے بدمذہب حضرات یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ایسا کہنے والوں کی بڑی تعداد کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ حدیثِ ضعیف کہتے کسے ہیں اور ضعیف احادیث پر عمل سے متعلق محدثین کرام کیا فرماتے ہیں۔

ضعیف احادیث سے متعلق یہ بات یاد رکھیں کہ حدیث کو ضعیف محدثین وغیرہ کے کہنے پر یا محدثین کے وضع کیے گئے اصولوں پر کہا جاتا ہے، تو جب محدثینِ کرام کی حدیث کے ضعیف ہونے یا نہ ہونے میں پیروی کی جاتی ہے تو پھر لازم ہے ضعیف احادیث پر عمل سے متعلق بھی محدثین کرام کی ہی پیروی کی جائے گی اور ضعیف ضعیف کی رٹ لگا کر کسی مغالطہ دینے والے بدمذہب کی باتوں کو خاطر میں نہیں لایا جائے گا۔ چنانچہ ضعیف احادیث سے متعلق تمام اکابر محدثین (صحاح ستہ کے مصنف، ان کے شاگرد، ان کے استاد) سب کی اس کے متعلق یہی رائے ہے کہ ضعیف احادیث سے کوئی حکمِ شرعی (کسی چیز کو حلال و حرام ٹھہرانا) یا کوئی عقیدہ اخذ نہیں کیا جائے گا البتہ اس کے علاوہ فضائل کے اعتبار سے، ترغیب و ترہیب، قصص وغیرہ، ان تمام میں احادیثِ ضعیف معتبر و قابلِ قبول ہے، ان پر عمل کیا جائے گا۔ لہٰذا بدمذہبوں کا محدثین کے اصولوں پر یا کھینچ تان کر حدیث کو ضعیف تو کہہ دینا لیکن محدثین کا اس پر عمل کرنے سے متعلق حکم نہ ماننا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔[1]

---

1 (فتنہ انکار ضعیف احادیث سے متعلق مفتی حسان عطاری المدنی کا یوٹیوب پر ریکارڈڈ لیکچر ملاحظہ کیجیے، جس میں آپ نے تقریباً 27 اکابر محدثین کی کتب سے یہ بات ثابت کی ہے کہ فضائل کے اعتبار میں ضعیف احادیث معتبر و قابلِ قبول ہیں)

☆ **چہارم :** شبِ معراج ، شبِ براءت وغیرہ میں خاص عبادات سے متعلق کتب احادیث میں بہت سی روایات موجود ہیں لیکن اگر کسی خاص رات عبادت سے متعلق کوئی حدیث نہ ہو یا موضوع حدیث ہو تو اُس رات عبادت کرنا ناجائز ہو جائے گا ؟ کیا اگلے دن روزہ رکھنا بدعت ہو جائے گا؟ ، قرآنِ پاک میں کہاں اس رات یا کسی بھی رات عبادت سے متعلق نفی موجود ہے بلکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ ۚ [1]

ترجمہ کنزالعرفان : "پھر جب تم نماز پڑھ لو تو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے اللہ کو یاد کرو"

کوئی بھی مسلمان ان مخصوص راتوں میں کی جانے والی عبادات کو فرض وواجب سمجھ کر نہیں کرتا بلکہ نفلی عبادات کے طور پر کرتا ہے، یہ سب مستحب (باعثِ ثواب) افعال میں سے ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس سے روکنا اور عبادت سے روکنے کے لیے ان راتوں میں اپنی مساجد کو تالے تک لگا دینا ایک گھٹیا فعل اور یہی سب سے بڑھ کر بری بدعت ہے۔

عرض :

اہلِ اسلام کو چاہیے کہ وہ غور کریں کہ یہ ایک مخصوص لوگوں کا گروہ ہے جو کبھی مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادات اور اس کے حضور توبہ و استغفار کرنے سے روکتا ہے تو کبھی پیارے آقا ﷺ پر درود و سلام پڑھنے ، حضور جان جاناں ﷺ کے فضائل و برکات بیان کرنے ، آپ ﷺ کی آمد کی خوشیاں مناتے ہوئے محفلِ میلاد کرنے سے روک کر مسلمانوں کے دلوں میں اپنے نبی کی عظمت شان کم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ یہ لوگ کبھی اللہ کے محبوب امام الانبیاء حبیب کبریاء صاحب لولاک ﷺ کو اپنے جیسا کہتے ہیں تو کبھی آپ ﷺ کے اختیارات و کمالات کا انکار کر کے آپ ﷺ کی شان گھٹاتے نظر آتے ہیں۔ کبھی پیارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کے مبارک نام پر انگوٹھے چومنے سے منع کرتے ہیں اور کبھی اولیاء اللہ کی شان میں زبان درازی کرتے ہیں۔ عاشقانِ رسول ﷺ کو ایسے محروم لوگوں سے دور رہنا

---

1 (النساء، آیت103)

چاہیے اور انہیں خود سے دور رکھنا چاہیے، امام اہل سنت لکھتے ہیں :

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل صاف چرا لیں، یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تُو نے نیند نکالی ہے

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مَت کیسی متوالی ہے
(حدائق بخشش)
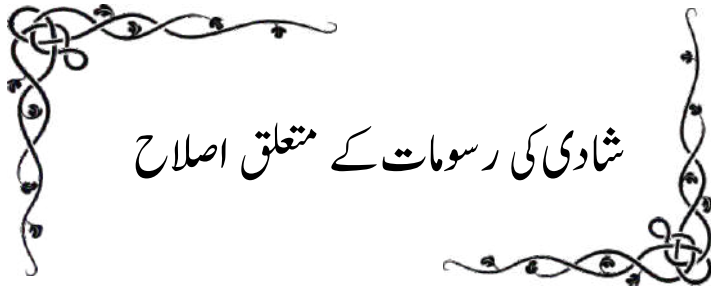
شادی کی رسومات کے متعلق اصلاح

شادی کی رسومات

سنتِ نکاح :

شریعت مطہرہ نے زندگی گزارنے میں ہماری بہترین رہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ شادی کرنے کا حکم دیا کہ اس میں بڑی عافیت اور دین و دنیا کی بہتری ہے۔ بلکہ نکاح سے تنگ دستی بھی دور ہوتی ہے۔ شیطان سے ایمان بھی محفوظ رہتا ہے اور عبادات کی لذتیں اور برکتیں بھی نصیب ہوتی ہیں۔ شادی کے فوائد و فضائل سے متعلق فرامینِ مصطفیٰ ﷺ ملاحظہ کیجیے:

(1) پیارے آقا امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا : " جو شخص میری فِطرت (یعنی اسلام) سے محبت کرتا ہے اُسے میری سنت اختیار کرنی چاہیئے اور نکاح بھی میری سنت ہے "۔[1]

(2) اور حضور جانِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " دو محبت کرنے والوں کیلئے نکاح سے بہتر کوئی اور تعلق نہیں دیکھا گیا"۔ [2]

(3) اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: " جس نے نکاح کیا بے شک اس نے اپنا آدھا دین بچالیا اب باقی آدھے میں اللہ عزوجل سے ڈرے "۔[3]

(4) اور نبیٔ رحمت ﷺ نے فرمایا : "جب تم میں سے کوئی نکاح کرلیتا ہے تو شیطان کہتا ہے ہائے افسوس! ابنِ آدم نے مجھ سے دو تہائی دین بچالیا"۔[4]

(5) اور حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: " شادی شُدہ کی دو رکعتیں غیر شادی شُدہ شخص کی ستر رکعتوں سے اور ایک رِوایت کے مطابق بیاسی رکعتوں سے بہتر ہیں "۔[5]

(اسی طرح بہت سی روایات میں ہے نکاح سے رزق میں برکت ہوتی اور مفلسی دور ہوتی ہے)۔

---

1 (مصنف عبدالرزاق، کتاب النکاح، باب وجوب النکاح وفضلہ، ج 4، ص 269، حدیث 10378، شبیر برادرز، لاھور)

2 (سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، ج 1، ص 574، حدیث 1836، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

3 (معجم الاوسط، من اسمہ محمد، ج 5، ص 702، حدیث 7647، پرو گریسو بکس، لاھور)

4 (مسند الفردوس، ج 1، ص 309، حدیث 1222، دار الکتب العلمیہ)

5 (جامع صغیر، ص 300، حدیث 4867، دار الکتب العلمیہ)

رشتوں کا انتخاب اور پسند کی شادی :

اسلام میں نکاح مرد و عورت کے درمیان قائم ہونے والا ایک مقدس رشتہ ہے۔اس مقدس رشتے کی بنیاد اگر کسی ناگوار فیصلہ (معاملہ) پر رکھی جائے تو جلد ہی یہ خوشیوں کے بجائے، اذیت کا سبب بن جاتا ہے۔لہٰذا اس معاملے میں احتیاط بے حد ضروری ہے۔ ہمارے معاشرے میں دوسری بہت سی برائیوں کے علاوہ ایک اور برائی جو عام ہوتی جا رہی ہے وہ ہے لڑکا لڑکی کا باہم دوستی کرنا، تعلقات بڑھانا ،اور ایک دوسرے کو (life partner) کے طور پر پسند کرنا ہے اور اس وجہ سے بعض اوقات وہ اپنے والدین اور بزرگوں کے فیصلوں کے مقابل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی چھپ کر نکاح کرنے جیسے اقدام بھی اٹھا لیتے ہیں۔جو والدین کی شرمندگی و ناراضی، بہن بھائیوں کی شادی میں رکاوٹ، رشتے داروں کی خوشیوں میں شامل ہونے سے محرومی، زوجین کے آپسی معمولات میں ناخوشگواری اور اکثر طلاق کا سبب بنتے ہیں۔ ہمارے ملک میں طلاق کی بڑھتی شرح کی ایک اہم وجہ یہی معمولات ہیں۔یاد رکھیں اسلام دین فطرت ہے ،اسلام پسند کی شادی سے منع نہیں کرتا بلکہ شادی سے پہلے لڑکا لڑکی کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھنے اور والدین کی ناراضگی و شرمندگی مول لے کر شادی جیسی زندگی کے اہم فیصلہ خود کرنے سے منع کرتا ہے۔

بڑوں کے فیصلوں کو فوقیت دیجئے :

رشتے کے انتخاب میں بعض اوقات والدین اور بچوں دونوں کی طرف سے بے اعتدالی کی جاتی ہے، جس میں جانبین کی طرف سے احتیاط بے حد ضروری ہے۔ بچوں کو چاہیے کہ یاد رکھیں ! اسلام میں نکاح مرد و عورت کے درمیان قائم ہونے والا ایک مقدس رشتہ ہے، جس دین نے اس مقدس رشتے کو قائم کرنے میں عاقل بالغ مرد و عورت کو اختیار دیا ہے اسی نے والدین کے ادب و احترام، اُن کے ساتھ مہربانی و حسنِ سلوک اور جائز معاملات میں اُن کی فرمانبرداری کا درس بھی دیا ہے، لہٰذا شادی کے معاملے میں بھی اپنی پسند کو ترجیح دینے کے بجائے پیارے آقا ﷺ اور بُزرگانِ دین رحمۃ اللہ علیہم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بڑوں کے فیصلوں کو فوقیت دینا اپنے لئے باعث سعادت سمجھنا چاہیئے۔ بچپن سے جوانی

تک والدین نے ان کے ساتھ جن محبتوں، شفقتوں، ہمدردیوں اور قربانیوں کا سُلوک کیا، کیا اُن کا صلہ یہی ہے کہ اُن کے احسان و بھلائی کو فراموش کر دیا جائے ؟ ، اولاد کی خُوشی دیکھنے سے متعلق اُن کی تمناؤں کا خون کر دیا جائے ، اُن کی عزت کو اپنی خُوشی و پسند کی بھینٹ چڑھا دیا جائے ، اُنہیں معاشرے کے طعنوں کی زد پر چھوڑ دیا جائے اور اُن کی دل آزاری کر کے بڑھاپے میں اُن کی اشکباری کا سامان کیا جائے ؟۔(1)

حدیث پاک میں ہے : " والدین کی رِضا میں اللہ عزوجل کی رضا ہے اور ان کی ناراضی میں اللہ عزوجل کی ناراضگی ہے"۔(2)

والدین بچوں کی خوشی کا خیال رکھیں :

والدین کو بھی چاہیئے کہ اولاد کی پسند اور نا پسند کا خیال رکھیں اور جہاں وہ اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتے ہیں اگر وہاں اُن کی شادی کرنے میں کوئی شرعی، خاندانی یا معاشرتی خرابی نہ ہو تو بلاوجہ اُنہیں اپنی مرضی کے مُطابق شادی کرنے پر مجبور نہ کریں بلکہ جہاں بچپن سے جوانی تک اُن کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا، اُن کے مستقبل کو بہتر بنانے کی مختلف تدابیر اختیار کیں، اُنہیں ہر مشکل و پریشانی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی وہیں شادی کے معاملے میں بھی اُن کی خُوشی کا خیال رکھیں اور اُن کی خُوشی کے برخلاف اپنی مرضی اُن پر مسلط کر کے ہر گز ہر گز اُن کیلئے ازدواجی زندگی کی ناہمواری و ناخُوشگواری کا باعث نہ بنیں۔ یہ لمحے بھر کا سمجھوتہ کرنا بعض اوقات عمر بھر کا پچھتاوا بن کر رہ جاتا ہے بلکہ بارہا خود والدین بھی اپنے کئے پر حسرت و ندامت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا والدین کو چاہئے کہ اگر اُنہیں اپنے بچوں کی ترجیحات اور کسی کے ساتھ ان کی قلبی وابستگی کا اندازہ ہو جائے تو خُدارا انتہائی حکمتِ عملی سے کام لیں بلکہ ہو سکے تو شادی کے معاملے میں اپنی اولاد کی رِضامندی ضرور معلوم کر لیں۔(3)

---

1 (اسلامی شادی، ص48،51، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (شعب الایمان، باب فی بر الوالدین، ج 6، ص 168، حدیث 7830، دار الاشاعت، کراچی)

3 (اسلامی شادی، ص 53، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ہمارے معاشرے میں عموماً لڑکوں سے تو اس کی مرضی معلوم کی جاتی ہے لیکن بیٹیوں سے شادی سے متعلق پوچھنا مناسب نہیں سمجھا جاتا، یہ رویہ بالکل درست نہیں۔ ذیل میں اس کے متعلق فرامینِ نبوی ﷺ ملاحظہ کیجیے۔ حدیث پاک میں ہے :

(1) حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں : " میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: جب گھر والے لڑکی کا نکاح کریں تو اُس سے اجازت لینی چاہئے یا نہیں ؟رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ہاں، اجازت لینی چاہیے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ ! لڑکی کو شرم آئے گی ! تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُس کا خاموش ہوجانا اُس کی اجازت ہے۔[1] (یعنی ولی اقرب یا اس کا وکیل یا قاصد کا کنواری لڑکی سے اجازت طلب کرنے پر، اگر لڑکی خاموشی اختیار کرے اور کچھ نہ کہے تو اسے شرعاً لڑکی کی رضامندی و اجازت قرار دیا جائے گا)۔

(2) سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوگیا، آپ کی ایک بیٹی تھی جسے آپ نے اپنے بھائی قُدَامہ بن مَظْعُون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا تھا۔ وہ بیٹی جب نکاح کی عمر تک پہنچی تو سیدنا و مولانا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے نکاح کا پیغام بھیجا، جسے قبول کرکے سیدنا قدامہ نے آپ کے ساتھ نکاح کردیا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس رشتے کا معلوم ہوا تو وہ لڑکی کی ماں کے پاس گئے اور انھیں مالی طور پر رغبت دلائی(کہ اپنی بیٹی کا رشتہ میرے ساتھ کریں، سکھی رہے گی۔ چوں کہ وہ ماں تھیں، انھوں نے بَھلا اِسی میں سمجھا اور) وہ راضی ہوگئیں، اور ان کی بیٹی کا رجحان بھی اپنی والدہ کی طرح سیدنا مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہوگیا، اور انھوں نے سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتے سے انکار کردیا ۔(حالانکہ سیدنا ابن عمر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے تھے)۔ یہ معاملہ جب رسولِ خدا ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں پہنچا تو آپ سے حضرت قُدامہ کہنے لگے : یارسول اللہ ﷺ !یہ میری بھتیجی ہے، جس کے متعلق میرے بھائی نے مجھے وصیت کی تھی۔ حضور ! میں نے اس کا رشتہ اس کے پھوپھی زاد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیاہے اور

---

1 (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب، ج2،ص207، حدیث 3460، فرید بک سٹال، لاھور)

میں نے اس کی بھلائی اور کفو میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، لیکن یہ لڑکی اور اس کی ماں دوسری طرف مائل ہو گئی ہے۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: "اس یتیم بچی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔" سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے : "اللہ کی قسم! یہ لڑکی میری ملکیت میں آنے کے بعد بھی مجھ سے چھن گئی اور حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں چلی گئی"۔[1]

(3) اسی طرح حضرت ام سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد نے ان کا نکاح اپنی مرضی سے ایک شخص سے کیا، تو انھوں نے اس کے ہاں جانے سے انکار کر دیا، اور کہا "میں نے حضرت ابو لُبَابَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی کرنی ہے۔" ان کے والد بضد تھے کہ جہاں میں نے نکاح کر دیا ہے وہیں جاؤ، لیکن وہ نہیں مانتی تھیں۔ جب یہ معاملہ سید عالم ﷺ کے حضور پیش ہو گیا تو عادل و حکیم رسول ﷺ نے فیصلہ سنایا کہ: "یہ عورت اپنے معاملے کی (باپ سے) زیادہ حق دار ہے، جہاں یہ چاہتی ہے وہیں اس کی شادی کی جائے"۔ اس فرمان عالی کے بعد ان کی شادی سیدنا ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دی گئی۔[2]

علامہ لقمان شاہد حفظہ اللہ یہ احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

☆ جب کسی معاملے میں اللہ ورسول کا حکم آجائے تو مسلمان کو فوراً سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔

☆ ہماری بیٹیوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے جو حق دے دیا ہے، وہ ہم ان سے کسی صورت نہیں چھین سکتے، چھینیں گے تو ظالم کہلائیں گے۔

☆ نکاح کے معاملے میں وہ اپنی پسند، ناپسند کا اختیار رکھتی ہیں اور اس کا اظہار کرنے میں ہم سے زیادہ حق دار ہیں۔

☆ اللہ کرے یہ بات ہمارے ذہن میں ہمیشہ کے لیے بیٹھ جائے، اور ہم جو جھوٹی پارسائیاں، رکھ رکھاؤ، اور رسم ورواج لیے بیٹھے ہیں ان سے ہماری جان چھوٹ جائے۔

---

1 (مسند امام احمد، مسند عبداللہ بن عمر، ج 3، ص 409، حدیث 6136، مکتبہ رحمانیہ، لاھور)

2 (مسند امام احمد، مسند النساء، ج 12، ص 123، حدیث 27326، مکتبہ رحمانیہ، لاھور)

نکاح کی اجازت یا وکالتِ نکاح کی؟

ہمارے یہاں لڑکی سے اجازت تو مانگی جاتی ہے مگر نکاح کے دن عین نکاح کے وقت، اور یہ اجازت بالکل رسمی قسم کی ہوتی ہے جس کا مقصد اس کی رضا معلوم کرنا نہیں ہوتا بلکہ وکالتِ نکاح کی اجازت لینا ہوتا ہے ایسی صورت میں وہ دل سے راضی نہ ہونے کے باوجود بھی حالات کی نزاکت اور والدین کی عزت کے پیشِ نظر اجازت دے دیتی ہے۔ والدین کو چاہئے کہ شادی کی بات پکی کرنے سے پہلے ہی یا تو پیار محبت اور حکمتِ عملی سے اُسے اپنی رضا پر حقیقی طور پر راضی کرلیں یا پھر اُس کی خوشی پر راضی ہوجائیں جبکہ کوئی شرعی خرابی نہ ہو، غرض اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شادی کے پُرمسرت موقع پر جہاں سب لوگ خُوش ہیں وہیں جن بچوں کی شادی کی جارہی ہے وہ بھی حقیقی طور پر خوش ہوں اور آئندہ بھی اپنی ازدواجی زندگی خوشگوار گزار سکیں۔(1)

خاندان کا انتخاب :

بچوں کو پُرسکون ازدواجی زندگی مہیا کرنے کے لیے جہاں اور بہت سی چیزوں کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے، وہیں لڑکا لڑکی کے بااخلاق ہونے اور دین داری کو مرکزی حیثیت دینی چاہیے۔ اچھی صورت اونچا خاندان اور پیسے والے لوگ دیکھنے کے بجائے اچھی سیرت، نیکوکار، سنی صحیح العقیدہ، حلال کمانے والے کو ترجیح دیں، تاکہ دنیا و آخرت کی بھلائیاں نصیب ہوں۔ اس سے متعلق چند احادیث نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ملاحظہ ہوں :

(1) رسولِ کریم رؤف رحیم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا : "جب تمہارے پاس ایسے لڑکے کا رشتہ آئے جس کی دین داری اور اخلاق تمہیں پسند ہوں تو اُس سے (اپنی بیٹی کا) نکاح کرو، اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنے اور لمبے چوڑے فساد برپا ہوجائیں گے "۔(2)

---

1 (اسلامی شادی، ص55، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی من ترضون، ج1، ص554 ، حدیث1076، فرید بک سٹال، لاہور)

(2) اور پیارے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: " عورت سے نکاح چار باتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے (یعنی نکاح میں ان کا لحاظ ہوتا ہے) : (1) مال (2) حسب نسب (3) خُوبصورتی اور (4) دین، (پھر فرمایا) تم دین والی کو ترجیح دو "۔[1]

(3) اور محبوب رحمۃ للعالمین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "دل کو شکر گزار بناؤ، زبان کو اللہ عزوجل کے ذکر میں مصروف رکھو اور نیک عورت کا انتخاب کرو جو نیکی کے کاموں میں مدد کرنے والی ہو"۔[2]

(4) اور جان عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "تقویٰ کے بعد مومن کے لیے نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی نفع مند شے نہیں کہ جب شوہر غائب ہو تو اس کی عزت و مال کی حفاظت کرے"۔[3]

ماں باپ دنیاوی مال و دولت کی خاطر اپنے بچوں کی شادی بد مذہبوں میں کر دیتے ہیں، جو گستاخ رسول، گستاخ صحابہ اور گستاخ اولیاء ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ان کی اولاد میں بھی پھر وہی بد مذہبی والے جراثیم ہوتے ہیں، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بد مذہبوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ :

(5) رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "ان (بد مذہبوں) کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے رشتہ نہ کرو"۔[4]

بد اخلاق، بے حیاء، بے دین سے نکاح کیا جائے تو اولاد بھی ایسی ہو گی :

(6) حضور خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: تزوجوا فی الحجز الصالح فان العرق " اچھی نسل میں شادی کرو کہ رگِ خفیفہ اپنا کام کرتی ہے"۔[5]

---

1 (بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، ج3، ص71، حدیث 5090، فرید بک سٹال، لاہور)
2 (سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب افضل النساء، ج1، ص576، حدیث 1845، ضیاء القران پبلی کیشنز، لاہور)
3 (سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب افضل النساء، ج1، ص577، حدیث 1846، ضیاء القران پبلی کیشنز، لاہور)
4 (کنز العمال، کتاب الفضائل، باب فی فضائل الصحابہ، ج6، حصہ 11، ص 257، حدیث 32542، 32528، دار الاشاعت، کراچی)
5 (کنز العمال، کتاب المواعظ، باب لاثالث فی آداب النکاح، ج8، حصہ، ص526، کتاب الاشاعت، لاہور)

شادی کی مروجہ رسموں میں خرابیاں

شادی کی سنت جو (نکاح و ولیمہ) پر مشتمل تھی فی زمانہ بہت سی جائز و ناجائز رسومات کا مجموعہ بن چکی ہے۔ مختلف خطوں کے رہنے والے مسلمان شادی کے موقع پر اپنے علاقائی اعتبار سے مختلف رسومات سے منسلک ہیں۔ ان نئی رسومات کے جائز و ناجائز ہونے کا قاعدہ وکلیہ وہی ہے جو بدعت کے بیان میں گزرا۔ یعنی ہر وہ رسم و رواج جو شریعت مطہرہ کی حدود سے نہ ٹکرائے، وہ نئے اُمور جن میں کوئی خلافِ شرع چیز نہ ہو جائز ہیں، وگرنہ جائز نہیں۔

شادی کی مروجہ رسومات میں ڈھول باجے، ناچنا گانا، مردوں و عورتوں کا اختلاط (گھلنا ملنا)، غیر محارم کو چھونا، بد نظری، اسراف، وغیرہ جیسی خرابیاں شامل ہو گئی ہیں۔ یہاں عبرت و نصیحت کے لیے ان غیر شرعی افعال کے بارے میں فرامین مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نقل کرتے ہیں۔ اُسکے بعد مروجہ رسومات کے متعلق حکمِ شرعی لکھیں گے۔

عبرت حاصل کیجیے

گانے باجے کی مذمت :

(1) رسول اکرم نور مجسم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا : " دو آوازوں پر دُنیا و آخرت میں لعنت ہے: نعمت کے وقت باجا (کی آواز) اور مصیبت کے وقت چلانا"۔[1]

(2) اور جانِ جاناں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے : "جو گانے والی کے پاس بیٹھے، کان لگا کر دھیان سے سنے تو اللہ عزوجل بروزِ قیامت اُسکے کانوں میں سیسہ اُنڈیلے گا"۔[2]

(3) اور نبی رحمت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "بے شک میرے رب نے مجھے دونوں جہانوں کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے بانسری اور گانے باجے کے آلات ، بت اور صلیب توڑنے کا حکم دیا ہے، (ایک روایت میں ہے مجھے ڈھول اور بانسری توڑنے کا حکم

1 (کنز العمال۔ کتاب اللهو واللعب۔۔۔الخ، ج8، حصہ15، ص110، حدیث 40661، کتاب الاشاعت، کراچی)
2 (کنز العمال۔ کتاب اللهو واللعب۔۔۔الخ، ج8، حصہ15، ص110، حدیث 40669 ، کتاب الاشاعت ، کراچی)

دیا گیا)"۔[1]

(4) اور حضور خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل کر کچھ اور رکھیں گے، ان کے سروں پر باجے بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو بندر اور سور بنا دے گا"۔[2]

اسراف (فضول خرچی) کی مذمت :

فضول خرچی کرنے والوں سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِؕ-وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا [3]

ترجمہ کنزالعرفان: "بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے"۔

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین باتوں کو ناپسند فرمایا ہے: بے کار گفتگو، مال ضائع کرنا اور زیادہ سوال کرنا"۔[4]

بے حیائی کی مذمت :

بے حیائی پھیلانے والوں سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌۙ-فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِؕ [5]

ترجمہ کنزالعرفان: "بیشک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔"

---

1 (مسند امام احمد، حدیث ابو امامہ باھلی، ج 10، ص413، حدیث22571، مکتبہ رحمانیہ،لاھور)
2 (سنن، ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات، ج 2، ص 586، حدیث4009، فرید بک سٹال، لاھور)
3 (بنی اسرائیل، آیت27)
4 (صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ تعالیٰ، ج1، ص625، حدیث 1477، فرید بک سٹال، لاھور)
5 (النور، آیت 19)

حدیث پاک میں ہے :

(1)رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تبارک و تعالیٰ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور اس پر جس کی طرف دیکھا جائے"۔[1] (یعنی جو مرد اجنبی عورت کو قصداً بلا ضرورت دیکھے اس پر بھی لعنت ہے اور جو عورت قصداً بلا ضرورت اجنبی مرد کو اپنا آپ دکھائے اس پر بھی لعنت ،غرض یہ کہ اس میں تین قیدیں لگانی پڑیں گی اجنبی عورت کو دیکھنا ،بِلاضَرورت دیکھنا، قصداً دیکھنا (مراۃ المناجیح))۔ عورت کا بال یا کلائیاں کھول کر نا محرم کے سامنے آنا حرام ہے۔[2]

(2) اور آقا کریم ﷺ نے فرمایا "آنکھوں کا زنا بد نگاہی ہے "۔[3]

(3) اور امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:"جو شخص اپنی آنکھ کو حرام سے پُر کرتا ہے اللہ تعالیٰ بروز قیامت اسکی آنکھ میں جہنم کی آگ بھر دے گا "۔[4]

(4)اور جانِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عورت کے محاسن (یعنی خوبیاں مثلاً اُبھار وغیرہ) کو دیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔ جس نے نامحرم سے آنکھ کی حفاظت نہ کی بروز قیامت اُس کی آنکھ میں جہنم کی سَلائی پھیری جائے گی۔"[5]

(5)اور محبوب خدا ﷺ کا فرمانِ عبرت نشان ہے : " دوزخیوں میں دو جماعتیں ایسی ہوں گی جنھیں میں نے (اپنے اس عہد مبارک میں) نہیں دیکھا(یعنی آئندہ پیدا ہونے والی ہیں) ان میں ایک جماعت ان عورتوں کی ہے جو (کپڑے) پہن کر ننگی ہوں گی، دوسروں کو (اپنی حرکتوں کے ذریعے) بہکانے والیاں اور خود بھی بہکی ہوئی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کی ایک طرف جھکی ہوئی کوہانوں کی طرح ہوں گے، وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ اسکی خوشبو پائیں گی اور اسکی خوشبو اتنی دُوری سے پائی جاتی ہے"۔[6]

اس کی شرح میں مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمہ فرماتے ہیں ، حدیث پاک میں جو ہے : "پہن

---

1 (شعب الایمان، باب اللہ تعالیٰ پردے کو پسند۔۔، ج6، ص156، حدیث 7788، دار الاشاعت، کراچی)

2 (مختصر فتاویٰ اہلسنت، ص231 ،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

3 (صحیح البخاری، کتاب الاستئذان ،باب زنا الجوارح، ج3 ،ص479 ،حدیث 6243 ،فرید بک سٹال، لاہور)

4 (مکاشفۃ القلوب، ص33، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

5 (بحرُ الدُّمُوع ،ص171، دار الفجر ،دمشق)

6 (صحیح مسلم، ،باب النساء الکاسیات، ج3، ص127، حدیث 5547، فرید بک سٹال، لاہور)

کر ننگی ہونگی "یعنی جسم کا کچھ حصہ لباس سے ڈھکیں گی اور کچھ حصہ ننگا رکھیں گی یا اتنا باریک (اور تنگ) لباس پہنیں گی جس سے جسم ویسے ہی نظر آئے گا۔ یہ دونوں عُیوب آج دیکھے جارہے ہیں۔ اور جو فرمایا " سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح ہوں گے " اس سے مراد ہے کہ وہ عورتیں راہ چلتے شرم سے سر نیچا نہ کریں گی بلکہ بے حیائی سے اونچی گردن سر اٹھائے ہر طرف دیکھتی، لوگوں کو گھورتی چلیں گی جیسے اونٹ کے تمام جسم میں کوہان اونچی ہوتی ہے ایسے ہی ان کے سر اونچے رہا کریں گے۔ یہ حدیث پڑھو اور آج کل کی عورتوں کو دیکھو، یہ اس غیب داں محبوب ﷺ کی غیبی خبریں ہیں (مراۃ المناجیح)۔

(6) اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی عورت خوشبو لگا کر لوگوں میں نکلتی ہے تاکہ اس کی خُوشبو پائی جائے تو یہ عورت زانیہ ہے"۔[1]

خواتین اپنے گھر کی چار دیواری میں جہاں فقط شوہر یا محارِم (محرم مرد) ہوں وہاں ہر طرح کی خوشبو استعمال کر سکتی ہیں۔ اور اگر گھر سے باہر جائیں تو مہک والی ایسی خوشبو استعمال نہیں کر سکتیں، جو غیر مردوں کی توجہ کا باعث بنے۔

(7) حضور خاتم النبیین ﷺ کا فرمانِ عبرت نشان ہے : " تین شخص ہیں جن پر اللہ عزوجل نے جنت حرام فرمادی ہے ایک تو وہ شخص جو ہمیشہ شراب پیئے، دوسرا وہ شخص جو اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرے، اور تیسرا وہ دیوث (یعنی بے حیا ہے) کہ جو اپنے گھر والوں میں بے غیرتی کے کاموں کو برقرار رکھے (یعنی جو اپنے گھر والوں کو بے حیائی سے نہ روکے)"۔[2]

غیر محرم کو چھونا :

(1) رسول اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " اگر کسی کے سر پر لوہے کی کنگھی رکھ دی جائے جس کو کھینچنے سے ہڈیوں تک گوشت اتار دے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ اس (مرد) کو کوئی عورت ہاتھ لگائے جو اس کی محرم نہ ہو (یعنی غیر محرم عورت) " اسی طرح ایک روایت میں ہے : " تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی کیل ٹھونک دی جاتی اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت

1 (سنن نسائی، کتاب الزینۃ، باب مایکرہ للنساء، ج 3، ص 454، حدیث 5035، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

2 (مسند امام احمد، ج 2، ص 223، حدیث 5372، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

کو چُھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں۔ "۔[1]

(2) اور جانِ جاناں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "آنکھوں کا زنا (حرام کو) دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا (حرام کو) سننا ہے اور زبان کا زنا (حرام) بات کرنا ہے اور ہاتھوں کا زنا (حرام کو) پکڑنا ہے، اور پاؤں کا زنا (حرام کی طرف) چلنا ہے"۔[2]

(3) اور حضور خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "عورتوں کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے سے بچو! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہیں کرتا مگر ان کے درمیان شیطان داخل ہو جاتا ہے اور مٹی یا سیاہ بدبودار کیچڑ میں لتھڑا ہوا خنزیر کسی شخص سے ٹکرا جائے تو یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ اس کے کندھے (جسم) ایسی عورت سے ٹکرائیں جو اس کے لئے حلال نہیں۔ (یعنی غیر محرم کو چھونا خنزیر کو چھونے سے بھی زیادہ برا ہے)"۔[3]

عورت کا زینت اختیار کرنا

مذکور بالا احادیث میں عورت کا سنور کر خود کو غیر مرد کے سامنے پیش کرنے سے منع کیا گیا ہے، البتہ عورت کا اپنے شوہر کے لیے بننا سنورنا یا کنواری لڑکی کا اپنے گھر میں زینت اختیار کرنا شریعت میں پسندیدہ، مستحب (باعثِ ثواب) عمل ہے۔

شادی شدہ عورت : اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"عورت کا اپنے شوہر کے لئے گہنا پہننا، بناؤ سنگار کرنا باعث اجر عظیم اور اس کے حق میں نماز نفل سے افضل ہے بعض صالحات کہ خود اور ان کے شوہر دونوں صاحب اولیاء کرام سے تھے، ہر شب بعد نماز عشا پورا سنگار کر کے دلھن بن کر اپنے شوہر کے پاس آتیں اگر انھیں اپنی طرف حاجت پاتیں حاضر رہتیں ورنہ زیور ولباس اتار کر مصلی بچھاتیں اور نماز میں مشغول

1 (شعب الایمان، باب شرمگاھوں کی حرمت اور پاک دامنی، ج4، ص 303، حدیث 5455، دار الاشاعت، کراچی/المعجم)
2 (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن عدم، ج 3، ص 466، فرید بک سٹال، لاھور)
3 (الزواجر عن اقتراف الکبائر، الباب الثانی فی الکبائر الظاھرۃ، کتاب النکاح، ج 2، ص 6، بیروت)

ہو جاتیں۔ اور دلھن کو سجانا تو سنت قدیمہ اور بہت سی احادیث سے ثابت ہے"۔[1]
کنواری لڑکی :"اور کنواری لڑکیوں کو زیور و لباس سے آراستہ رکھنا کہ انکی منگنیاں آتی ہیں۔ یہ بھی سنت ہے۔ بلکہ عورت کا باوصفِ قدرت بالکل بے زیور (زیور کے بغیر) رہنا مکروہ ہے کہ مردوں سے تشبیہ ہے۔ ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ عورت کو بے زیور نماز پڑھنا مکروہ جانتیں اور فرماتیں : کچھ نہ پائے تو (زیور کے طور پر) ایک ڈوری ہی گلے میں باندھ لے"۔[2]

عورت اور پردے کی مقدار

یہ سوال بھی اکثر کیا جاتا ہے کہ عورت پر کس حد تک پردہ کرنا لازم ہے ؟۔ اسکا جواب یہ ہے کہ مسلمان خواتین کے لیے پردہ و حجاب کے کچھ درجات ہیں۔
اول درجہ : پردے کا اول درجہ یہ ہے کہ عورت خود کو گھر کی چار دیواری اور پردے کا اس طرح پابند بنالے کہ کسی غیر مرد کی نِگاہ اس پر نہ پڑے، یعنی کوئی غیر محرم اس کے جسم کو تو کجا اس کے لباس تک کو نہ دیکھ پائے، آیت پردہ نازل ہونے کے بعض صحابیات نے پردے کے اس پہلے درجہ پر عمل کرتے ہوئے خود کو گھر کی چار دیواری تک محدود کر لیا چنانچہ مروی ہے کہ " حضرت سیدتُنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے موت کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ بعد انتقال مجھے رات کے وقت دفن کرنا تاکہ میرے جنازے پر بھی کسی غیر کی نظر نہ پڑے"۔ جب عورت اس قدر پردے کی پابند ہو تو پھر اُسکے گھر اولاد بھی امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما جیسی ہوتی ہے۔
دوسرا درجہ : پردے کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر کسی مجبوری کے تحت عورت گھر کی چار دیواری میں خود کو پابند نہ کر سکے اور باہر نکلنا پڑے تو خوب پردے کا اہتمام کر کے نکلیں تاکہ کوئی آپ کو پہچان نہ پائے۔ یعنی عورت برقعہ و نقاب کا اہتمام کرے، اور اپنا چہرہ و بدن کسی پر ظاہر نہ ہونے دے۔ علمائے امت کی اکثریت نے چہرہ کے پردہ کو واجب قرار دیا ہے اور موجودہ پُر فتن دور میں تو مسلم خواتین کے لیے اس کی خاص طور پر تاکید ہے۔

---

1 (فتاویٰ رضویہ، ج 22، ص 126، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
2 (فتاویٰ رضویہ، ج 22، ص 128، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

تیسرا درجہ : پردے کا تیسرا اور سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ عورت کم از کم اس قدر پردے کا اہتمام ضرور کرے کہ جس قدر رب کی بارگاہ میں حاضر ہوتے یعنی نماز پڑھتے وقت لازم ہے۔ مراد یہ ہے کہ نامحرم کے سامنے کم از کم ستر عورت کا خیال ضرور رکھے۔ ستر عورت سے مراد عورت کا منہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں کے تلووں کے علاوہ سارا جسم بال سمیت چھپانا لازمی ہے۔[1]

شادی کی رسومات سے متعلق حکم شرعی

منگنی کی رسم :

منگنی کا مطلب ہے شادی کی نسبت یعنی لڑکا اور لڑکی کو شادی کے لیے منسوب کر دینا۔ اگر منگنی کی رسم شریعت کے دائرے میں رہتے ہوے کی جائے، کہ لڑکے کی ماں یا بہن لڑکی کو انگوٹھی پہنائیں، لڑکی کا باپ یا بھائی وغیرہ لڑکے کو انگوٹھی پہنائیں اور گانے باجے، مردوں عورتوں کا اختلاط وغیرہ نہ ہو تو یہ رسم جائز ہے۔

یاد رہے منگنی کی رسم فقط ایک وعدے کی ہے، نہ کہ وہ حقیقی میاں بیوی بن جاتے ہیں۔ اس لیے نکاح سے پہلے منگنی کے موقع پر لڑکے کا لڑکی کو خود انگوٹھی پہنانا اشد حرام ہے، کہ غیر محرم کو چھونا جائز نہیں۔ احادیث میں اس کے متعلق سخت وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں جیسا کہ پیچھے (باب "عبرت حاصل کیجیے" میں) بیان ہوا۔ مزید یہ کہ لڑکے کا سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں۔ مرد کے لیے ساڑھے چار ماشے سے کم چاندی کی ایک نگ والی ایک انگوٹھی پہننا جائز ہے۔[2]

جہیز :

ماں باپ اپنی بچی کو شادی پر جو اشیاء دیں وہ جہیز کہلاتی ہیں۔ جہیز دینا سنت ہے۔ جہیز میں سنت یہی ہے کہ اپنی خوشی سے حسبِ توفیق دیا جائے۔ حضور ﷺ نے اپنی شہزادی خاتونِ

1 (ماخوذ صحابیات اور پردہ، ص13، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (ماخوذ رسم رواج کی شرعی حیثیت، ص225، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور/ اسلامی شادی، ص36، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں جو چیزیں دی تھیں اس کے متعلق سیرت کی کتابوں میں مختلف روایات موجود ہیں۔ چنانچہ علامہ عبد المصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سیرتِ مصطفیٰ ﷺ میں المواہب اللدنیہ کے حوالے سے لکھا ہے : "شہنشاہ کونین ﷺ نے شہزادیٔ اسلام حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں جو سامان دیا اس کی فہرست یہ ہے۔ ایک کملی، بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا گدا جس میں روئی کی جگہ کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے"۔[1]

وہ نبی علیہ السلام جن کو رب تعالیٰ نے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی تھیں انہوں نے اتنا مختصر جہیز دے کر یہ سنت قائم کر دی کہ بیٹی کو ماں باپ حسبِ توفیق جہیز دیں۔ وہ جہیز جو سنت تھا موجودہ دور میں آزمائش بن چکا ہے کہ اس کے سبب بچیوں کی شادیاں نہیں ہو پاتیں۔ جہیز کو لعنت کہنا درست نہیں کیونکہ بیٹی کو جہیز دینا سنت سے ثابت ہے ، والدین کا اپنی توفیق کے مطابق مناسب جہیز دینا جائز ہے۔

شرعاً لڑکی کے ماں باپ اگر اپنی خوشی سے سامان وغیرہ دیں تو جائز ہے۔ البتہ آج کل جو رائج ہے کہ لڑکے والے مخصوص چیزوں کی ڈیمانڈ کرتے ہیں نہ ملنے پر نکاح نہیں کرتے یا بعد میں طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں، یہ سب ناجائز ہے۔

علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یاد رکھو کہ جہیز میں سامان کا دینا یہ ماں باپ کی محبت و شفقت کی نشانی ہے اور ان کی خوشی کی بات ہے۔ ماں باپ پر لڑکی کو جہیز دینا یہ فرض و واجب نہیں ہے۔ لڑکی اور داماد کے لئے ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ زبردستی ماں باپ کو مجبور کر کے اپنی پسند کا سامان جہیز میں وصول کریں، بہت سے غریبوں کی لڑکیاں اسی لئے بیاہی نہیں جارہی ہیں کہ ان کے ماں باپ لڑکی کے جہیز کی مانگ پوری کرنے کی طاقت نہیں رکھتے یہ رسم یقیناً خلاف شریعت ہے اور جبراً قہراً ماں باپ کو مجبور کر کے زبردستی جہیز لینا یہ ناجائز ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس بری رسم کو ختم کر دیں"۔[2]

---

1 (سیرت مصطفیٰ، باب 7، ص 248، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (جنتی زیور، باب رسومات، ص 153، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

شادی کے بعد اس قسم کا تقاضا کرنا کہ لڑکی والے مجبور ہو جائیں اور نہ دینے پر لڑکی کو طلاق دے دی جائے گی یا طعن و تشنیع سننا پڑے گا تو یہ لینا دینا رشوت ہی ہے اور ناجائز و حرام ہے۔[1]

اگر لڑکے والے لمبا چوڑا جہیز لینا چھوڑ دیں اور لڑکی والے بے تحاشہ زیورات، الگ مکان کی ڈیمانڈ اور دیگر فضول اخراجات وغیرہ کا مطالبہ ترک کر دیں تو نکاح جیسی مبارک سنت آسانی سے عام ہو سکتی ہے اور معاشرے میں بڑھتی بے حیائی کو روکا جا سکتا ہے۔

مائیوں کی رسم :

مائیوں کی رسم میں دولہا دلھن کو اُبٹن وغیرہ لگا کر گھر میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ اگر اس رسم میں بے پردگی، ناچ گانا، غیر محرم عورتوں کا لڑکے کو اُبٹن لگانا، جیسے غیر شرعی اُمور نہ ہوں تو یہ رسم جائز ہے۔[2]

تیل مہندی کی رسم :

اس رسم میں لڑکے کو عورتیں تیل لگاتی ہیں اور لڑکی کو مہندی لگاتی ہیں۔ تیل مہندی کی رسم کئی حرام کاموں کا مجموعہ ہے۔ ناچ گانا، نامحرم کا چھونا، عورتوں مردوں کا اختلاط سب اس رسم میں ہوتا ہے۔ اگر تیل مہندی میں یہ سب ناجائز افعال نہ ہوں تو یہ رسم جائز ہے۔ جیسے لڑکی کی بہنیں، سہیلیاں مل کر لڑکی کو مہندی لگائیں اور لڑکے کو اسکے بہن بھائی تیل لگائیں، اس میں حرج نہیں۔

تیل مہندی پر غیر محرم عورتوں کا دولہے کو تیل لگانا درست نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مرد کے لیے سر اور داڑھی کے علاوہ ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا اور شادی پر سونا پہننا جائز نہیں۔ اسی طرح عورت کا کسی بھی موقع پر غیر محرم سے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگوانا جائز نہیں۔[3]

---

1 (ماخوذ رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص 231، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

2 (ماخوذ بہارِ شریعت، حصہ 7، ص 105، مکتبۃ المدینہ، کراچی / اسلامی زندگی، ص 43، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

3 (ماخوذ رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص 234، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

گانہ باندھنا:

تیل مہندی پر ایک رسم یہ ادا کی جاتی ہے کہ دولہے کو اس کے ماموں اور دلہن کو اُسکے ماموں گانہ باندھتے ہیں، جو بارات تک دونوں پہنے رکھتے ہیں۔ شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں (ہاں بارات تک گانہ باندھنا کوئی ضروری بھی نہیں، جب مرضی گانہ اُتار سکتے ہیں)۔[1]

دولہے کا سربالا:

دولہے کا کسی چھوٹے بچے کو سربالا بنایا جاتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔ بھانجا بھتیجا یا کوئی بھی سربالا ہو سکتا ہے۔[2]

واگ پھرائی:

یہ پنجابی کا لفظ ہے۔ گھوڑی پر جو رسی ہوتی ہے اسے واگ کہتے ہیں۔ پہلے زمانے میں جب لڑکا گھوڑی پر سوار ہوتا تھا تو اس کی بہن اس گھوڑی کی واگ پکڑ کر بھائی سے پیسے مانگتی تھی۔ اب اگرچہ بہنیں واگ نہیں پکڑتیں مگر اس رسم پر عمل کرتے ہوے بھائی سے پیسے ضرور لیتی ہیں۔ یہ رسم شرعاً جائز ہے جبکہ اس میں زیادہ رقم کا مطالبہ نہ کیا جائے جو لڑکے کی حیثیت سے زائد ہو اور وہ مجبوراً دے۔[3]

نیوتا (سلامی):

شادی پر دولہا کو جو پیسے دیے جاتے ہیں اسے نیوتا یا سلامی کہتے ہیں۔ نیوتا کی دو صورتیں ہیں (قرض یا تحفہ)۔ جن برادریوں میں اپنے بچوں کی شادی پر دیے گئے نیوتے کی واپسی کا باقاعدہ مطالبہ کیا جاتا ہے، وہاں یہ قرض ہے اور واپس دینا لازم ہے۔ ہمارے ہاں زیادہ تر نیوتا تحفہ ہی ہوتا ہے کہ واپسی نہ کرنے پر مطالبہ نہیں ہوتا۔

---

1 (رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ص 238، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

2 (ماخوذ رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ص 239، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

3 (ماخوذ رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ص239، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

نیوتا دینا لینا جائز ہے، حدیث پاک میں ہے: "کہ ایک دوسرے کو ہدیہ (تحفہ) دو محبت بڑھے گی"۔ مگر اس میں یہ احتیاط رہے کہ اس تحفہ کو ٹیکس نہیں بنا لینا چاہیے کہ اگلا شخص اس تحفہ کے بغیر آپکی تقریبات میں آہی نہ سکے، اور نہ ہی تحفہ نہ دینے پر طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا چاہیے۔[1]

بارات روکنا:

ایک رسم بارات روکنے کی رائج ہے جس میں بارات کو عورتیں روک لیتی ہیں اور پیسے لے کر آگے جانے دیتی ہیں۔ یہ رسم جائز نہیں۔ اس وجہ سے کہ عورتیں بارات روک لیتی ہیں جس میں بے پردگی ہوتی ہے اور مذاق مسخری یقینی ہوتی ہے۔[2]

حق مہر:

حق مہر نکاح کا ایک لازمی حصہ ہے۔ بغیر اسکے نکاح کا تصور نہیں۔ حق مہر کی کم از کم مقدار دس درہم (یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ (30.618 گرام) چاندی یا اُس کی قیمت بنتی ہے)۔ اور زیادہ سے زیادہ حق مہر کی کوئی قید نہیں، جتنا باہم لڑکے کی حیثیت کے مطابق رکھنا چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ آج مورخہ 27 مارچ 2021 کو (30.618 گرام) چاندی کی قیمت تقریباً 3600 روپے بنتی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ زبردستی عورت سے حق مہر معاف نہیں کروایا جاسکتا۔ ہاں بعض اوقات عورتیں حق مہر معاف کر دیتی ہیں، جب عورت حق مہر شوہر کو معاف کر دے تو بعد میں مطالبہ نہیں کر سکتی۔[3]

کم از کم حق مہر پتہ چلانے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے انٹرنیٹ پر (silver rate in pakistan) لکھ کر چاندی کی قیمت (market value) معلوم کر لی جائے۔ عموماً چاندی کی قیمت دو طرح سے (10 گرام اور ایک تولہ کی قیمت) انٹرنیٹ پر موجود

---

1 (ماخوذ رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص240، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)
2 (ماخوذ رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص244، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)
3 (ماخوذ رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص 245/ ماخوذ بہارِ شریعت، حصہ 7، ص64، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ہوتی ہیں۔10 گرام والی قیمت نوٹ کر لیجیے اور پھر یہ کیجیے:

For example:

10 grams Silver rate : 1175 Rupees (27 / march / 2021)

Minimum Haq Mehar = $\frac{(10\ grams\ Silver\ rate)}{10} \times 30.618$

Minimum Haq Mehar = $\frac{1175}{10} \times 30.618$ = 3597.6

Minimum Haq Mehar = 3600 Rupees (approx)

فون کال پر نکاح کا مسئلہ :

فقہائے احناف کی تصریحات کے مطابق نکاح کے لیے ایجاب وقبول ضروری ہے اور اس کے لیے مجلس نکاح کا ایک ہونا شرط ہے، جبکہ موبائل فون پر ایسا ممکن نہیں ہوتا۔ مفتی ضمیر احمد مرتضائی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: "نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے اور گواہوں کا مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے اور عاقدین کے کلام کو سننا شرط ہے۔ سو فون پر یا انٹرنیٹ پر یا کانفرنس کال کے ذریعے نکاح نہ ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان صورتوں میں گواہ عاقدین کے کلام کو ایک مجلس میں اکٹھے ہو کر نہیں سُن سکتے، محض کلام کو سننا اور ہے اور حاضر ہو کر سننا اور ہے جبکہ گواہ کے لیے معاملہ پر حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے۔

ہاں اب اگر ٹیلی فون کے ذریعے نکاح کرنے کی مجبوری بن پڑے۔ مثلاً لڑکی دوبئی ہے اور لڑکا پاکستان۔ اب لڑکی کو بیاہ کر پاکستان بھیجنا چاہتے ہیں (یعنی ان کا نکاح کرنا چاہتے ہیں)۔ تو لڑکا دوبئی میں فون کے ذریعے اپنے کسی رشتہ دار یا جاننے والے کو یا وہاں (دوبئی) کے قاری صاحب کو اپنا وکیل مقرر کرے کہ میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ میری طرف سے بطورِ وکیل میرا نکاح فلاح لڑکی سے کر دیں تو اب یہ لڑکے کا وکیل بن گیا۔ اب یہ خاوند کا وکیل لڑکی کے پاس جا کر کہے کہ فلاں بن فلاں نے مجھے وکیل بنایا اور (میں نے) گواہوں کی موجودگی میں تیرا نکاح اس سے کر دیا تو نے قبول کیا؟۔ وہ عورت آگے سے کہے میں نے قبول کیا، نکاح ہو جائے گا۔ یا (اسی طرح) عورت کا وکیل بن کر مرد کے پاس جا کر کہے کہ فلاں بنت فلاں نے مجھے وکیل

بنایا ہے۔ میں نے بطور وکیل تیرا نکاح اس سے کر دیا تو نے قبول کیا؟، وہ مرد آگے سے کہے میں نے قبول کیا ، نکاح ہو جائے گا۔خیال رہے کہ یہ "قبول کیا " گواہوں کے لیے سننا شرط ہے"۔[1][2]

رسم دودھ پلائی :

اس رسم میں عموماً بہت بے پردگی اور مذاق مسخری ہوتی ہے۔اس لیے شرعاً ان کی اجازت نہیں ہے۔ہاں اگر چھوٹی نابالغ بچیاں دودھ پلائیں اور دولھا اپنی خوشی سے انہیں کچھ پیسے دیدے،اور دیگر خلافِ شرع اُمور بھی نہ ہوں تو اجازت ہو سکتی ہے۔[3]

قرآن کو سر پر رکھنا اور چاول پھینکنا :

رخصتی کی ایک رسم یہ ہے کہ دلہن کے سر پر قرآن اٹھا کر رکھا جاتا ہے اور دلہن چاول اٹھا کر پیچھے پھینکتی ہے۔جہاں تک قرآن سر پر اٹھانے کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے کہ یہ بطور برکت ہے۔لیکن چاول پھینکنا ناجائز ہے کہ اس میں اسراف ہے اور رزق پاؤں میں آتا ہے۔اس طرح دلہن جب رخصت ہو کر آتی ہے تو آتش بازی، فائرنگ کی جاتی ہے، اور گھر کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے دروازے میں تیل ڈالا جاتا ہے۔یہ سب اُمور اسراف (مال کا ضائع کرنا) ہیں۔اور اسراف یعنی فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن پاک میں شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔[4]

گوڈا بٹھائی :

جب دلہن شوہر کے گھر آجاتی ہے تو چھوٹا دیور اس کے گھٹنے پر بیٹھ کر اس سے پیسے لیتا ہے۔اگر دیور چھوٹا بچہ ہے تو اس رسم میں حرج نہیں۔اگر دیور بڑا ہو تو وہ بھابھی کے پاس یا

---

1 (ماخوذ موبائل فون اور شرعی مسائل و دلائل، ص88، مسلم کتابوی، لاھور)
2 (تفہیم المسائل، نکاح کے مسائل، ج7، ص221، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)
3 (ماخوذ رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص246، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاھور)
4 (ماخوذ رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص247، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاھور)

پاؤں کے قریب بیٹھ کر اس سے پیسے لیتا ہے۔ ایسی صورت میں اس رسم کی اجازت نہیں کہ دیکھنے چھونے کا بہت زیادہ امکان ہوتا ہے۔ [1]

ولیمہ :

ولیمہ کا مطلب ہے شادی کی خوشی کا کھانا۔ شب زفاف کی صبح کو احباب کی دعوتِ ولیمہ کرنا سنتِ مستحبہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے : "ولیمہ کرو خواہ ایک ہی بکری میسر ہو"۔ [2]
ولیمے کے لیے لوگوں کی بِھیڑ کرنا شرط ہے اور نہ ہی دس قسم کی ڈشیں بنانے کی حاجت ہے، اپنی حیثیت کے مطابق دال چاول یا گوشت وغیرہ جو بھی کھانا آپ پیش کر سکتے ہیں، پیش کر دیجیے ولیمہ ہو جائے گا۔ دو تین دوست یا رشتے دار ہوں تو بھی ولیمہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مکلاوہ کی رسم بھی جائز ہے۔ [3]

ایک معاشرتی برائی :

ہمارے معاشرے میں ایک برائی یہ عام ہے کہ لوگ باہمی اختلافات میں ایک دوسرے کو جلد معاف نہیں کرتے بلکہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں اپنے رشتے داروں کو لوگوں کے سامنے ذلیل کیا جا سکے، لوگ ان پر انگلیاں اٹھائیں اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں۔ تو اس کام کے لیے ان لوگوں کو جو سب سے بہترین وقت معلوم ہوتا ہے، وہ دوسروں کی خوشیوں کے مواقع ہیں۔ کسی کی دعوت کو سالوں پرانے اختلاف، کوئی ذاتی رنجش وغیرہ پر ٹھکرا دینا ہمارے لوگوں کا عام وطیرہ ہے۔ یاد رکھیں دعوتِ ولیمہ قبول کرنا سنتِ موکدہ ہے۔ اور بلا عذرِ شرعی نہ جانا مکروہ ہے۔ [4]
پیارے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا : "جب تم میں سے کوئی ولیمے کی طرف بلایا جائے تو اسے چاہیے کہ حاضر ہو جائے"۔ [5]

---

1 (رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ص 248، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاھور)
2 (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الولیمتہ ولو بشاۃ، ج3، ص105، حدیث 5167، فرید بک سٹال، لاھور)
3 (رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ص 248، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاھور)
4 (فتاویٰ رضویہ، ج21، ص440، ملخصاً، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)
5 (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب حق اجابتہ الولیمۃ۔۔۔، ج3، ص106، حدیث 5173، فرید بک سٹال، لاھور)

کسی کی طرف سے اذیت و تکالیف ملنے پر انتقام کی قدرت ہونے کے باجود اُسے معاف کر دینا عظیم اجر و ثواب کا باعث ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ در گزر فرمانے والا ہے اور در گزر کرنے کو پسند فرماتا ہے"۔ [1]

لیکن ہمارے ہاں اگر کوئی شخص پرانے اختلافات بھلا کر شادی یا کسی موقع پر اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت کرے بھی تو ہم معذرت قبول نہیں کرتے بلکہ اُسے ذلیل و رسواء کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے حالوں پر رحم فرمائے، ہمیں اس فرمانِ نبوی ﷺ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " جس کے پاس اُس کا بھائی معذرت کرنے آئے، اُسے معذرت قبول کر لینی چاہیے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو حوضِ کوثر پر مجھ سے مل نہیں پائے گا"۔ [2]

اور پھر کچھ لوگ وہ ہیں جو اس وجہ سے کسی کی شادی پر نہیں جاتے کہ اس نے میرے فلاں رشتے دار کو نہیں بلایا یا میں نے ان کے سب گھر والوں کو اپنی دعوت پر بلایا تھا لیکن اس نے صرف دو جتنوں کو دعوت پر بلایا۔ اے میرے بھائی! عین ممکن ہے کہ اُسے کسی معاشی مجبوری نے تمہارے سب گھر والوں کی دعوت کرنے سے روک رکھا ہو ورنہ اُسے کیا ضرورت ہے کہ وہ زندگی بھر کے لیے تمہارے طعنے مول لے، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور تم استطاعت رکھتے ہو تو دوسروں کو خود پر قیاس نہ کرو بلکہ اللہ کا شکر ادا کرو اور کسی بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دو، اپنے مسلمان بھائی سے اچھا گمان رکھنا تم پر واجب ہے۔ ہمارے آقا و مولا حضور جانِ رحمت ﷺ نے تو ہمیں یہ تعلیم ارشاد فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

(1) جو تم سے تعلق توڑے تم اُس سے تعلق جوڑو

(2) جو تمہیں محروم کرے اُسے عطا کرو

(3) جو تم پر ظلم کرے اُسے معاف کر دو [3]

اور قطع رحمی کرنے والوں سے متعلق فرمایا: "قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتے ناطے توڑنے والا)

---

1 (مستدرك، كتاب الحدود، اول سارق قطعه رسول الله، ج 6، ص 440، حديث 8155، شبير برادرز، لاهور)

2 (معجم الاوسط، باب من اسم محمد، ج 4، ص 682، حديث 6295، پرو گريسو بكس، لاهور)

3 (معجم الاوسط، باب من اسم محمد، ج 4، ص 328، حديث 5567، پرو گريسو بكس، لاهور)

جنت میں داخل نہ ہو گا"۔[1]

تو اے عزیز ! اپنے نفس کی اتباع کرتے ہوئے اپنی آخرت کا سودا مت کرو ۔۔۔۔ !!

مذکور بالا ان تمام رسومات کو جب تک شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے کیا جائے یعنی گانے باجے ،ڈھول ڈھمکے ،بے پردگی، اسراف وغیرہ نہ ہو تو یہ جائز ہیں۔ان رسومات میں ضیافت کرنا (کھانا کھلانا) بھی جائز ہے۔

برکت والا نکاح :

ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ نکاح کا اسلامی انداز اختیار کریں اور شادی بیاہ کے تمام تر معاملات کو عین اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں ، نہ غیر شرعی رسمیں ادا کریں اور نہ ہی فضول خرچیاں کریں ، لڑکا لڑکی یا ان کے گھر والوں میں سے کوئی بھی دوسرے فریق سے بنگلہ ، گاڑی ، موٹر سائیکل ، جائیداد ، سونا ، بھاری جہیز ، حق مہر کے نام پر خطیر رقم ، برات یا ولیمے میں متعدد اقسام کے کھانوں اور ان کیلئے عظیم الشان شادی ہال کے اہتمام وغیرہ کا ہرگز ہرگز مطالبہ نہ کرے شادی سنت ادا کرنے کی نیت سے ہی کی جائے ، اسے کاروبار کرنے یا راتوں رات مالدار ہونے کے ارمان پورے کرنے اور اپنی لالچی طبیعت کی تسکین کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ اگر ان باتوں کا خیال رکھا جائے تو نہ صرف شادی بیاہ کی بہت سی پریشانیاں دور اور شادی نہایت سستی و آسان ہو جائیگی بلکہ اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے باعث برکت بھی ثابت ہو گی۔ جیسا کہ رسولِ اکرم ، نورِ مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بڑی برکت والا نکاح وہ ہے جس میں بوجھ کم ہو"۔[2]

بچے کی پیدائش (رسم چلہ ، چھلہ) :

رواج ہے کہ عورت پہلا بچہ اپنے والدین کے ہاں پیدا کرتی ہے اور جب چالیس دن پورے ہو جاتے ہیں تو لڑکے والے اسے لینے آتے ہیں۔ اس پر دعوت کا اہتمام ہوتا ہے ، والدین کپڑے سامان وغیرہ دیتے ہیں۔ ان رسموں میں شرعاً کوئی

---

1 (معجم الاوسط ،باب من اسم محمد، ج 4، ص 374، حدیث 5664، پروگریسو بکس، لاہور)

2 (شعب الایمان، باب الاقتصاد فی النفقۃ، ج 5، ص 226، حدیث 6566 ،دار الاشاعت کراچی/اسلامی شادی)

قباحت نہیں اور لڑکی کے والدین اگر اپنی خوشی سے بچے کی ولادت وغیرہ کے معاملات پر آنے والا خرچ خود ادا کریں تو بھی حرج نہیں۔ لیکن یہ لڑکی کے بھائی اور والدین پر فرض وواجب ہرگز نہیں، نہ ہی اُن پر ان معاملات کا بوجھ ڈالا جاسکتا، اور نہ اُن پر طعن و تشنیع جائز ہے۔ بیوی اور بچے کا نفقہ، بچے کی پیدائش پر آنے والا تمام خرچ وغیرہ بچے کے باپ پر لازم آتا ہے۔ لوگوں میں یہ بات جو مشہور ہے کہ چلہ میں عورت گھر سے باہر نہ نکلے، اسکی کوئی اصل نہیں۔[1]

پہلے بچے خصوصاً لڑکے کی پیدائش پر بہت خوشی منائی جاتی ہے۔ اور ہمارے یہاں رواج ہے پیدائش اور شادی پر ہیجڑے آکر ناچتے ہیں اور پیسے لیتے ہیں۔ نہ انکا نچوانا جائز نہ ان کو پیسے دینا جائز ہے۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میراثی لوگوں کو دینا ہرگز جائز نہیں کیوں کہ ان کی ہمدردی کرنا دراصل ان کو گناہ پر دلیر کرنا ہے۔ اگر ان موقعوں پر ان کو کچھ نہ ملے تو یہ تمام لوگ ان حرام پیشوں کو چھوڑ کر حلال کمائی حاصل کریں گے"۔[2]

وییَم :

جب عورت چلہ (چھلہ) کے بعد سسرال واپس جانے لگتی ہے تو میکے والے اسے کچھ سامان دیتے ہیں جسے وییَم کہا جاتا ہے۔ عورت کے بھائی بہن اس کے لیے اور بچے کے لیے کپڑے پیسے دیتے ہیں۔ اس میں بھی اگر یہ سب خوشی سے اور حسبِ توفیق ہوتا ہے تو جائز ہے۔ جبکہ دیکھا گیا ہے کہ لڑکی کے بھائی بہن مجبوراً طعن تشنیع سے بچنے کے لیے اپنی حیثیت سے زیادہ دیتے ہیں۔ اگر کوئی طعنے سے بچنے کے لیے دے تو لینا جائز نہیں۔[3]

طعن و تشنیع :

آج ہمارے معاشرے میں ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا اور اپنے نفس کی تسکین کے لیے قول و فعل سے دوسروں کو اذیت دینا لوگوں کی عادت بن گئی ہے۔ عوام اپنے بہت سے کام دوسروں کی طعن و تشنیع سے بچنے کے لیے مجبوراً کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ان

---

1 (ماخوذ رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ص166، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

2 (اسلامی زندگی، ص20، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

3 (رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ص168، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

احادیث سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

(1) رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمان عبرت نشان ہے : ”مومن نہ طعن کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش بکنے والا بے ہودہ ہوتا ہے"۔[1]

(2) اور نبیٔ رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا : " بہت لعن طعن کرنے والے قیامت کے دن نہ شہادت دیں گے نہ شفاعت کریں گے "۔[2]

(3) اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا : " اگر کوئی شخص تمہیں تمہارے کسی عیب کا طعنہ دے تو تم اسے اس کے عیب کا طعنہ ہرگز نہ دو کیونکہ تمہیں اس کا ثواب ملے گا اور طعنہ دینے والے پر وبال ہوگا "۔[3]

کسی مسلمان کو تکلیف دینا ناجائز و حرام ہے: طعنے دینے میں مسلمان کی سخت دل آزاری ہے اور مسلمان کو بلاوجہ شرعی تکلیف دینا جائز نہیں ہے۔

(4) اللہ عزوجل کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے:" جس نے کسی مسلمان کو (بلاوجہ شرعی) اِیذا دی اُس نے مجھے اِیذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو اِیذا دی "۔[4]

☆☆☆

1 (ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی اللعنة، ج1، ص 920، حدیث 2042، فرید بک سٹال، لاھور)

2 (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب النّھی عن لعن، ج3، ص428، حدیث6555، فرید بک سٹال، لاھور)

3 (ابن حبان، کتاب البر والاحسان، ج1، ص370، حدیث 523، دار الکتب العلمیه، بیروت)

4 (معجم الاوسط، باب من اسمه سعید، ج2، ص803، حدیث 3607، پروگریسو بکس، لاھور)

خوشگوار ازدواجی زندگی

فی زمانہ بچوں کی تربیت کرنے میں لوگ بہت کوتاہی کرتے ہیں۔والدین اور بچوں کی علمِ دین سے دوری گھریلوں جھگڑوں اور طلاق کی اس بڑھتی ہوئی شرح کی ایک اہم وجہ ہے۔ اسی طرح ازدواجی زندگی کے بارے میں بچوں کی تربیت کرنے میں ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ لوگ بچیوں کی تربیت تو کچھ نہ کچھ کر ہی دیتے ہیں مگر بچوں کی تربیت نہیں کرتے بلکہ شاید اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے حالانکہ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو تربیت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ مرد گھر کا حاکم و سربراہ ہوتا ہے، اُسے گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے کے گُر اچھی طرح معلوم ہونے چاہئیں، لہٰذا والدین کو چاہئے کہ صرف لڑکیوں ہی کو نہیں لڑکوں کو بھی نصیحتیں کریں اور انہیں اچھی طرح ازدواجی زندگی کے آداب سے آگاہ کریں۔(1)

میاں بیوی کے حقوق کا بیان :

خُوشگوار ازدواجی زندگی کافی حد تک اس بات پر بھی موقوف ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کے حُقوق کے بارے میں کتنی معلومات ہے اور وہ اِن معلومات کی روشنی میں کس حد تک اپنے رفیقِ حیات کے حُقوق کا خیال رکھتا ہے۔ عموماً ایک دوسرے کے حُقوق ادا نہ کرنے اور ایک دوسرے کو اہمیت نہ دینے ہی کی وجہ سے باہم ناچاقیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو میاں بیوی میں فاصلوں اور دُوریوں کو بڑھانے کا سبب بنتی ہیں۔ دینِ اسلام میں میاں بیوی کے حُقوق کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کثیر احادیث میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حُقوق ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔(2)

---

1 (ماخوذ اسلامی شادی، ص98، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (اسلامی شادی، ص101، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بیوی پر شوہر کے حقوق :

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، مجدِ دِ دین وملت اِمام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ کی جلد نمبر 24 میں بیوی پر شوہر کے جو حُقوق بیان فرمائے ہیں تفسیر صراطُ الجنان میں اُن کا خلاصہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ: ازدواجی تعلقات میں مطلقاً شوہر کی اطاعت کرنا، اُس کی عزت کی سختی سے حفاظت کرنا، اس کے مال کی حفاظت کرنا، ہر بات میں اس کی خیر خواہی کرنا، ہر وقت جائز امور میں اس کی خُوشی چاہنا، اسے اپنا سردار جاننا، شوہر کو نام لے کر نہ پُکارنا، کسی سے اس کی بلاوجہ شکایت نہ کرنا اور خُدا توفیق دے تو وجہ ہونے کے باجود شکایت نہ کرنا، اُس کی اجازت کے بغیر آٹھویں دن سے پہلے والدین کے گھر اور ایک سال سے پہلے دیگر محارم کے یہاں نہ جانا، وہ ناراض ہو تو اس کی بہت خُوشامد کرکے منانا وغیرہ حقوق شامل ہیں۔[1]

شوہر کے حقوق کی تاکید و اہمیت :

☆بیوی پر شوہر کے حُقوق کی اہمیت کے بارے میں چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ کیجئے۔

(1) اُم المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ فرمایا: "شوہر کا حق"۔ میں نے پوچھا: مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ فرمایا: "اُس کی ماں کا حق"۔[2]

(2) اور پیارے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ اُس عورت پر نگاہِ رحمت نہیں کرتا، جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہیں ہے۔"[3]

(3) اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے عورت اس وقت تک اللہ عزوجل کے حق سے دستبردار نہیں ہوسکتی جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کردے"۔[4]

---

1 (اسلامی شادی، ص 103، مکتبۃ المدینہ، کراچی/تفسیر صراط الجنان، البقرۃ، تحت الآیۃ 228)

2 (مستدرک، کتاب البر والصلۃ، ج5، ص 820، حدیث 7338، فرید بک سٹال، شبیر برادرز)

3 (مستدرک، کتاب البر والصلۃ، ج5، ص819، حدیث 7335، فرید بک سٹال، شبیر برادرز)

4 (مستدرک، کتاب البر والصلۃ، ج5، ص819، حدیث 7335، فرید بک سٹال، شبیر برادرز)

(4) اور حضور جانِ جاناں ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر انسان کیلئے کسی انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو ضرور حکم دیتا کہ جب شوہر اُس کے پاس آیا کرے تو اُسے سجدہ کیا کرے، اُس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ عزوجل نے شوہر کو بیوی پر عطا فرمائی ہے "۔ [1]

(5) اور امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو عورت اس حال میں فوت ہوئی کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا، تو وہ جنت میں داخل ہو گی"۔ [2]

(6) اور حبیب کبریا ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے اور مرد اس سے ناراضگی میں رات گزار دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں"۔ [3]

(7) اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو عورت پانچوں نمازیں ادا کرے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے گی"۔ [4]

(8) اور آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جہنم میں عورتوں کی کثرت دیکھی ہے، میں نے ملائکہ سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں بہت زیادہ لعنت کرتی ہیں۔ اور اکثر اپنے شوہروں کی شکایت و ناشکری کرتی ہیں"۔ [5]

(9) سیدنا انس بن مالک کہتے ہیں، رحمت عالم ﷺ نے ہم سے فرمایا: کیا تمھیں بتاؤں کہ تمھاری کون سی عورتیں جنتی ہیں؟ ہم نے عرض کی: حضور کیوں نہیں، ضرور ارشاد فرمائیں!، فرمایا: (وہ عورت جو شوہر سے) محبت کرنے والی ہو، کثیر اولاد والی ہو، جب اُسے غصہ آئے، یا اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے، یا اس کا خاوند اس سے ناراض ہو جائے تو کہے: میرا ہاتھ، آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے اس وقت تک نہیں سونا، جب تک آپ راضی نہیں ہو جاتے"۔ [6]

---

1 (سنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب النکاح، باب من تخلی لعبادۃ اللہ، ج7، ص135، حدیث 13485، دار الکتب العلمیہ)
2 (ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المراۃ، ج1، ص576، حدیث 1843، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)
3 (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم امتناعھا من فراش زوجھا، ج2، ص230، حدیث 3526، فرید بک سٹال، لاھور)
4 (الاحسان بترتیب ابن حبان، کتاب النکاح، باب معاشرۃ الزوجین، ج6، ص184، حدیث 4151، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
5 (کیمیائے سعادت، ص239، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)
6 (الترغیب والترھیب، کتاب النکاح، باب ترغیب الزوج فی الوفاء، ص358، حدیث 2902، دار الکتاب العربی، بیروت)

(10)اگر کسی عورت کا شوہر بد اخلاق ہو تو اُسے چاہیے کہ اِس فرمانِ مصطفیٰ ﷺ پر غور کرے اور اُخروی اجر و ثواب کی اُمیدوار بنے، چنانچہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے اپنی بیوی کی بد اخلاقی پر صبر کیا اللہ عزوجل اسے ایسا اجر عطا فرمائے گا جو حضرت ایوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو ان کی آزمائش پر عطا فرمایا اور جس عورت نے اپنے شوہر کے برے اخلاق پر صبر کیا اللہ عزوجل اسے ایسا اجر عطا فرمائے گا جو فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطا فرمایا"۔[1]

شوہر پر بیوی کے حقوق :

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، مجدد دین و ملت اِمام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ کی جلد 24 میں شوہر پر بیوی کے جو حقوق بیان فرمائے ہیں تفسیر صراط الجنان میں اُن کا خلاصہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ (عورتوں کے حقوق میں سے ہے انہیں) خرچہ دینا، رہائش مہیا کرنا، اچھے طریقے سے گزارہ کرنا، نیک باتوں، حیاء اور پردے کی تعلیم دیتے رہنا، ان کی خلاف ورزی کرنے پر سختی سے منع کرنا، جب تک شریعت منع نہ کرے ہر جائز بات میں اس کی دلجوئی کرنا، اس کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرنا اگرچہ یہ عورت کا حق نہیں۔[2]

بیوی کے حقوق کی تاکید و اہمیت :

قرآن پاک میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے :

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[3]

ترجمہ کنزالعرفان : "اور عورتوں کیلئے بھی مردوں پر شریعت کے مطابق ایسے ہی حق ہے جیسا (اُن کا) عورتوں پر ہے "

یعنی جس طرح عورتوں پر شوہروں کے حُقوق کی ادا واجب ہے اسی طرح شوہروں پر عورتوں کے حُقوق کی رعایت لازم ہے (خزائن العرفان)۔ لہٰذا شوہر کو چاہئے کہ وہ ہرگز ہرگز بیوی کے

---

1 (احیاء العلوم، کتاب آداب النکاح، ج2، ص156، مکتبتہ المدینہ، کراچی)

2 (اسلامی شادی، ص105، مکتبۃ المدینہ، کراچی/ تفسیر صراط الجنان، البقرۃ، تحت الآیۃ 228)

3 (البقرۃ، آیت228)

حُقوق کو ہلکا نہ جانے، اُسے کمزور سمجھ کر اُس کے ساتھ ناانصافی نہ کرے، اُس پر ظلم و ستم نہ کرے اور ہر وقت اس بات کو پیشِ نظر رکھے کہ جس رب عزوجل نے اُسے بیوی پر حاکم بنایا ہے وہ اَحۡکَمُ الۡحَاکِمِیۡن جَلَّ جَلَالُہ سب حاکموں کا حاکم ہے، وہ ناانصافی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

☆آیئے! اللہ عزوجل کے رسول، رسولِ مقبول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عورت کے حُقوق کی جو اہمیت بیان فرمائی ہے اُس کے بارے میں چند فرامینِ مُصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مُلاحظہ کیجئے۔

(1) رسول اکرم نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "خبردار! بیویوں کا تم پر حق ہے کہ اوڑھنے پہننے اور کھانے پینے کے معاملات میں اُن کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ"۔[1]

(خواتین کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر پر بیویوں کے جو حقوق لازم کیے ہیں، اُن میں مناسب روٹی، کپڑا، رہائش وغیرہ شامل ہے۔ اگر کوئی بیوی اس سے بڑھ کر فرمائش کرتی ہے اور شوہر کے وہ چیز نہ دلانے پر شوہر سے ناراضگی یا طلاق تک معاملہ پہنچا دیتی ہے (جیسا کہ اکثر ہمیں نظر آتا ہے) تو ایسی عورت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور شوہر کی ناشکری کرنے والی ہے)۔

(2) اور نبی رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "کامل ایمان والے مومنین وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کیلئے اخلاقی طور پر اچھے ہوں"۔[2]

(3) اور جانِ جاناں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کے حق میں بہتر ہو اور میں اپنے اہل و عیال کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں"۔[3]

(4) اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت سے بغض و نفرت نہ رکھے کیونکہ اگر عورت (بیوی) کی کوئی عادت بری معلوم ہوتی ہو تو اسکی کوئی دوسری عادت پسندیدہ (اچھی) بھی ہو گی"۔[4]

(5) اور حبیب کبریا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "کوئی شخص (شوہر) عورت کو اس طرح نہ مارے

---

1 (ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجھا، ج1، ص595، حدیث 1162، فرید بک سٹال، لاہور)
2 (ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجھا، ج1، ص595، حدیث 1161، فرید بک سٹال، لاہور)
3 (ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حسن معاشرة النساء، ج1، ص612، حدیث 1966، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)
4 (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء، ج2، ص260، حدیث 3633، فرید بک سٹال، لاہور)

جس طرح اپنے غلام کو مارا کرتا ہے پھر دوسرے وقت اس سے صحبت (جماع) بھی کرے"۔[1]

(6) اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایک دینار وہ ہے جو تم نے اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی غلام پر خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی مسکین پر خرچ کیا اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں (والدین، بیوی، بچوں) پر خرچ کیا ، ان میں سب سے زیادہ اجر اُس دینار کا ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا"۔[2]

(7) اور حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور اس نے ان کے درمیان عدل اور برابری کا برتاؤ نہیں کیا تو وہ قیامت کے دن میدان محشر میں اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ اس کا آدھا بدن مفلوج (فالج لگا ہوا) ہو گا"۔[3]

(8) حضرت سیدنا عمر فاروق و سیدنا لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ: "عقل مند کو چاہیئے کہ گھر میں گھر والوں کے ساتھ بچے کی طرح رہے اور لوگوں میں مردوں کی طرح رہے"۔[4]

(9) حدیث پاک میں ہے: اللہ عزوجل کے پیارے حبیب ﷺ کی آخری وصیت تین باتوں پر مشتمل تھی اور بار بار انہیں ہی دہرا رہے تھے حتی کہ زبان میں جنبش اور کلام مبارک میں آہستگی آگئی، آپ ﷺ ارشاد فرمارہے تھے: "نماز کو لازم پکڑو! نماز کو لازم پکڑو! اور جن کے تم مالک ہو (یعنی لونڈی غلام) ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو! عورتوں کے معاملے میں اللہ عزوجل سے ڈرو! عورتوں کے معاملے میں اللہ عزوجل سے ڈرو کہ یہ تمہارے ہاتھوں میں قیدی ہیں، تم نے انہیں اللہ عزوجل کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ عزوجل کے کلمہ کے ساتھ ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے"۔[5]

(10) امام شعرانی نے اپنے استاد شیخ علی الخواص رحمۃ اللہ علیہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ: " بیوی کے اخلاق اصل میں مرد کے اخلاق کا نتیجہ ہیں، کیونکہ عورت تو مرد سے ہی پیدا ہوئی ہے

---

1 (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب مایکرہ من ضرب النساء، ج3، ص121، حدیث 5204، فرید بک سٹال، لاہور)
2 (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ، ج1، ص701، حدیث 2308، فرید بک سٹال، لاہور)
3 (ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر، ج1، ص584، حدیث 1138، فرید بک سٹال، لاہور)
4 (احیاء العلوم، کتاب اداب النکاح، ج2، ص161، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
5 (احیاء العلوم، کتاب آداب النکاح، ج2، ص156، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مرد اپنی بد اخلاقی سے غافل ہو جائے تو عورت کے اخلاق کی طرف دیکھ لے کہ وہ مرد کا اخلاق ہی دیکھاتی ہے۔ پیارے بھائی اگر تو چاہتا ہے کہ تیری بیوی با اخلاق ہو تو اللہ تعالی کی فرماں برداری کرتا رہ اس بات سے بہت سے لوگ غافل ہیں، اپنی بیویوں کی شکایتیں کرتے ہیں اور خود کو نہیں دیکھتے! اگر ہماری بات پر توجہ دیں، اپنا آپ ٹھیک کر لیں تو ان کی بیویاں خود ہی درست ہو جائیں گی"۔ پھر امام شعرانی فرماتے ہیں میں نے اس بات کا تجربہ کیا تو شیخ کے قول کے مطابق ہی پایا (مفہوما)۔ (1)

پیارے آقا ﷺ کا ازواجِ مطہرات سے حسنِ سلوک

حضور ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ بہت ہی بہترین سلوک فرماتے ان کی پاس داری کرتے انکے ساتھ استراحت فرماتے۔ ذیل میں آقا کریم ﷺ کا اپنی ازواج سے حسن سلوک سے متعلق چند روایات ملاحظہ ہوں۔

☆ آقا کریم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت محبت فرماتے ۔ آپ ﷺ جب پانی پیتے تو برتن کے اُس جانب اپنا دہن مبارک (ہونٹ) رکھتے جس جگہ حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنا منہ رکھ کر پانی پیا ہوتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی کلائی کو پکڑ کر برتن کے اس جانب سے پیتے جہاں سے اُنہوں نے پیا ہوتا۔ حضور ﷺ اپنی مسواک صاف کرنے کے لیے حضرت عائشہ کو دیتے تو وہ اسے اپنے منہ میں چبا کر نرم کرتیں۔ پھر حضور ﷺ ان کے منہ میں چبائی گئی مسواک لے کر اپنے دہن مبارک میں لے لیتے۔ یہ غایت درجہ تواضع اور حضرت عائشہ صدیقہ سے انتہائی محبت کی دلیل ہے۔ (2)

☆ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسابقت فرمائی اور ایک دوسرے کے ساتھ دوڑے۔ حضرت عائشہ صدیقہ دوڑ میں آگے نکل گئیں۔ پھر

---

1 (الصبر علی الزوجات، ص25-26، دار الفتح)

2 (مدارج النبوت، ج1، ص79، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

کچھ زمانہ بعد دوسری مرتبہ دوڑ ہوئی تو حضرت عائشہ صدیقہ سے حضور ﷺ آگے نکل گئے، وجہ یہ تھی کہ پہلی مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ عام جسم کی تھیں دوسری مرتبہ وہ تنومند بھاری جسم کی ہوگئی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا(اے عائشہ!)پہلی مرتبہ میں مجھ سے تمہارے آگے نکل جانے کا آج تم سے میرے آگے نکل جانے میں بدلہ ہے۔[1]

☆ ایک مرتبہ حضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانا بھیجا۔ حضرت عائشہ کا ہاتھ کھانے کے برتن میں لگ گیا۔ برتن گر کر ٹوٹ گیا اور کھانا بکھر گیا۔ حضور ﷺ برتن کے ٹکڑوں کو چنا اور کھانا اٹھا کر برتن میں رکھا اور معذرت خواہی کے طور پر حاضرین سے کہا: ہمیں تمہارے اس رشک کے معاملے میں افسوس ہے، بیتابی کا اظہار ہوا۔ پھر حضرت عائشہ کے گھر سے درست پیالہ لے کر اور ایک روایت میں ہے کھانا بھی لے کر اس کے گھر خادم کے ہاتھ بھجوایا اور فرمایا پیالے کے بدلے میں پیالہ اور کھانے کے بدلے میں کھانا ہے۔[2] (اس حدیث میں غیرت کے موقع پر عورت سے موٴاخذہ نہ کرنے پر دلیل ہے، اس حدیث سے اُن مردوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے جو ایسے مواقع پر عورت کو لعن طعن کا نشانہ بناتے ہیں)۔

☆ ایک مرتبہ حضرتِ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں شوربہ لائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سودہ سے کہا اسے پی لو، تو انہوں نے نہ پیا۔ پھر کہا اسے پی لو ورنہ میں تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ انہوں نے پھر بھی نہ پیا تو حضرت عائشہ نے حضرت سودہ کے چہرے پر مل دیا اور حضور اکرم ﷺ یہ دیکھ کر ہنستے رہے۔ آپ ﷺ نے حضرت سودہ سے فرمایا تم بھی ان کے منہ پر مل دو۔ چنانچہ حضرت سودہ نے حضرت عائشہ کے چہرہ پر مل دیا اور حضور ﷺ دیکھ کر ہنستے رہے۔[3]

☆ اسی طرح روایت میں ہے کہ ایک موقع پر ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

---

1 (مدارج النبوت، ج1،ص 79، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

2 (مدارج النبوت، ج1،ص 80، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

3 (مدارج النبوت، ج1،ص 80، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

لیے جب سواری کے لئے اُونٹ قریب لایا گیا، تو رسولِ خدا ﷺ نے حضرتِ صفیہ کو اپنے کپڑے سے پردہ کرایا اور رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ محترمہ ام المومنین حضرت صفیہ کے لیے اونٹ کے قریب بیٹھ گئے اور اپنے گھٹنہ مبارک کو کھڑا فرمادیا۔ حضرت صفیہ نے اپنا قدم اس مبارک زِینے (رسول اللہ کے گھٹنے) پر رکھا اور بآسانی اُونٹ پر سوار ہوئیں۔ [1]

☆ اُم المؤمنین حضرت سیدتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ مجھے حضور نبی کریم رؤف رحیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اَزواجِ مطہرات میں سے کسی پر اتنا رشک نہ آتا جتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آتا حالانکہ میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا لیکن اکثر تاجدارِ رسالت ﷺ ان کا ذکر خیر فرماتے تھے۔ بعض اوقات بکری ذبح کرتے اور اس کے اعضاء الگ الگ کر کے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے گھر بھیجتے۔ بسا اوقات میں یوں عرض کرتی کہ دنیا میں حضرت خدیجہ کے سوا کوئی عورت نہیں ہے؟۔ آپ ﷺ ان کی اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے: "وہ ایسی تھیں وہ ایسی تھیں اور اُن سے میری اولاد ہوئی ہے"۔ [2]

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے "جب تم ناراض ہوتی ہو تو مجھے تمہاری ناراضگی کا پتہ چل جاتا ہے اور جب تم راضی ہوتی ہو تو مجھے اس کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ کو اس کا کیسے پتہ چل جاتا ہے؟، نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم ناراض ہوتی ہو تو تم "یا محمد" کہتی ہو اور جب تم راضی ہو تو تم "یارسول اللہ" کہتی ہو۔ [3]

☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے: فرماتی ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ خوش دیکھا تو کہا: یارسول اللہ! اللہ پاک سے میرے لئے دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! عائشہ کے پہلے اور پچھلے گناہ معاف فرما، جو چھپ کر کئے اور جو ظاہر اًکئے۔" حضرت عائشہ مسکرانے لگیں حتی کہ ان کا سر آپ ﷺ کی گود میں آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں میری دعا اچھی لگی؟ انہوں نے کہا: مجھے کیا ہوا کہ آپ کی دعا مجھے اچھی نہ لگے؟ آپ ﷺ

---

1 (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر، ج2، ص639، حدیث 4211، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی خدیجة، ج2، ص466، حدیث 3818، فرید بک سٹال، لاہور)

3 (مسند امام احمد، حدیث عائشہ صدیقہ، ج11، ص4، حدیث 24513، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ہر نماز میں اپنی امت کے لئے یہ دعا کرتا ہوں۔[1]

☆ اگر بیوی سوئی ہوئی ہو تو بلا وجہ اُسے جگا دینا سنت کے خلاف ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں سوئی ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ بستر سے نیچے اُترے، آہستہ سے اپنے جوتے پہنے، آہستہ سے اپنی چادر لی، پھر آہستہ سے دروازہ کھولا اور آہستہ سے باہر نکل گئے۔ جب میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول آپ نے ایسا کیوں کیا؟، تو آپ نے فرمایا: عائشہ! تم سو رہی تھی تو میرا جی چاہا کہ تمہاری نیند میں خلل نہ آئے۔[2]

☆ نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے بارے میں ان کے والدین سے کبھی شکایت نہیں کی۔ یہ نہایت عظیم ازدواجی کردار ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ کی آواز بلند ہوتی ہوئی سنی، جب آپ اندر داخل ہوئے تو انہیں تھپڑ مارنے لگے اور فرمایا: اپنی آواز رسول اللہ ﷺ سے بلند کرتی ہو؟۔ نبی کریم ﷺ انہیں روکنے لگ گئے اور ابو بکر غصے میں باہر نکل گئے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ تم نے دیکھا میں نے تمہیں کیسے بچا لیا ہے؟۔ کچھ دنوں بعد ابو بکر پھر حاضر ہوئے اور دیکھا کہ دونوں (اللہ کے پیاروں) میں صلح ہو چکی ہے تو کہنے لگے: مجھے جس طرح اپنے جھگڑے میں شامل کیا تھا اسی طرح مجھے صلح میں بھی شامل کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہم نے ایسا ہی کیا، ہم نے ایسا ہی کیا"۔[3]

ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ آپ ان کی غیرت و مذاح پر مؤاخذہ نہ فرماتے۔ اور انہیں اس میں معذور رکھتے تھے۔ اور جب ان پر عدل کی ترازو اور شریعت کے احکام قائم فرماتے تو نرمی کے ساتھ کرتے۔ شادی شدہ حضرات پیارے آقا ﷺ کی سیرت کے ان پہلوؤں پر اگر عمل کریں تو یقیناً ہمارے گھر خوشیوں کا گہوارا بن جائیں۔

---

1 (صحیح ابن حبان، کتاب المناقب، ج 8، ص 281، حدیث 7111، شبیر برادرز، لاھور)

2 (سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب مومنوں کے لیے استغفار، ج 2، ص 90، حدیث 2009، ضیاء القران پبلی کیشنز، لاھور)

3 (سنن ابی داؤد، کتاب الاداب، باب ماجاء فی المزاخ، ج 3، ص 530، حدیث 4347، ضیاء القران پبلی کیشنز، لاھور)

خاتونِ جنت کو نصیحت

حضرت سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں شکر رنجی (رنجش) ہوگئی، چنانچہ وہ رسولِ کریم، رؤفٌ رحیم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس جانے کیلئے گھر سے روانہ ہوئیں تو حضرت سیدنا علی بھی اُن کے پیچھے ہولئے اور ایسی جگہ کھڑے ہوگئے جہاں سے گفتگو سن سکیں، حضرت سیدتنا فاطمہ نے اپنے بابا جان، رحمتِ عالمیان صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے حضرت علی کی شکایت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: میری بیٹی! غور سے سُنو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ ایسی کوئی عورت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے شوہر کے مزاج کے خلاف کچھ کرے اور شوہر خاموش بھی رہے (یعنی بیویوں سے شوہر کے مزاج کے خِلاف کوئی بات ہوتی ہے تو اُسے بھی غصہ آہی جاتا ہے یہ کوئی بڑی بات نہیں)۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں یہ کہتے ہوئے وہاں سے لوٹ آیا کہ خُدا کی قسم! اب میں ایسا کچھ نہیں کروں گا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ناگوار گزرے۔ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی کہا کہ خدا کی قسم آئندہ میں ایسا کچھ نہیں کروں گی جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ناپسند ہو۔[1]

دیکھا آپ نے کہ خاتونِ جنت بلکہ جنتی عورتوں کی سردار حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت لے کر اپنے بابا جان رحمتِ عالمیان صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس حاضر ہوئیں تو ہمارے پیارے آقا، مکی مدنی مُصْطَفٰے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اُنہی کو انتہائی شفقت سے نصیحت فرمائی، یقیناً حضورِ اکرم، نورِ مُجسم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ طرزِ عمل بھی والدین کیلئے بہترین نمونہ ہے، اُنہیں چاہئے کہ اپنے بچوں کی باہمی ناراضیوں کو اپنی عقلمندی اور معاملہ فہمی سے جلد سے جلد ختم کردیں۔

---

1 (احکام النساء لابن جوزی، ص 140، دار الفکر، بیروت)

خاتون جنت کی حیاتِ مبارکہ (حالاتِ زندگی)

امام الانبیاء ﷺ کی صاحبزادی جنتی عورتوں کی سردار سیدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات مبارکہ قیامت تک پوری امت کی عورتوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ مصائب و تکالیف پر صبر و شکر کا جو باب اہلِ بیتِ مصطفیٰ ﷺ نے باندھا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ خواتین کو چاہیے کہ زندگی میں اگر آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے تو شکوہ شکایت کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیاتِ مبارکہ کا ایک بار تصور کر لیا کریں۔ چنانچہ سیدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیاتِ مبارکہ کی جھلک ایک حدیث مبارکہ میں ملاحظہ ہو:

حضرتِ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، فرماتے ہیں:

" حضور اکرم ﷺ مجھ سے حسن ظن رکھتے تھے، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمران! تمہارا میرے نزدیک ایک خاص مقام ہے، کیا تم میری بیٹی فاطمہ کی عیادت کو چلو گے؟ میں نے کہا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان! ضرور چلوں گا" چنانچہ ہم روانہ ہوگئے اور حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر پہنچے، آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور سلام کے بعد اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی۔ حضرتِ فاطمہ نے فرمایا: تشریف لائیے! آپ نے فرمایا: میرے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے، پوچھا گیا: حضور! دوسرا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: عمران! حضرتِ فاطمہ بولیں: ربِ ذوالجلال کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں صرف ایک چادر سے تمام جسم چھپائے ہوئے ہوں۔ آپ نے دستِ اقدس کے اشارے سے فرمایا: تم ایسے ایسے پردہ کر لو، انہوں نے عرض کیا: اس طرح میرا جسم تو ڈھک جاتا ہے مگر سر نہیں چھپتا، آپ نے ان کی طرف ایک پرانی چادر پھینکی اور فرمایا: تم اس سے سر ڈھانپ لو، اس کے بعد آپ گھر میں داخل ہوئے اور سلام کے بعد پوچھا: بیٹی کیسی ہو؟ حضرتِ فاطمہ نے عرض کیا: حضور مجھے دوہری تکلیف ہے، ایک بیماری کی تکلیف اور دوسرے بھوک کی تکلیف! میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے کھا کر بھوک مٹا سکوں، رسول ﷺ یہ سن کر اشکبار ہوگئے اور فرمایا: بیٹی گھبراؤ نہیں،

رب کی قسم! میرا رب کے یہاں تم سے زیادہ مرتبہ ہے مگر میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا ہے، اگر میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں تو مجھے ضرور کھلائے مگر میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے پھر آپ نے حضرتِ فاطمہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "خوش ہو جاؤ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو"۔ انہوں نے پوچھا: حضرتِ آسیہ اور مریم کہاں ہونگی؟ آپ نے فرمایا: آسیہ اپنے زمانے کی عورتوں کی اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو، تم جنت کے ایسے محلات میں رہو گی جس میں کوئی عیب، کوئی دکھ اور کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ پھر فرمایا: اپنے چچازاد کے ساتھ خوش رہو، میں نے تمہاری شادی دنیا اور آخرت کے سردار کے ساتھ کی ہے۔ (1)

فقراء کی فضیلت :

اللہ عزوجل نے اگر کسی مسلمان کو دنیاوی مال و دولت سے نہیں نوازا تو اُسے چاہیے کہ کہ وہ اس عارضی مال و دولت کے بجائے اُخروی انعام پر نظر کرے اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرے۔ حدیث پاک میں آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فقراء کے بارے میں ارشاد فرمایا: "اس اُمت کے سب سے بہترین لوگ فقراء ہیں اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے کمزور لوگ ہیں" اور فرمایا " میری امت کے فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اگر کوئی مالدار آدمی ان کی جماعت میں شامل ہو گا تو اسے ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیا جائے گا"۔ (2)

☆حضرتِ سیدُنا ابراہیم بن بشار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت سیدُنا ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سفر پر تھا اور ہم دونوں روزے سے تھے، مگر ہمارے پاس اِفطار کے لئے کچھ نہ تھا اور نہ ہی کوئی ایسے ظاہری اسباب نظر آرہے تھے کہ جن سے افطاری کا انتظام کیا جا سکے۔ میری اس فکر کو دیکھ کر حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: "اے ابن بشار! اللہ عزوجل نے غریبوں اور مسکینوں کو دنیا و آخرت میں کس قدر نعمتوں اور راحتوں سے سرفراز فرمایا ہے بروزِ قیامت نہ اِن سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا جائے

1 (مکاشفتہ القلوب، باب فقراء کی فضیلت، ص245/255، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (مکاشفتہ القلوب، باب فقراء کی فضیلت، ص249/257، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

گا اور نہ حج و صدقہ اور صلہ رحمی و حسنِ سلوک کے بارے میں حساب و کتاب ہو گا، جبکہ مال داروں سے اِن سب چیزوں کے بارے میں سوال ہو گا۔ دنیا کے یہ امیر و سرمایہ دار آخرت میں غریب و نادار اور محض دنیوی عزت دار وہاں ذلیل و خوار ہوں گے، آپ فکر نہ کیجئے، اللہ عزوجل روزی کا ضامن ہے وہ تمہارے لئے رزق کا انتظام فرمائے گا، ہم ان دنیاوی امیروں سے زیادہ امیر ہیں۔ دنیا و آخرت میں کامل مسرت ہمیں حاصل ہے نہ رنج و غم ہے اور نہ اس کی پرواہ کہ ہماری صبح کیسے ہوئی اور شام کیسے؟ بس شرط یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی اِطاعت و فرمانبرداری کے معاملے میں کوتاہی آڑے نہ آنے دیں۔ "یہ فرما کر آپ نماز میں مشغول ہو گئے اور میں نے بھی نماز شروع کر دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک شخص ہمارے پاس 8 روٹیاں اور بہت سی کھجوریں لے کر آیا اور یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ کھایئے! اللہ عزوجل تم پر رحم فرمائے۔ حضرت سیدُنا ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: "لیجئے اور کھایئے۔" جوں ہی ہم کھانا کھانے لگے، ایک سائل نے صدا لگائی کہ اللہ عزوجل کے نام پر مجھے کچھ کھانا دے دیجئے۔ حضرت سیدُنا ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ علیہ نے 3 روٹیاں اور کچھ کھجوریں اُس حاجت مند کو دے دیں اور فرمایا: "غم خواری کرنا اہلِ ایمان کا حصہ ہے"۔[1]

اللہ ربُ العزت عزوجل کی اُن پر رحمت ہو اور اُن کے صدقے ہماری بے حساب مغفرت ہو۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کثرتِ ذکر اور مجھ پر دُرودِ پاک پڑھنا کہ یہ عمَل فقر (یعنی غُربت) کو دُور کرتا ہے۔" صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بہرِ رَفعِ مرض و زَحمت و رنج و کلفت
ڈھونڈتے پھرتے ہیں وہ لوگ کہاں کا تعویذ
تم پڑھو صاحبِ لَولاک پر کثرت سے دُرُود
ہے عجب دردِ نہاں اور اَماں کا تعویذ

---

1 (غریب فائدے میں ھے، ص4، مکتبۃ المدینہ، کراچی/روض الریاحین)

طلاق :

ہمارے یہاں طلاق کے مسئلہ کو بہت بگاڑ دیا گیا ہے۔ بعض لوگ تو طلاق سے بہت زیادہ نفرت کرتے اور اسے برا بھلا کہتے ہیں اور بعض نے طلاق کو کھیل بنا رکھا ہے، تین اور تین سے زائد طلاقیں دیتے ہیں اور پھر غیر شرعی طریقے سے رجوع کر کے زنا کرتے رہتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بلاوجہ شرعی طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسندیدہ و مکروہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال (کاموں میں سے) سب سے مبغوض اور ناپسندیدہ عمل طلاق ہے "۔[1]

اس طرح وہ عورت جو بلاوجہ شرعی طلاق کا مطالبہ کرے اُسکے متعلق آقا کریم ﷺ نے فرمایا : "جو عورت بلاوجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (یعنی ایسی عورت جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گی)"۔[2]

البتہ اگر میاں بیوی کا اکٹھے رہنا واقعی ناممکن ہو جائے اور طلاق کی ضرورت پڑ ہی جائے تو طلاق دینا جائز ہے۔ اسی طرح اگر عورت واقعی مظلوم ہے اور اس کا شوہر کے ساتھ رہنا مشکل ہو جائے تو شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ شوہر سے خلع لے لے۔

تین طلاقوں کا مسئلہ :

دورِ حاضر میں یہ مسئلہ بہت زیادہ زور پکڑ گیا ہے کہ شوہر بیوی کو جذبات میں آکر تین طلاقیں اکٹھی دے دیتا ہے۔ اور پھر دنیاوی مفاد یا شرمندگی سے بچنے کے لیے طلاق کا انکار کر دیتا ہے۔ کہ میں نے طلاق نہیں دی یا یہ بہانا بناتا ہے کہ میں غصے میں تھا۔ ایسے حضرات سے پوچھنا چاہیے کہ بھلا پیار محبت میں بھی کبھی کسی نے طلاق دی ہے ؟۔ طلاق عموماً غصے میں ہی ہوتی ہے۔ امام احمد رضا خان قادری قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز لکھتے ہیں :

"غصہ مانعِ وقوعِ طلاق نہیں بلکہ وہی طلاق پر حامل ہوتا ہے، تو اُسے مانع قرار دینا گویا حکمِ طلاق کا

---

1 (سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراھیہ الطلاق، ج2، ص69، حدیث 1863، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

2 (ترمذی، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی المختلعات، ج1، ص608، حدیث 1190، فرید بک سٹال، لاھور)

راساً (سرے سے) ابطال (باطل قرار دینا) ہے، ہاں البتہ! اگر شدت غیظ و جوشِ غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہو جائے، خبر نہ رہے کہ کیا کہتا ہوں زبان سے کیا نکلتا ہے، تو بیشک ایسی حالت کی طلاق ہر گز واقع نہ ہو گی"۔[1]

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "آج کل اکثر لوگ طلاق دے بیٹھتے ہیں بعد کو افسوس کرتے اور طرح طرح کے حیلہ سے یہ فتویٰ لینا چاہتے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہو۔ ایک عذر اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ غصہ میں طلاق دی تھی۔ مفتی کو چاہیے یہ امر ملحوظ رکھے کہ مطلقاً غصہ کا اعتبار نہیں۔ معمولی غصہ میں طلاق ہو جاتی ہے۔ وہ صورت کہ عقل غصہ سے جاتی رہے بہت نادر ہے، لہٰذا جب تک اس کا ثبوت نہ ہو محض سائل کے کہہ دینے پر اعتماد نہ کرے"۔[2]

اس طرح ایسے موقع پر کوئی جاہل یہ کہے گا کہ حمل میں طلاق نہیں ہوتی، کوئی کہے گا جب تک عورت نہ سنے طلاق نہیں ہوتی یا جب تک عورت طلاق والے پیپر نہ لے طلاق نہیں ہوتی۔ پھر بعض لوگ وہ ہیں جو شوہر کے بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد یہ مشورہ دیتے نظر آتے ہیں کہ شوہر اگر دو مہینے کے روزے رکھ لے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو بیوی اُس پر حلال ہو جائے گی جبکہ شریعتِ مطہرہ میں تین طلاقیں دینے کے بعد اگر شوہر اُسی بیوی کے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو اب حلالہ کہ مکروہ عمل کے علاوہ اور کوئی دوسرا طریقہ نہیں۔ یہ دو مہینوں کے روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم ظِہار کا ہے (یہ طلاق سے جداگانہ مسئلہ) نہ کہ طلاق کا، الغرض ہر کوئی اپنی جہالت بکتا ہے اور بظاہر ہمدردی کر رہا ہوتا ہے لیکن حقیقتاً ایسا شخص کسی دوسرے کی خاطر اپنی آخرت خراب کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق ارشادِ نبوی ﷺ ہے:
"لوگوں میں سب سے بڑا بدبخت وہ شخص ہے جو غیر کی دنیا کے لیے اپنی آخرت خراب کرے"۔[3]

یہ بات یاد رکھیں! اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ احادیث میں آقا کریم ﷺ نے اس

---

1 (فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، ج12، ص383، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
2 (بہارِ شریعت، حصہ8، ص113، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
3 (شعب الایمان، باب فی اخلاص العمل، ج5، ص316، حدیث 6938، دار الاشاعت، کراچی)

متعلق شدید غصہ کا اظہار فرمایا [1]، لیکن اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ اب صبر و استقامت کے ساتھ اپنے اس فیصلے کا سامنا کرے، نہ حلالہ کا مکروہ حیلہ اختیار کرے اور نہ وہابی حضرات سے خلافِ شرع (غلط) فتویٰ لے کر ساری زندگی زنا کا ارتکاب کرتا رہے۔ ایسا کرنے والا شخص اپنی دنیا و آخرت خراب کرنے والا ہو گا۔ جس کی رسول ﷺ نے پہلے ہی پیشن گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

"لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا شوہر بیوی کو طلاق دے گا پھر اس طلاق کے متعلق جھگڑا کرے گا (کہ میں نے طلاق نہیں دی) بعد میں اسی عورت کے ساتھ صحبت (ہمبستری) کرے گا اور یہ دونوں زنا کریں گے"۔ [2]

جمہور اہلِ سنت کے نزدیک اکٹھی دی گئی تینوں طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ چاروں آئمہ کرام (امام اعظم امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم) اور قدیم و جدید جمہور علماء وفقہائے کرام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں نافذ ہو جاتی ہیں، اس پر پوری امت کا اجماع ہے [3]۔ یہ کثیر احادیث سے ثابت ہے۔ ذیل میں دو احادیث ملاحظہ ہوں:

☆حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں دیں، ان تینوں کو حضور نبی کریم ﷺ نے جائز رکھا (یعنی انہیں نافذ کر دیا)۔ [4]

☆حضرت سہل بیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے ہیں "عویمر نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک ساتھ تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں نافذ فرمادیا"۔ [5]

حدیث کی معتبر کتاب صحیح البخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب کا نام ہی باب من

---

1 (نسائی، کتاب الطلاق، ج 2، ص 532، حدیث 3347، ضیاء القران پبلی کیشنز، لاھور)
2 (مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب ثانی فی امارات، ج7، ص 624، دار الفکر بیروت)
3 (مقالات قاسمی، ص 28، ج 2، رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز، سر گودھا)
4 (سنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب من طلق ثلاثاً، ج 1، ص 627، حدیث 2013، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)
5 (سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، ج 2، ص 95، حدیث 1917، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

جاز الطلاق الثالث رکھا ہے جس کا معنی ہے (تین طلاقوں کے جائز ہونے کا باب)۔ اسی طرح صحاح ستہ میں سے ابن ماجہ شریف میں بھی اس کے متعلق ایک مکمل باب موجود ہے جس کا نام ہے من طلق ثلاثاً فی مجلس واحد (یعنی ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے کا باب)۔ یہ عنوان صاف بتا رہا ہے کہ ان احادیث میں اکٹھی تین طلاقوں کی بات ہو رہی ہے اور یہاں کسی ہیرا پھیری کی گنجائش نہیں۔ **سنن ابو داؤد** میں ہے: "ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے اس شخص پر غصہ کا اظہار فرمایا اور کہا: "تم لوگ کام خراب کرنے کے بعد میرے پاس آجاتے ہو، میرے پاس اس کا کوئی حل نہیں۔ تیری بیوی تم سے جدا ہو چکی ہے"۔[1]

اس قسم کی بے شمار احادیث ابن ابی شیبہ، دار قطنی، موطا امام مالک وغیرہ میں موجود ہیں، جن میں حضرت ابن مسعود، ابو ہریرہ، عائشہ صدیقہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا یہی فتویٰ بیان ہوا ہے۔[2]

لہٰذا کسی سنی کے لیے جائز نہیں کہ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے تین طلاقیں دینے کے بعد کسی وہابی مولوی سے فتویٰ لے کر حرام کا ارتکاب کرے اور کل قیامت والے دن اپنے رب تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہو کہ اس کا شمار زانیوں میں ہو۔ خاندان و دیگر دوست احباب کو بھی چاہیئے کہ تین طلاقوں کے بعد میاں بیوی کو اکٹھا رہنے سے روکیں نہ کہ ان کے ہمدرد بن کر خود گناہ گار ہوں۔ اور ان کے فائدے کے لیے اپنی آخرت خراب کر لیں۔

☆ ایک مسئلہ مزید یہ یاد رہے کہ بیوی کو اگر معلوم ہے کہ شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں لیکن شوہر شرمندگی سے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے اس کا انکار کرتا ہے، تو بیوی ہر گز اس کے ساتھ نہ رہے، جس طرح بھی ہو سکے اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔

☆ اس مسئلہ کی مزید تفصیل علمائے اہلِ سنت کی کتب میں ملاحظہ کیجیے۔

☆ طلاق سے متعلق چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ بھی درپیش آئے، تو چاہیئے کہ فوراً کسی صحیح العقیدہ

---

1 (سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعته...، ج2، ص77، حدیث 1878، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاهور)

2 (ماخوذ مقالاتِ قاسمی، ج2، ص219، رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز، سرگودھا)

سنی عالم دین کی طرف رجوع کریں۔ ہوسکے تو دارالافتاء اہلِ سنت دعوتِ اسلامی کی پاکستان بھر میں کسی بھی برانچ میں موجود مفتیانِ کرام کے پاس اپنے دینی مسائل کے حل کے لیے تشریف لے جائیں اور رہنمائی کے ساتھ (printed) فتاویٰ حاصل کریں۔

طلاق دینے کا احسن طریقہ :

اگر میاں بیوی کا ایک ساتھ رہنا ممکن نہ رہے اور طلاق کی نوبت آجائے تو چاہیئے کہ بیوی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق طلاق دے تاکہ میاں بیوی کو اپنے فیصلے پر سوچ وبچار کرنے کا وقت بھی ملے اور وہ دوبارہ اگر چاہیں تو رجوع بھی کر سکیں۔
اسلامی تعلیمات کے مطابق احسن طریقہ یہ ہے کہ : "عورت کی پاکی کے اُن ایام میں، جن میں صحبت (ہمبستری) نہ کی ہو، صرف ایک طلاق دی جائے اور عورت کو چھوڑ دیا جائے اور عدت کے پورے زمانے میں (جو تقریباً تین ماہ یعنی تین حیض) کا ہے، دوبارہ طلاق نہ دی جائے۔ اس عدت کے تین ماہ میں شوہر چاہے تو رجوع کر سکتا ہے، اس میں نہ حلالے کی ضرورت ہے نہ تجدیدِ نکاح کی۔ اور اگر صلح نہ ہوئی یہاں تک کے عدت گزر گئی تو یہی طلاق، طلاق بائنہ ہو جائے گی اور عورت نکاح سے نکل جائے گی۔ عورت اب جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اور دوبارہ پہلے شوہر سے بھی نکاح کر سکتی ہے اور کسی حلالہ کی بھی ضرورت نہیں۔ یہی حکم دوسری طلاق دینے کے بعد ہے۔ لیکن اگر اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی، اب بغیر حلالہ کے واپس نہ آسکے گی"۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے : فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یُبَیِّنُهَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ [1]
ترجمہ کنزالعرفان: "پھر اگر شوہر بیوی کو (تیسری) طلاق دیدے تو اب وہ عورت اس کیلئے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے، پھر وہ دوسرا شوہر اگر اسے طلاق دیدے تو

---

1 (البقرۃ، آیت230)

ان دونوں پر ایک دوسرے کی طرف لوٹ آنے میں کچھ گناہ نہیں اگر وہ یہ سمجھیں کہ (اب) اللہ کی حدوں کو قائم رکھ لیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں وہ دانش مندوں کے لئے بیان کرتا ہے"۔

حلالہ کیا ہے :

حلالہ یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں اکٹھی یا مختلف اوقات میں دے، تو اب اگر یہ میاں بیوی دوبارہ اکٹھے رہنا چاہتے ہیں تو ان کے پاس حلالہ کے مکروہ طریقہ کے علاوہ اور کوئی رستہ نہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت اولاً عدت گذارے پھر دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور وہ اِس کے ساتھ صحبت (جماع) کرے، اس کے بعد وہ دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے پھر یہ عورت عدت گزارے، اس کے بعد اس عورت کے لیے پہلے شوہر سے نکاح کرنا جائز ہو گا، ورنہ نہیں۔ حلالہ کا مکروہ طریقہ ایک قسم کی سزا و آزمائش ہے اس لیے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے والا شخص شرعی طریقے سے طلاق دینے کے بجائے احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

نوٹ : یہاں یہ بات یاد رہے کہ " مشروط حلالہ " یعنی عورت کا نکاح سے قبل ہی دوسرے مرد کے ساتھ یہ طے کر لینا کہ بعد از دخول (صحبت) وہ دوسرا شوہر اسے طلاق دے گا تا کہ وہ پہلے شوہر کی طرف لوٹ سکے، یہ (مشروط حلالہ) ناجائز و گناہ ہے اور آقا کریم ﷺ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ مشروط حلالہ اگرچہ مکروہ تحریمی (ناجائز و گناہ) ہے لیکن اس سے بھی عورت کا پہلے شوہر سے نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

والدین کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو شادی سے قبل طلاق وغیرہ کے مسائل سکھائیں تاکہ مستقبل میں اس قسم کی تکلیف دہ صورتحال کا سامنا نہ ہو۔

☆☆☆

☆ ابحاثِ طلاق ماخوذ : (تبیان القران ،ج1/ رسم و رواج کی شرعی حیثیت / طلاق کے آسان مسائل /خوشحال گھرانہ کیسے ہو/مقالات قاسمی ج 2)

فوتگی کی رسومات کے متعلق اصلاح
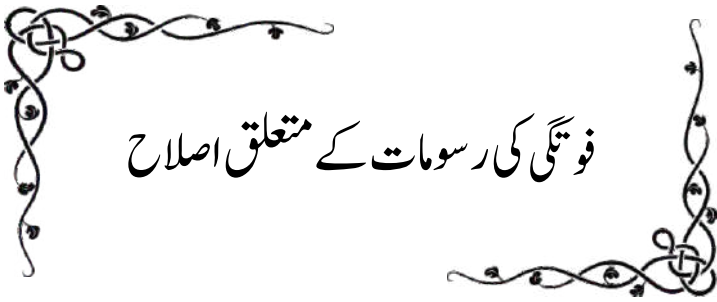
فوتگی کی رسومات

فوتگی سے متعلق ہمارے معاشرے میں کچھ غلط رسومات رائج ہیں، جنہیں عوام جائز سمجھ کر کرتے ہیں یا اس کے متعلق افراط و تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی اصلاح سے متعلق لکھتے ہیں۔

میت کی تدفین میں دیر کرنا اور میت کو فریز میں رکھنا:

ہمارے یہاں رائج ہے کہ جب کوئی شخص وفات پا جائے تو جب تک اس کا سارا خاندان اکٹھا نہ ہو جائے جنازہ میں تاخیر کی جاتی ہے، یہاں تک کے اگر کسی نے باہر کے ملک سے آنا ہو تو میت کو فریز کروا دیا جاتا ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ مرنے والے کے کفن و دفن میں جلدی کرنی چاہیئے اگر کسی نے بہت دور سے آنا ہو تو اس کے لیے کئی گھنٹے یا دن میت کو رکھ چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ اسی طرح میت کو سرد خانے میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ تفصیل اس میں یہ ہے کہ جس چیز سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مردہ کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اور جس طرح زندہ کو بلاوجہ شرعی تکلیف دینا جائز نہیں ہے اسی طرح مردہ کو بھی بلاوجہ شرعی تکلیف دینا جائز نہیں ہے، اور سرد خانے میں اگر زندہ کو تھوڑی دیر کے لیے رکھا جائے تو اسے بھی سخت تکلیف ہوتی ہے کہ وہاں (minus temprature) میں ہوتا ہے ، لہٰذا اس سے میت کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اور کسی قریبی کو میت کا چہرہ دکھانا وغیرہ ایسے اعذار نہیں کہ جن کے لیے میت کو تکلیف دینا جائز ہو سکے۔[1][2]

اس سے متعلق احادیث نبوی ﷺ ملاحظہ ہوں:

(1) چنانچہ حضورِ اکرم نور مجسم صاحب لولاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

1 (ماخوذ مختصر فتاویٰ اھلسنت، ص78، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص269، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

"جنازہ جلدی لے کر جاؤ، اگر وہ نیک ہے تو اسے اچھے کی طرف لے چلو گے اور اگر برا ہے تو اسے گردن سے اتار دو گے"۔ (1)

(2) ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کرو، نماز جب کہ اس کا وقت ہو جائے، جنازہ جب حاضر ہو، اور بیوہ عورت جب اس کے لیے کفو (مناسب رشتہ) مل جائے"۔ (2)

(3) اور آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میت کی ہڈی توڑنا زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کی مثل ہے"۔ (3) (اسی طرح میت کو فریزر میں رکھ دینا زندہ آدمی کو فریزر میں رکھ دینے کی مثل ہے)

☆ اسی طرح علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیرونِ ملک انتقال کر جائے تو اُس کے لاشے کو فریز کر کے اپنے ملک منگوانے کے بجائے اُسے وہیں دفن کر دیا جائے اور یہاں سے ایصالِ ثواب و دعائے مغفرت کا اہتمام کیا جائے۔

عورت کے جنازے کو غیر محرم اور شوہر کا کندھا دینا:

جنازے کو کندھا دینا باعثِ اجر و ثواب کام ہے، جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا اس کا کچھ فرق نہیں۔ لہٰذا غیر محرم عورت کے جنازے کو بھی کندھا دیا جا سکتا ہے۔ البتہ قبر میں اتارنے والے محارم ہونے چاہئیں۔ یہ نہ ہوں تو دیگر رشتہ دار تدفین کریں۔ اور یہ بھی نہ ہوں تو پرہیز گار مسلمان قبر میں اتاریں۔ نیز عورت کے جنازے میں مزید یہ احتیاط بھی کی جائے کہ اس کے جنازے کی چارپائی کسی کپڑے سے چُھپی ہوئی ہو اور سلیپ یا تختوں سے قبر بند ہونے تک اس کی قبر کو کسی چادر سے ڈھانپ کر رکھیں۔ (4)

بہارِ شریعت میں ہے: " عورت مر جائے تو شوہر نہ اُسے نہلا سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے اور دیکھنے کی ممانعت نہیں (یعنی شوہر بیوی کا چہرہ دیکھ سکتا ہے) "، اور عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ شوہر

---

1 (ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الاسراع، ج1، ص522، حدیث 1002، فرید بک سٹال، لاھور)

2 (ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی تعجیل الجنازہ، ج1، ص551، حدیث 1065، فرید بک سٹال، لاھور)

3 (سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی الحفار یجد، ج2، ص498، حدیث 2792، ضیاء القران پبلی کیشنز، لاھور)

4 (مختصر فتاویٰ اہلسنت، ص83، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

عورت کے جنازہ کو نہ کندھا دے سکتا ہے نہ قبر میں اتار سکتا ہے نہ منہ دیکھ سکتا ہے، یہ محض غلط ہے صرف نہلانے اور اسکے بدن کو بلا حائل ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے"۔[1]

قبر کا پختہ کرنا، قبر پر نام کی تختی لگانا :

عام مسلمانوں کی قبر کو پختہ کرنا مناسب نہیں۔ ہاں! تعظیم کے لیے اولیاء و علماء کرام کی قبور کو پختہ کرنا جائز ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں عظمت و احترام قائم ہو اور لوگ ان کی تعلیمات کی طرف رجوع کریں۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: "الاحکام" میں "جامع الفتاویٰ" سے منقول ہے: کہا گیا ہے کہ مشائخ، علماء اور ساداتِ کرام کی قبور کو اوپر سے پختہ کرنا مکروہ نہیں ہے"۔

☆اسی طرح اگر قبر کی مٹی نرم یا ریت والی ہو، جس میں قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو قبر کے اندر اینٹوں کے ذریعے چنائی کر کے اُس میں تدفین کی جا سکتی ہے۔ علماء نے قبر میں پکی اینٹیں (جو بھٹی میں بنائی جاتی ہیں) اور لکڑی لگانے کو مکروہ لکھا ہے، لیکن اگر زمین نرم ہو تو قبر کے اندر اینٹ اور لکڑی کا استعمال بھی جائز ہے۔

☆ صرف ضرورت کے لیے یا شناخت و علامت کے طور پر قبر پر نام کی تختی لگانے میں حرج نہیں ہے تاکہ قبر کے آثار باقی رہیں اور اس کی اہانت نہ ہو۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیات یا اشعار لکھنا یا مبالغہ آرائی پر مبنی تحریر لکھنا مکروہ ہے۔[2]

قبر پر چراغ اور اگر بتی جلانا :

دفنانے کے بعد قبر پر کئی لوگ اگر بتیاں لگا کر واپس آجاتے ہیں یہ اسراف (پیسے کا ضائع کرنا) ہے۔ اسی طرح جب قبر کی زیارت کو جاتے ہیں تو قبر پر موم بتی اور اگر بتی جلائی جاتی ہے۔ یہ بھی درست نہیں۔ اگر قبر پر تلاوت قرآن کرنی ہو اور خوشبو حاصل

---

1 (بہارِ شریعت، حصہ4، ص813، مکتبۃ المدینہ، کراچی

2 (تفہیم المسائل، ج7، ص114-118، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاهور/ ردالمختار علی الدر المختار، ج3، ص132-135)

کرنے کے لیے اگر بتی لگائی جائے تو قبر سے ہٹ کر لگائی جائے۔ عین قبر کے اوپر اگر بتی یا موم بتی جلانا منع ہے۔[1]

ہاں اولیاء اللہ کے مزارات پر اِن کی عظمت کے اظہار کے لیے مزار کے پاس چراغ جلانا جائز ہے تا کہ لوگوں کے دل ان کی طرف متوجہ ہوں اور لوگ ان کی تعلیمات کی طرف رجوع کریں۔ لیکن موجودہ دور میں بجلی ہونے کے باوجود عرس وغیرہ پر بہت زیادہ چراغاں کیا جاتا ہے۔ جس میں ہزاروں کے حساب سے چراغ اور موم بتیاں جلائی جاتی ہیں، یہ اسراف (پیسوں کا ضائع کرنا ہے) اور ناجائز ہے۔[2]

ایصالِ ثواب :

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں :

" ایصال ثواب یعنی قرآن مجید یا درود شریف یا کلمہ طیبہ یا کسی نیک عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانا جائز ہے۔ عبادتِ مالیہ یا بدنیہ فرض و نفل سب کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جاسکتا ہے، زندوں کے ایصال ثواب سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کتب فقہ وعقائد میں اس کی تصریح مذکور ہے، ہدایہ اور شرح عقائد نسفی میں اس کا بیان موجود ہے اس کو بدعت کہنا ہٹ دھرمی ہے "۔[3]

☆ ایصالِ ثواب کے لیے کوئی دن مخصوص کرنا مثلاً قل شریف کا ختم دلانا، جمعرات یا چالیسویں کا ختم، سالانہ ختم شریف (عرس)، محرم میں اہلِ بیت اطہار کے ایصالِ ثواب کے لیے کھلانا پلانا، رجب میں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے ایصالِ ثواب کے لیے ختم دلانا (جو کونڈوں کے نام سے مشہور ہے)۔ اسی طرح ہر اسلامی ماہ کی گیارھویں کو حضور غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایصالِ ثواب کے لیے ختم دلانا، یہ تمام ایصالِ ثواب کے طریقے جائز و مستحب ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی غیر شرعی چیز (خرافات) نہ ہوں۔[4]

---

1 (رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ص306، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

2 (ماخوذ بہارِ طریقت، ص361، مکتبہ امام اہلسنت، لاہور/مزارات اولیاء اور توسل)

3 (بہارِ شریعت، حصہ16، ص642، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

4 (ماخوذ بہارِ شریعت، حصہ16، ص643، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ایصالِ ثواب پر روایات :

کتب احادیث میں ایصالِ ثواب پر کثیر روایات موجود ہیں۔ ذیل میں تین روایات ملاحظہ کیجیے:

(1) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ "ایک آدمی نبی ﷺ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوا کہ میری والدہ ماجدہ اچانک فوت ہو گئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ گفتگو کرتیں تو صدقہ دیتیں۔ اگر میں اُن کی طرف سے خیرات کروں تو کیا اُنہیں ثواب ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا : "ہاں"۔[1]

(2) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:"انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ سعد کی والدہ فوت ہو چکی ہیں تو کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "پانی پلانا" راوی کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور فرمایا: یہ سعد کی ماں کے لیے ہے (یعنی اس کا ثواب سعد کی ماں کے لیے ہے) "۔[2]

(3) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "بیشک نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ (ایصالِ ثواب کے لیے) اپنے والدین کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزوں کے ساتھ (ایصالِ ثواب کے لیے) والدین کے لیے بھی روزے رکھو"۔[3]

میت والے گھر سے کھانا :

جس گھر میں کسی شخص کی موت ہو گئی ہو اس گھر کے لوگ غم دہ اور رنجیدہ ہوتے ہیں اس وقت ان کے لئے خود کھانا پکانا ایک تو ناگوار خاطر ہوتا ہے جب حزن و ملال بڑھا ہوا ہو تو اس کو پکانا تو کیا کھانا بھی اچھا نہیں لگتا ، دوسرا میت کی تجہیز و تکفین کے مسائل بھی درپیش ہوتے ہیں، اس لئے اس بات کو مستحب (باعثِ ثواب) قرار دیا گیا ہے کہ اس کے پڑوسی، رشتے دار وغیرہ ان لوگوں کے کھانے کا انتظام کریں۔

---

1 (صحیح البخاری، کتاب الجنائز ،باب موت الفجاۃ البغۃ، ج1،ص589،حدیث 1388،فرید بک سٹال،لاھور)

2 (سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ،باب فی فضل سقی الماء، ج1،ص613،حدیث 1431،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاھور)

3 (صحیح مسلم ،باب فی الاسناد، ج1، ص 38 ،فرید بک سٹال،لاھور)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اطلاع کے موقع پر لوگوں کو ہدایت دی تھی کہ "حضرت جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا بنایا جائے کیونکہ انہیں ایک آنے والے حادثے نے (کھانے پکانے سے) روک رکھا ہے"۔ (1)

اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے غم زدہ لوگوں کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو ایک دن و رات ان کے لئے کھانا بنانا مستحب ہے۔ (ردالمحتار)

اس کے برخلاف مرنے والے کے اہل خانہ پر آنے والوں کے لئے کھانا بنانے کی رسم مکروہ اور بدعتِ سیئہ (بری بدعت) ہے، کیونکہ یہ منشاء شریعت کے بالکل برعکس عمل ہے، شریعت چاہتی ہے کہ غم زدہ لوگوں کی دلداری ہو، لیکن اس عمل کے نتیجہ میں ان پر ایک طرح کا بوجھ پڑ جاتا ہے اور اکثر اوقات تو اہلِ میت لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کے لیے قرض کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں، جو کسی طرح مناسب نہیں، اسی لئے فقہاء نے اس کے مکروہ اور قبیح ہونے کی صراحت کی ہے، شریعت نے ضیافت کا اہتمام کرنا خوشی میں رکھا ہے نہ کہ غمی میں۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر فتاویٰ رضویہ کی نویں جلد میں ایک رسالہ بنام "کسی کی موت پر دعوت کی ممانعت کا واضح اعلان" تحریر فرمایا اور اِس کو بدتِ سیئہ قرار دیا۔ اہلِ میت کی طرف پہلے دن کھانے کی ممانعت صرف علماء یا فقہاء کا نظریہ نہیں بلکہ خیر القرون یعنی صحابہ کے زمانے میں خود صحابہ بھی اس کو برا جانتے تھے۔ (2)

فوتگی پر پکایا جانے والا کھانا تین قسم کا ہے۔

ایک وہ کہ ایامِ موت میں لوگ بطورِ دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز و ممنوع ہے (جیسے پیچھے گزرا)، کہ شریعت نے دعوت خوشی کے موقع پر رکھی ہے، غمی میں نہیں۔ اغنیاء (امیر) کو اس کا کھانا جائز نہیں، ہاں فقیر کھا سکتا ہے۔ **دوسری** قسم وہ کہ میت کو ایصالِ ثواب کے لیے بہ نیت تصدق (صدقہ) کیا جاتا ہے، یہ کھانا بھی فقراء کے لیے لینا جائز ہے، جبکہ اغنیاء (امیر) کو منع ہے۔ **تیسرا** وہ کھانا ہے کہ جو میت اور دیگر ارواحِ طیبہ حضراتِ انبیاء و الیاء کے ایصالِ ثواب کے

1 (ترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الطعام، ص515، ج1، حدیث985، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی النہی، ج1، ص502، حدیث1600، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

لیے صدقہ نافلہ کی غرض سے ہو نہ کہ صدقہ واجبہ سے۔ یہ کھانا امیر غریب سب کے لیے جائز ہے۔ اسی طرح قل شریف کے ختم پر یا اسکے بعد چالیسویں وغیرہ کے ختم شریف پر جو میت کے ایصال ثواب کے لیے کھانا وغیرہ پکایا جاتا ہے وہ فقیر و غنی دونوں کے لیے لینا جائز ہے"۔[1]

☆ بعض خاندانوں میں یہ بری رسم رائج ہے کہ فوتگی پر لازمی طور پر بہو کے والدین کھانا پکا کر لائیں یا کوئی مخصوص رشتہ دار اس کا اہتمام کرے اور اگر اس بری رسم کی اتباع میں کھانا نہ کھلائیں تو اُن کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے یہ ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ یہ کھانا کھلانا کسی پر فرض و واجب نہیں بلکہ مستحب عمل ہے، ہاں کوئی رشتے دار خود اہلِ میت کے لیے کھانا لانا چاہے تو حرج نہیں جیسے اوپر بیان ہوا۔

☆ نوٹ : یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ فوتگی و ختم شریف وغیرہ پر کھانا کھلانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کھلانے پر جو ثواب حاصل ہو اُسے مرحومین کو ایصال کر کے (یعنی بخش کر)، رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کے لیے بلندی دَرجات کی دعا کی جائے، یہ ایک مستحب (باعثِ ثواب) عمل ہے، لیکن فرض و واجب نہیں، اس لیے اگر کوئی ایصالِ ثواب کے لیے کھانے کا انتظام نہیں کرتا تو اُس کے متعلق طعنہ زنی کرنا اور اُسے لوگوں میں ذلیل کرنا، ناجائز و حرام ہے۔

☆ اسی طرح ایصالِ ثواب کے علاوہ کھانا کھلانے سے متعلق جتنی باتیں اور قیدیں عوام میں مشہور ہیں مثلاً یہ کہ چالیس دن تک میت کے لیے کسی فقیر کو کھانا کھلانا لازم ہے یا جس گھر سے میت اٹھائی جائے وہ میت کی طرف سے کھانا کھلائے یا یہ کہ مرحومین کی ارواح کھانا لینے گھر آتی ہیں یہ تمام باتیں لغو و بے بنیاد ہیں۔

---

1 (ماخوذ فتاویٰ رضویہ، ج9، ص614، 672، رضا فاؤنڈیشن، لاہور / فتاویٰ فقیہ ملت، ج1، ص 284، شبیر برادرز)

کسی کی وفات پر سوگ :

سوگ کے معنی رنج و غم کے ہیں۔ کسی کی وفات پر رنج و غم کا اظہار کرنا سوگ کہلاتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں کسی شخص کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں، البتہ شوہر کی وفات پر زوجہ کا سوگ عدت (چار ماہ دس دن) تک ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے :

"زینب بنتِ ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی کریم ﷺ کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے تو حضرت ام حبیبہ نے پیلے رنگ کی ایک خوشبو منگائی اور ایک باندی نے وہ خوشبو ان کے رخساروں پر لگائی۔ پھر انہوں نے کہا قسم بخدا: مجھے اس خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر رونق افروز ہو کر فرمایا: جو عورت اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ خاوند کی موت پر چار ماہ دس دن سوگ ہے"۔[1]

تین دن میں کیا کرنا ہے کیا نہیں، اس متعلق عجیب و غریب باتیں مشہور ہوتی ہیں۔ جیسے گھر میں جھاڑوں نہیں لگانا، برتن نہیں دھونے، گوشت نہیں پکانا وغیرہ۔ شرعاً ان باتوں کی کچھ اصل نہیں۔ میت کے گھر والوں کے لیے ضرورتاً ان کاموں کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آج کل جس کے گھر میں مرگ ہوئی ہو اس میں سوگ کسی نہ کسی صورت میں سارا سال جاری رہتا ہے۔ اس سال گھر والے عید پر نئے کپڑے نہیں پہنتے، بلکہ بعض جاہل تو بڑی عید میں قربانی بھی نہیں کرتے اگرچہ ان پر واجب ہو، اگر کوئی عورت سونا چاندی یا زینت اختیار کرے تو اس پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ ایک یہ رواج زور پکڑ گیا ہے کہ پہلی عید کے موقع پر رشتے دار آ کر اہل میت سے سوگ کا اظہار کرتے اور گھر والوں کا غم تازہ کرتے ہیں، خواہ وفات کو کتنے ہی ماہ گزر گئے ہوں۔ یہ درست نہیں، یہ سب غیر شرعی حرکات ہیں۔ لہٰذا احسن نیت سے نئے کپڑے پہننا اور عید کی جائز خوشیاں منانا درست ہے۔ لوگوں کو یہ شرعی مسئلہ سمجھایا جائے۔

---

1 (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد، ج 2، ص 293، حدیث 3709، فرید بک سٹال، لاھور)

البتہ اگر جہالت کثیر ہو اور لوگ اس کی وجہ سے طعنہ زنی کریں گے تو لوگوں کی باتوں سے بچنے کے لیے نئے کپڑے نہ پہننا درست ہے، جبکہ سوگ کی نیت نہ ہو۔[1]

امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"شریعت نے عورت کو شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن سوگ کا حکم دیا ہے اوروں کی موت کے تیسرے دن تک اجازت دی ہے باقی حرام ہے۔ اور ہر سال سوگ کی تجدید تو کسی کے لیے حلال نہیں"۔[2]

زوجہ کی عدت سے متعلق وضاحت :

شوہر کے مرنے کے بعد عورت جتنی دیر میں سوگ کرتی ہے اسے عدت کہا جاتا ہے۔ اگر عورت کا شوہر مر گیا ہو اور عورت حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ اور اگر شوہر مر جائے اور اسکی موت کے وقت عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے۔[3]

عدت کے دوران زوجہ سوگ کرے گی یعنی زینت اختیار نہیں کرے گی جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث پاک میں ہے: "حضرت اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:" ہمیں سوگ میں سرما، خوشبو لگانے اور رنگین کپڑے (یعنی زیادہ زینت والے سجے کپڑے) پہننے سے منع کیا گیا"۔[4]

عورت کی عدت سے متعلق من گھڑت باتیں :

زوجہ کی عدت کے متعلق بھی بہت غلط باتیں مشہور ہیں۔ کئی لوگ کہتے ہیں بوڑھی کی عدت نہیں ہوتی، کوئی کہتا ہے اگر جنازہ کے ساتھ باہر تک آ جائے تو عدت نہیں، یہ سب غلط ہے اور اس طرح شرعی مسائل میں اپنی عقلیں لڑانا حرام ہے۔ اسی طرح جب عدت ختم ہو تو اس وقت کوئی کہتا ہے کہ شوہر کی قبر پر جائے، کوئی کہتا ہے دور سفر کے لیے شوہر سے قبر پر جا کر اجازت طلب

---

1 (ماخوذ فتاویٰ دار الافتاء دعوتِ اسلامی / رسم و رواج کی شرعی حیثیت)

2 (فتاویٰ رضویہ، ج24، ص495، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

3 (البقرۃ، آیت234/ الطلاق، آیت4)

4 (صحیح البخاری، کتاب الحیض، باب الطیب للمراۃ، ج1، ص222، حدیث313، فرید بک سٹال، لاھور)

کرے، کوئی کہتا ہے عدت ختم ہونے پر مٹھائی تقسیم کرے، اور اپنے والدین یا بھائی کے گھر رات گزارے۔ اسی طرح اور کئی غلط رسمیں رائج ہیں۔ شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں۔ عدت ختم ہونے کے بعد عورت کے لیے کوئی خاص کام کرنا ضروری نہیں۔[1]

عدت والی عورت کا گھر سے باہر جانا :

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا :" دورانِ عدت عورت کو بلا ضرورتِ شرعیہ گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ ہاں جس عورت کے پاس کھانے، پہننے کو نہیں اور ان کے حاصل کرنے کے لیے اس کا گھر سے باہر نکلنا ضروری ہے، تو اس عورت کو صبح وشام نکلنے کی اجازت ہے، ہاں عورت رات اپنے گھر ہی میں گزارے گی"۔ اور آگے لکھتے ہیں:

" موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اور رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں ہی رہے کیونکہ اس نے اپنا خرچہ خود پورا کرنا ہے اس لئے وہ باہر نکلنے کی محتاج ہے حتیٰ کہ اگر اپنی کفایت اور ضرورت کے لئے اس کے پاس نفقہ ہو تو یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر نکلنا حلال نہیں ہے، (درمختار) (میں کہتا ہوں) یونہی اگر وہ گھر میں رہ کر کوئی محنت کرکے اپنا خرچہ بنا سکتی ہے تو نکلنا حلال نہ ہوگا کیونکہ اس کا باہر نکلنا ضرورت کی بناء پر جائز ہوا ہے اور جب ضرورت نہیں تو جواز بھی نہیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے "[2] (طلاق کی عدت والی عورت کا بھی یہی حکم ہے)۔

عدت کے دوران عورت اگر بیمار ہو جائے اور ڈاکٹر کو گھر بلا کر چیک کرانا ممکن ہو تو باہر لے جانا جائز نہیں۔ ہاں ڈاکٹر گھر آکر چیک نہیں کرتا یا ضرورت ایسی ہے کہ گھر میں پوری نہیں ہو سکتی تو پردے کا خیال رکھتے ہوئے ڈاکٹر کو چیک کرانے کے لیے لے جانا جائز ہے کہ یہ نکلنا ضرورتِ شرعی کی بنا پر ہے۔[3]

---

1 (ماخوذ رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ص323، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاهور)

2 (ماخوذ فتاویٰ رضویہ، ج13، ص327، رضا فاؤنڈیشن، لاهور)

3 (مختصر فتاویٰ اهلسنت، ص146، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مزارات کے متعلق رسم ورواج کی اصلاح
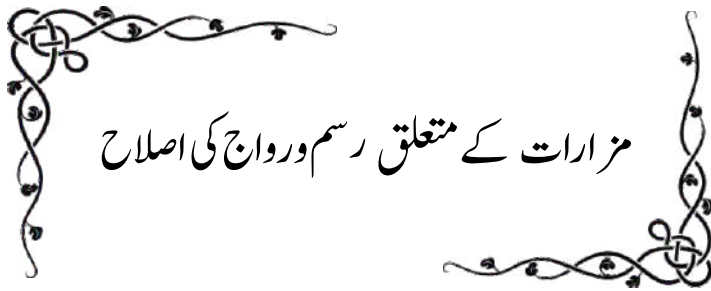
مزارات کے متعلق رسم ورواج
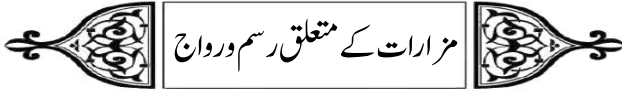
حاضری مزاراتِ اولیاء :

اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینا باعثِ برکت وسعادت ہے۔
اولیاء اللہ کے مزارات سے برکتیں حاصل کرنا اسلاف (بزرگانِ دین) کا طریقہ رہا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ عزوجل کی رحمتوں کے نزول کی جگہ ہے۔ مزرات پر جانا نہ صرف سنتِ صحابہ وصالحین ہے بلکہ سرکار ﷺ بھی اپنے صحابہ کے ساتھ قبور پر تشریف لے جاتے تھے۔

مصنف عبد الرزاق میں ہے : "نبی کریم ﷺ ہر سال شہداء کی قبور پر تشریف لاتے تو انہیں یوں سلام کرتے تھے "سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ توپچھلا گھر (جنت) کیا خوب ملا" ۔اور ابو بکر صدیق، عمرِ فاروق اور عثمانِ غنی بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے"۔[1]

اور ابو داؤد شریف کی حدیث پاک میں ہے، آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :"تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہیں"۔ [2]

اسی طرح اولیاء کے مزارات پر دعا مانگنا بزرگانِ دین سے ثابت ہے، امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر مبارک کی زیارت کرتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کے مزار پر جاتا ہوں اور بارگاہِ الٰہی عزوجل میں دعا کرتا ہوں تو (ولی اللہ کے قرب کی برکت سے) میری حاجت فوراً پوری ہو جاتی ہے "۔[3]

عرس :

جس اسلامی تاریخ کو کوئی ولی اللہ فوت ہوا ہو، اُس تاریخ کو اُن کا عرس کیا جاتا ہے، جو

---

1 (مصنف عبدالرزاق، کتاب الجنائز، باب فی زیارۃ القبور، ص823، ج2، حدیث 6712، شبیر برادرز، لاھور)
2 (سنن ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب فی زیارت القبور، ج2، ص507، حدیث 2816، ضیاء القران پبلی کیشنز، لاھور)
3 (الخیرات الحسان، ص149، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

کہ شرعاً جائز ہے جبکہ اس میں غیر شرعی حرکات نہ ہوں۔

موجودہ دور میں عرس کے موقع پر بے شمار غیر شرعی حرکات ہوتی ہیں۔ ناچ گانا، ڈھول بجانا، عجیب وغریب طریقے سے ہزاروں موم بتیاں مِّج میں ڈال کر آگ جلانا، مزامیر کا استعمال مردوں اور عورتوں کا اختلاط وغیرہ۔ ان تمام غیر شرعی حرکات کی شریعت بالکل اجازت نہیں دیتی۔ ہاں چاہیے کہ عرس کے موقع پر ان بزرگانِ دین کی دینی خدمات کو بیان کیا جائے اور ایصالِ ثواب (فاتحہ و قرآن خوانی) کا اہتمام کیا جائے۔

عرسوں پر جاہل عوام کی طرف سے غیر شرعی حرکات ہونے پر مزاراتِ اولیاء پر تنقید کرنا بے جا ہے۔ وہ مزارات جہاں زیادہ تر یہ غیر شرعی حرکات نظر آتی ہیں اُن مزارات کے انتظامی اُمور عموماً حکومتی اداروں کے زیرِ اہتمام ہیں، اس لیے مزارات کے متولیوں، اور حکومتی اداروں کو چاہیے کہ ان غیر شرعی حرکات کے تدارک کا مناسب بندوبست کریں تاکہ ان بابرکت مقامات کا تقدس بحال رہے۔ جو مزارات علماء اہلسنت کے تحت ہیں اُن میں آج بھی مکمل شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے سالانہ عرس منعقد ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ایسا عرس جس میں عورتوں مردوں کا اختلاط نہ ہو، شرکیہ امور اور فسق وفجور کا ارتکاب نہ ہو، کھیل تماشے اور رقص وسرور و موسیقی نہ ہو جائز ہے، کیونکہ محفلِ عرس کا مقصد تو ایصالِ ثواب، فاتحہ و قرآن خوانی ہے"۔

عرس کے موقع پر بعض جگہ قوالی بھی ہوتی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ مروّجہ قوالی ناجائز ہے۔ صوفیہ اور بزرگوں سے جو سماع منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ مروجہ سماع نہیں۔[1]

علامہ غلام رسول قاسمی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: "صوفیائے کرام نے جہاں سماع پر بحث فرمائی ہے، وہاں ان کی مراد یہی صوفیانہ کلام بغیر ساز کے ہے۔ انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ کلام پڑھنے والوں کا باشرع ہونا، کلام کا خلافِ شرع نہ ہونا، شیخ کا موجود ہونا، نماز کا وقت نہ ہونا اور عورتوں اور بچوں کا محفل میں شامل نہ ہونا سماع کی شرائط میں شامل ہے" (کشف المحجوب

---

1 (بہارِ طریقت، ص366، مکتبہ امام اہلسنت، لاہور/مزاراتِ اولیاء اور توسل، ص123-125، زاویہ پبلشرز، لاہور)

وغیرہ)۔ آگے لکھتے ہیں : ہم قادری اور نقشبندی قوالی کو جائز نہیں سمجھتے جب کہ بعض چشتی بزرگان علیہم الرحمۃ و الرضوان شروع میں ضرورتاً اس کے جواز کے قائل ہوئے اور اب ذوقاً جائز سمجھتے ہیں بشرطیکہ سماع والی مذکور بالا شرائط کو ملحوظ رکھا جائے (یعنی کلام پڑھنے والوں کا باشرع ہونا، کلام کا خلافِ شرع نہ ہونا، شیخ کا موجود ہونا، نماز کا وقت نہ ہونا اور عورتوں اور بچوں کا (قوالی کی) محفل میں شامل نہ ہونا)۔ باقی رہا ویگن بس یا ہوٹلوں وغیرہ پر قوالیاں لگانا تو اس کے ناجائز ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں اور ہمارے زمانے میں بعض چشتی بزرگ خود بھی قوالی ترک کر چکے ہیں"۔ (1)

آداب حاضری قبور :

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں : " مزار شریف پر حاضر ہونے میں پائنتی (پاؤں) کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے پر مواجہہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز بادب عرض کرے " السّلام علیک یا سیدی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ " پھر درود غوثیہ تین بار، الحمد شریف ایک بار، آیۃ الکرسی ایک بار، سورہ اخلاص سات بار، پھر درود غوثیہ سات بار، اور وقت فرصت دے تو سورہ یٰسٓ اور سورہ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے دعا کرے کہ الٰہی! اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے، نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اسے میری طرف سے اس بندہ مقبول کو نذر پہنچا، پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اس کے لیے دعا کرے اور صاحب مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے، پھر اس طرح سلام کرکے واپس آئے، مزار کو نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے اور طواف بالاتفاق ناجائز ہے اور سجدہ حرام "۔ (2)

مزار پر چادر ڈالنے، سجدہ و طواف کرنے، بوسہ دینے سے متعلق حکم شرعی :

☆ اولیاء کے مزارت پر چادر ڈالنا جائز ہے۔ کہ اس سے لوگوں کی نظر میں صاحبِ مزار کی عزت و توقیر پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں میں نیک اعمال کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ تعظیم

1 (مقالاتِ قاسمی، ج2، ص325، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

2 (فتاویٰ رضویہ، ج9، ص522، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

کے لیے خانہ کعبہ پر غلاف ڈالا جاتا ہے (ماخوذ ردالمختار) ہاں جب چادر موجود ہو اور وہ ہنوز پرانی یا خراب نہ ہوئی کہ بدلنے کی حاجت ہو تو نئی چادر فضول (اسراف) ہے۔ بلکہ جو پیسے اس کو خریدنے میں صرف کریں، وہ ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب کی نیت سے محتاج کو دیں[1]

☆مزار کا بطورِ تعظیم طواف کرنا جائز نہیں اور قبر کو چومنے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے اور اکثریت منع کرتی ہے لہٰذا قبر کو بوسہ دینے سے بچنا چاہیئے، اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔[2]

☆ کسی شخص، زندہ ولی یا مزار کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ مفتی محمد اجمل قادری رضوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ہماری شریعت میں سوائے خدا کے کسی کو سجدہ جائز نہیں۔ لہٰذا اب کسی صاحبِ مزار کے لیے بخیال عزت تحیۃً سجدہ (یعنی سجدہ تعظیمی) کیا جائے تو وہ ناجائز و حرام ہے۔ اگر بہ نیت عبادت سجدہ کیا جائے تو وہ کفر و شرک ہے۔ بالجملہ مزاراتِ بزرگانِ دین پر کسی نیت سے سجدہ کرنا جائز نہیں"۔[3]

عورتوں کا مزارات پر جانا: عورتوں کا مزاراتِ اولیاء پر جانا منع ہے۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مبارک ادوار میں اندیشہ فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا، اسی طرح علماء کرام نے فتنہ و فساد کے قوی اندیشہ کی وجہ سے عورتوں کے مزارات پر جانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ جیسا کہ معلوم و مشاہدہ ہے کہ خواتین عزیزوں کی قبور پر جا کر بے صبری کا اظہار (آہ و بکا) کرتی ہیں اور اولیاء اللہ کے مزار پر جہالت سے تعظیم میں اِفراط (یعنی حد سے بڑھتی ہیں)، ادب کا لحاظ نہیں رکھ پاتیں۔ اور مزارات پر مرد و عورتوں کے اختلاط کا بھی قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "عورتوں کا مزاراتِ اولیاء و مقابرِ عوام (عام قبرستانوں) دونوں پر جانا منع

---

1 (احکامِ شریعت، ص97، کتب خانہ امام احمد رضا، لاهور)

2 (فتاویٰ رضویہ، ج9، ص528، رضا فاؤنڈیشن، لاهور)

3 (فتاویٰ اجملیہ، ج4، ص117، شبیر برادرز، لاهور)

ہے"۔[1]۔۔۔مزید اس کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:"یہ نہ پوچھو کہ عورت کا مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے ،اللہ عزوجل کی طرف سے اور کس قدر صاحبِ قبر کی جانب سے۔ جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں"[2]

سوائے روضہ رسول ﷺ کے ، عورت کو کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں اور روضہ رسول ﷺ کی حاضری البتہ سنتِ جلیلہ عظیمہ قریب بواجبات ہے۔ کہ خود آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:" جو میرے مزار کریم (قبر اقدس) کی زیارت کو حاضر ہوا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی"[3]۔۔ لہٰذا عورت صرف روضہ رسول ﷺ پر حاضری دے سکتی ہے، اس کے علاوہ عورت کو کسی قبر پر جانے کی اجازت نہیں۔[4]

سبحان اللہ ! یہ ہیں امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ کی تعلیمات۔ لہٰذا جو لوگ مزارات پر ہونے والی خرافات کو آپ سے منسوب کر کے لوگوں کو بد ظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اُنہیں اس قبیح حرکت پر اللہ عزوجل کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔

☆ نوٹ : بعض علمائے اہلِ سنت نے عورتوں کا قیوداتِ شرعیہ کے ساتھ مزارات یا قبرستان جانے کو جائز کہا ہے. مفتی اکمل مدنی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:"اگر عورت محرم کے ساتھ ، باپردہ کسی ایسے مزار یا قبرستان جائے جہاں عورتوں مردوں کا اختلاط نہ ہو، راستہ پُر فتن نہ ہو، وہاں جان و مال کے چھن جانے کا اندیشہ نہ ہو تو عورت کا ان قیوداتِ شرعیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے یہاں (مزار یا قبرستان) جانا جائز ہے۔ اگرچہ عورت کے لیے افضل یہی ہے کہ گھر سے ایصالِ ثواب کرے۔ اگر عورت قیوداتِ شرعیہ کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے مزار یا قبرستان جائے تو یہ لعنت و گناہ والی صورت ہو گی۔

---

1 (احکامِ شریعت ،ص183، کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور)

2 (غنیتہ المتملی، فصل فی جنائز ،ص594/ملفوظاتِ امام اہلسنت)

3 (شعب الایمان، الحج و العمرۃ، باب فی مناسك، ج3، ص388، حدیث4159، دار الاشاعت، کراچی)

4 (ملفوظاتِ امام اہلسنت، حصہ2، ص315، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

منت ماننا (نذر و نیاز) :

نذر / نذرِ شرعی : ایسی عبادت جو مسلمان پر واجب نہ ہو لیکن کوئی بندہ خود اپنے قول سے اسے اپنے ذمہ واجب کرلے، نذر کہلاتی ہے۔ مثلاً یہ کہا کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو دس رکعت نفل ادا کروں گا یا دو روزے رکھوں گا وغیرہ۔ اسے نذرِ شرعی کہتے ہیں۔ اس کا پورا کرنا لازم ہے۔[1]

نذر عرفی : اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے اسے نذرِ (عرفی اور) لغوی کہتے ہیں۔ اس کا معنی نذرانہ ہے جیسے کوئی شاگرد اپنے استاد سے کہے کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے یہ بندوں کی ہو سکتی ہے مگر اس کا پورا کرنا شرعاً واجب نہیں۔[2]

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "اگر کوئی شخص کسی ولی اللہ کی بارگاہ میں درخواست کرتا ہے کہ آپ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کریں کہ اللہ ہماری مشکلیں آسان فرمادے اور حاجتیں برلائے اور اگر میری مشکلات آسان ہو جائیں تو میں آپکے نام کی دیگ پکاؤں گا یعنی دیگ صدقہ کروں گا اور اے ولی اللہ! اللہ کی طرف سے اس پر جو ثواب ملے گا میں آپ کو بخشوں گا، تو یہ نذرِ عرفی ہے، یہ بالکل جائز ہے۔ فقہاء اُس نذر کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء اللہ کے نام کی نذرِ شرعی مانی جائے"۔[3]

نذر ماننے سے متعلق چند باتوں کی اصلاح :

☆ بعض عورتیں لڑکوں کے ناک کان چھدوانے، بچوں کی چٹیا رکھنے کی منت مانتی ہیں۔ مزار پر تالے یا دھاگے باندھتی ہیں اور اس کے علاوہ طرح طرح کی ایسی منتیں مانتی ہیں جو کہ شرعاً درست نہیں۔ اولاً تو ایسی منتوں سے بچنا چاہیے اور اگر مانی ہوں تو پوری نہ کریں۔

---

1 (ماخوذ بہارِ شریعت، ج2، الف، ص33، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
2 (ماخوذ بہارِ شریعت، ج2، الف، ص33، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
3 (ماخوذ جاء الحق، ص248، قادری پبلیشرز، لاہور)

☆ اگر منت مانی ہو تو نیک کام نماز، روزہ، خیرات، دُرود شریف، کلمہ شریف، قرآن مجید پڑھنے، فقیروں کو کھانا دینے، کپڑا پہنانے وغیرہ کی منت ماننی چاہیے۔ [1]

وسیلہ واستمداد اور راہِ اعتدال:

انبیاء واولیاء سے وسیلہ واستمداد (مدد طلب کرنے) کو شرک کہنے والوں کا رد
اور غالی (حد سے گزرنے والی) ان پڑھ عوام کی اصلاح

اللہ عزوجل کو حقیقی مددگار جانتے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا "استمداد" کہلاتا ہے اور "استِعانت" کا بھی یہی مطلب ہے۔

محبوبانِ خدا کا رب تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا، اور ندائے یارسول اللہ کرنا جائز ہے۔ انبیاء واولیاء کا مدد کرنا جبکہ عقیدہ یہی ہو کہ حقیقی کارساز اللہ تعالیٰ ہی ہے، انبیاء واولیاء کا ہر فعل اور ہر تصرف اللہ تعالیٰ کے اِذن، اس کی مشیّت اور اسکی دی ہوئی قدرت کے تابع ہے اور اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر کسی انسان کو کسی شے پر ذرہ برابر بھی قدرت نہیں ہے، بالکل جائز ہے۔ حدیث پاک میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِي [2]

" میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ ہی عطا فرماتا ہے "

اور فرمایا: وَاللّٰهِ، لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الآنَ، وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَآئِنِ الْاَرْضِ [3]

"بیشک خدا کی قسم! میں اپنے حوض کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں اور بیشک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں"۔

---

1 (بہارِ شریعت، حصہ 9، ص 318، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ، ج 1، ص 136، حدیث 71، فرید بک سٹال، لاہور)

3 (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الشہید، ج 1، ص 572، حدیث 1344، فرید بک سٹال، لاہور)

راہِ اعتدال :

علامہ ابو عارفین القادری حفظہ اللہ لکھتے ہیں : "اس مسئلہ (استمداد) میں ہمارا موقف یہ ہے کہ حقیقی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، لہٰذا افضل، اعلیٰ، اولیٰ، بہتر اور احسن یہی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے، یہاں تک کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے، تو اللہ سے مدد مانگی جائے۔ مگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو مدد کے لیے پکارتا ہے تو اس کا یہ عمل جائز ہے (جبکہ عقیدہ یہی ہو کہ حقیقی کارساز اللہ تعالیٰ ہی ہے)"۔[1]

مفسرِ قرآن، شارح صحیح بخاری و مسلم علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر تبیان القرآن میں سورۃ فاتحہ کی آیت (اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ) کے تحت اس مسئلہ پر 30 صفحات پر مشتمل طویل بحث کی ہے جس میں آپ نے قرآنِ مجید واحادیثِ صحیحہ، آثارِ صحابہ و فقہاء اسلام سے ثابت کیا کہ استغاثہ و استمداد جائز ہے۔اِس طویل بحث کے بعد علامہ سعیدی علیہ رحمہ فرماتے ہیں :

" خلاصہ یہ ہے کہ اس اعتقاد کے ساتھ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سے استمداد و استغاثہ کرنا ہر چند کہ جائز ہے لیکن افضل، احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ ہر حال میں ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے مدد چاہیں اور دعا میں مستحسن طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگیں (انبیاء علیہم السلام اور صالحین عظام کا وسیلہ پیش کرنا ایک جدا امر ہے۔اس کے جواز اور استحسان میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، جب مقربین بارگاہِ صمدیت کے وسیلے سے دعا کی جائے گی تو اس کا مقبول ہونا زیادہ متوقع ہو گا)[2] اور زیادہ محفوظ و زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ وہ دعائیں مانگیں جو قرآن و احادیث میں مذکور ہیں تاکہ دعاؤں میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سایہ افگن رہے، اگر کسی خاص حاجت میں دعا مانگنی ہو تو رسول ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنی چاہیے یا (بارگاہِ انبیاء و اولیاء میں درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ ہماری مشکلیں آسان فرمادے اور حاجتیں برلائے، اس

---

1 (عقائد نوٹس، ص 14)

2 (تفسیر تبیان القران، ج 3، ص 494، فرید بک سٹال، لاہور)

طرح کسی کو غلط فہمی بھی پیدا نہیں ہو گی اور اختلاف کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہیں ہو گی (عبد الحکیم شرف قادری))"۔[1]

انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی مہمات، مشکلات اور تمام حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور اسی سے استمداد اور استغاثہ کرتے تھے۔ سو ہمیں بھی ان کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے۔

کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں :

وہابی حضرات مسلمانوں کے بہت سے معاملات میں شرک و بدعت کی رٹ لگائے رکھتے ہیں اور مسلمانوں کو بلاوجہ کافر بنانے پر تُلے رہتے ہیں جبکہ انکی اکثریت شرک و بدعت کے حقیقی مفہوم سے بھی واقف نہیں ہوتی۔ کتاب کے شروع میں بدعت سے متعلق ہم مختصر لکھ چکے ہیں یہاں شرک کی تعریف پڑھ لیجیے :

علامہ تفتازانی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں شریک مانا جائے ،خواہ کسی کو اللہ کے سوا واجب الوجود مانا جائے جیسا کہ مجوس مانتے ہیں یا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے جیسا کہ بت پرست مانتے ہیں"۔[2]

مفسرِ قرآن، شارح صحیح بخاری و مسلم علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

☆ "خلاصہ یہ ہے کہ شرک کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے "واجب وجود اور استحقاق عبادت"۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود یا مستحق عبادت مانے تو یہ شرک ہے ورنہ نہیں"۔

☆ "اگر کوئی شخص کسی کی کوئی صفت مستقل بالذات مانے تو یہ بھی اس کو واجب الوجود ماننا ہے ۔لہٰذا جو شخص کسی نبی علیہ السلام یا کسی ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ ان کے سننے یا دیکھنے کی

1 (ماخوذ تفسیر تبیان القرآن، ج1،ص178-208، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (شرح العقائد، ص56، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی)

صفت مستقل (بالذات) ہے یعنی وہ اپنی ذاتی طاقت سے سنتے یا دیکھتے ہیں یا ان کا علم ذاتی ہے یا ان کی قدرت ذاتی ہے تو یہ شرک ہے۔ اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے وہ سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں، اور ان کا علم اور قدرت اللہ کی عطا سے ہے تو یہ شرک نہیں ہے "۔

☆ "مزید لکھتے ہیں: کسی شخص کی تعظیم بہ طورِ عبادت کرنا شرک ہے، رسول اللہ ﷺ کے لیے تعظیماً قیام کرنا اور یا رسول اللہ! کہنا شرک نہیں ہے اور اسی نوع کے دوسرے افعال جو آپ ﷺ کی تعظیم اور محبت کی جہت سے کیے جاتے ہیں شرک نہیں ہیں"۔[1]

☆ مشرکین کے بتوں کو پکارنے اور بعض مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنے میں یہ بنیادی فرق ہے۔ اس وجہ سے مشرکین کا بتوں کو پکارنا شرک ہے اور مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنا شرک نہیں۔ مشرکین ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اس کے بر خلاف مسلمان اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں، ان کا یہ ظاہر حال اس پر قرینہ ہے کہ وہ اپنی مشکلات میں جس کو پکار رہے ہیں، اس کو خدا نہیں سمجھتے، بلکہ خدا کا مقرب بندہ اور ماذون فی التصرف سمجھتے ہیں۔ تاہم اپنی تمام حاجات اور تمام مشکلات میں صرف اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔[2][3] نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ: "جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد چاہو"۔[4]

☆☆☆

---

1 (ماخوذ تفسیر تبیان القرآن، ج 1، ص 311، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (تفسیر تبیان القران، ج 3، ص 494، فرید بک سٹال، لاہور)

3 (ماخوذ تفہیم المسائل، ج 10، ص 25، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

4 (ترمذی، کتاب صفتہ القیامتہ، باب آخرت کا خوف، ج 2، ص 172، حدیث 408، فرید بک سٹال، لاہور)

خانقاہوں اور آستانوں کے متعلق اصلاح

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن مد ظلہ العالی لکھتے ہیں: " صوفیاء کے آستانے اور خانقاہیں اہلِ سنت و جماعت کے قدیم دینی، اصلاحی اور رفاہی ادارے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں آباد رکھے مگر فی زمانہ بعض آستانوں کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔ ان آستانوں پر اُن کے اپنے ہی مشائخ (بزرگوں) کی تعلیمات کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ اور اپنے سلسلۂ مشائخ کی تعلیمات کے برخلاف بہت سی خرافات کو رواج دیا گیا ہے۔ اس کی اصل وجہ اہلیت اور علم کے بغیر محض اولاد ہونے کی بنیاد پر خلافت اور سجادگی کی مَسند پر بٹھا دینا مقاصدِ رُشد و ہدایت اور طریقت و شریعت کے خلاف ہے، ہمارے ہاں نفوذ کرنے والی بہت سی خرابیوں کا بڑا سبب یہی ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن
یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہرا

سلاسلِ طریقت (قادریہ، نقشبندیہ، چشتی، سہروردی وغیرہ) کے ماننے والے اگر اپنے مشائخ کی کُتب کا مطالعہ کریں تو کبھی بھی رافضیت، تفضیلیت، خارجیت کی طرف میلان نہ کریں گے بلکہ اہلِ سنت و جماعت کہ عقائد و نظریات پر پختگی سے قائم رہیں گے۔ اسی طرح بعض آستانوں پر حاضر ہونے والے زائرین کی تربیت کا کوئی نظام نہیں۔ اعراسِ مبارکہ کی تقریبات میلوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کو فروغ دے کر لوگوں کو اپنی عقیدت کے حصار میں رکھا جاتا ہے۔ ان آستانوں کو تو دینی تعلیم و تربیت کے مراکز بننا چاہیے۔

خوشا مسجد و مدرسہ و خانقاہے
کہ در وے بود قیل و قالِ محمد

ترجمہ : " کیا ہی بات ہے اُس مسجد ، مدرسہ اور خانقاہ کی کہ جہاں سیدنا محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشاداتِ مبارکہ کی تعلیم دی جارہی ہو"

ان خانقاہوں اور آستانوں کی اصلاح کے لیے اب ضروری ہے کہ اہلِ سنت وجماعت کے ثقہ علماء ومشائخ کا ایک نگران بورڈ بنایا جائے اور سجادگی کے لیے اس خانقاہ سے منسلک مُتدین ، باشرع، صحیح العقیدہ اور ذی علم شخص کا انتخاب کیا جائے۔ جاہل، بے عمل بلکہ بد عمل سجادہ نشین پیروں کو فی الفور معزول کیا جائے۔ [1]

عوام اہلِ سنت کو چاہیے کہ فی زمانہ امت ومسلک کی اس زبوں حالی اور ابھرتی ہوئی اس بے راہ روی وبدمذہبی کا احساس کرتے ہوئے اپنی تمام تر صلاحتیں اور پیسہ ان آستانوں پر ہونے والی قوالیوں پر لٹانے اور عرسوں پر صرف تبرک بانٹنے کے بجائے اہلسنت کے مدارس و جامعات کا خیال کرتے ہوئے وہاں موجود طلباء و اساتذہ کی خدمت میں صرف کریں اور دینی رسائل و جرائد کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ یہ عظیم اُمور صحیح معنوں میں صدقہ جاریہ ہیں کہ جب تک علم پھیلتا رہے گا ثواب پہنچتا رہے گا، اپنے بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لیے اس طرح بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"محافل، نیاز فاتحہ اور لنگر میں خرچ کرنے پر ایک کی دس نیکیاں اور طالب علم دین پر خرچ میں ایک کی کم سے کم سات سو نیکیاں ہیں"۔ [2]

---

1 (اصلاح عقائد واعمال ،ص 95، دار العلوم نعیمیہ، کراچی)

2 (فتاویٰ رضویہ ، ج 10، ص 305 ملخصاً ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

پیری مریدی کے متعلق اصلاح
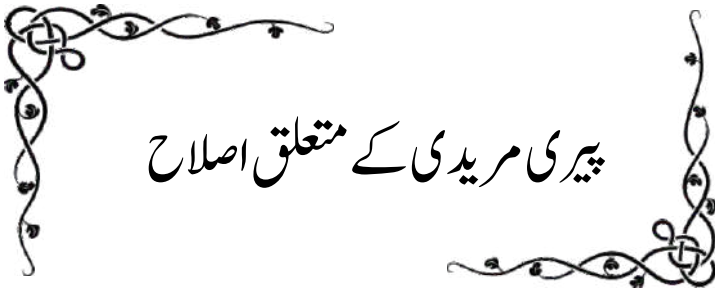
بیعت ہونا (پیری مریدی) :

"بیعت بیع (خرید و فروخت) سے ہے جس کا مطلب ہے بِک جانا اور اصطلاحی معنی میں بیعت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنا تعلق کسی با عمل نیک پرہیز گار شخص کے ساتھ قائم کر لے اور اس کے واسطے سے حضور ﷺ تک اس کا سلسلہ متصل ہو جائے۔ بیعت کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر سرکار ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بیعت لی جس کو اللہ عزوجل نے قرآنِ مجید میں ذکر فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ ۚ (1)

ترجمہ کنزالعرفان : "بیشک جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں " اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : " بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت سنت صحابہ ہے خواہ بیعت اسلام ہو یا بیعت تقویٰ یا بیعت توبہ یا بیعت اعمال وغیرہ "۔ (2) حدیث پاک میں ہے ، حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجلّی فرماتے ہیں: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی نماز پڑھنے زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کا خیر خواہ رہنے پر "۔ (3)

بیعت کے دنیاوی و اُخروی فوائد :

بیعت کی ضرورت نہ صرف دنیا کے لیے کارآمد ہے۔ بلکہ آخرت میں بھی فائدہ بخش ہے۔ دنیا میں انسان کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر با اخلاق بنتا ہے، گناہوں سے باز رہتا ہے، شیطان کے حملوں اور دوسری آفات سے بچتا رہتا ہے۔ اور

---

1 (الفتح ,آیت 10)
2 (بہارِ طریقت، ص 161، مکتبہ امام اہلسنت ، لاھور)
3 (صحیح البخاری ، کتاب الایمان ،باب قول النبی الدین ، ج 1، ص 127 ،حدیث 57، فرید بک سٹال، لاھور)

آخرت میں کامل شیخ اپنے مریدوں کا شفیع ہو گا۔ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرآن عظیم نے حکم فرمایا: وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو)۔[1] "اللہ کی طرف وسیلہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف وسیلہ مشائخ کرام (اللہ والے ہیں)، سلسلہ بہ سلسلہ جس طرح اللہ عزوجل تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی ہے یونہی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تک رسائی بے وسیلہ دشوار عادی ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صاحب شفاعت ہیں اللہ عزوجل کے حضور وہ شفیع ہونگے اور ان کے حضور علماء واولیاء اپنے متوسلوں کی شفاعت کریں گے، مشائخ کرام دنیا و دین و نزع و قبر و حشر سب حالتوں میں اپنے مریدین کی امداد فرماتے ہیں۔[2]

بیعت کس نیت سے ہو اجائے:

موجودہ دور میں بعض ایسے لوگ ہیں جو سنتے ہیں فلاں کا مرید ہونے سے کاروبار میں اضافہ ہو جاتا ہے، اولاد ہو جاتی ہے وغیرہ۔ ایسی سوچ رکھنے والا راہِ سلوک سے ناواقف ہے کیونکہ یہ ایسی چیزیں جو اگرچہ کامل پیر اللہ والے کی نسبت کے طفیل مل جاتی ہیں لیکن یہ بیعت کا مقصود نہیں ہوتیں مقصود توراہِ سلوک (شریعت و طریقت) پر چلنا ہے۔ اسی طرح بعض کسی کی کرامات کو دیکھ اور سن کر مرید ہوتے ہیں، کرامت اگرچہ بہت بڑی ایک نعمت ہے لیکن بیعت کی شرائط میں سے نہیں ہے نہ ہی علم والے اس سبب سے مرید ہوتے ہیں۔ کیا اتنا کم ہے ایک ولی کامل کے ساتھ نسبت ہو جائے، اس کی دعا میں شامل ہو جائے۔[3]

---

1 (المائدہ، آیت 35)

2 (فتاویٰ رضویہ، ج21، ص424، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

3 (بہارِ طریقت، ص170 مکتبہ امام اہلسنت، لاہور)

کامل پیر کی یہ پہچان نہیں کہ اس سے کرامات کا ظہور ہوتا ہو بلکہ کامل پیر وہی ہے جس کی نظروں سے دلوں کے احوال بدل جائیں، مریدین شریعت کے مطابق زندگی گزانے والے ہو جائیں، پانچ وقت کے نمازی ہو جائیں، سرکار ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے والے ہو جائیں اور ہو سکتا ہے ایسا پیر اس پیر سے درجہ میں بڑا ہو جس کے ہاتھوں کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔[1]

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کی خدمت میں کچھ دنوں تک رہا۔ بالآخر اس نے اجازت چاہی، آپ نے پوچھا کس مقصد کے لیے آئے تھے، اس نے کہا حضرت! آپ کی بڑی شہرت سنی تھی مگر کئی روز تک آپ کے پاس ٹھہرنے کے باوجود کوئی کرامت دیکھنے میں نہیں آئی، آپ نے فرمایا تم نے میرا کوئی کام خلاف سنت دیکھا ہے اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا یہی سب سے بڑی کرامت ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (تم میں سب سے زیادہ کرامت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے)[2]

سچی کرامت کی پہچان یہ ہے کہ وہ شریعت مصطفیٰ ﷺ کے دائرہ میں ہو، جو شریعت سے باہر ہو وہ کرامت نہیں بلکہ شیطان کا فریب (اِہانت) ہے۔ شریعت کے عین مطابق زندگی گزارنا ہی بہت بڑی کرامت ہے۔ حضور غوث پاک علیہ رحمہ فرماتے ہیں: "ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی ﷺ کے قول کے قانون پر ٹھیک اترے"۔[3]

ہاں اگر کوئی ایسا پیر کامل ہو جس کے ہاتھوں کرامات کا بھی ظہور ہو اور مریدین کی اصلاح بھی کمال احسن طریقے سے کرے یہ نور علیٰ نور ہے۔

---

1 (بہار طریقت، ص78، مکتبہ امام اہلسنت، لاہور / ماخوذ مکتوباتِ امام ربانی)

2 (مقالاتِ قاسمی، ج2، ص355، رحمتہ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

3 (بہجتہ الاسرار، ص 39، مکتبہ البانی، مصر)

بیعت کی شرائط :

کسی شخص کی بیعت کرنے سے قبل تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

(1) ایک یہ کہ پیر زندہ ہو کہ جو دنیا سے پردہ کر گیا اس سے بیعت نہیں ہو سکتی۔

(2) دوسرا یہ کہ پیر مجذوب نہ ہو کہ وہ اپنے مریدوں کی صحیح تربیت نہیں کر پائے گا۔

(3) تیسرا یہ کہ مرد ہو کیونکہ عورت مرشد نہیں ہو سکتی۔ اولیائے کرام کا اجماع ہے کہ داعی الی اللہ کا مرد ہونا ضروری ہے۔

پھر جب کسی کی بیعت کرنے لگو تو اُس میں چار شرطوں کا ہونا ضروری ہے جن میں سے اگر ایک بھی کم ہو گی اس کا مرید ہونا جائز نہ ہو گا۔ اگر کسی ایسے سے بیعت کی ہو جس میں یہ شرائط نہ ہوں تو اس بیعت کا توڑنا لازم ہے۔ وہ چار شرائط یہ ہیں :

(1) ایک یہ کہ سُنی صحیح العقیدہ ہو۔

(2) دوسری شرط ضروری علم کا ہونا، اس لیے کہ بے علم خدا کو نہیں پہچان سکتا۔

(3) تیسری یہ کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو۔

(4) چوتھی اجازت صحیح متّصل ہو (یعنی شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس ﷺ تک پہنچتا ہو بیچ میں منقطع نہ ہو) جیسا کہ اس پر اہل باطن کا اجماع ہے۔[1]

☆ بیعت کی شرائط میں ہاتھ میں ہاتھ دینا نہیں بلکہ بیعت میں اصل اِرادتِ قلبی ہے اور اسکا نافذ ہونا ایجاب و قبول پر موقوف ہے۔ لہٰذا خط، اسپیکر یا لائیو پروگرام کے ذریعے سے بیعت ہو سکتی ہے۔

1 (رسم ورواج کی شرعی حیثیت، ص516، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور / فتاویٰ رضویہ، ج 21، رضا فاونڈیشن، لاہور)

جعلی پیر :

وہابی حضرات کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے کے کئی افراد جعلی پیروں کے کردار کو دیکھ کر پیری مریدی کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں۔ جس طرح معاشرے کے دیگر شعبوں میں دھوکے باز افراد ہوتے ہیں، اسی طرح پیری مریدی میں بھی جعلی پیر شروع سے ہی ہیں جن کی اولیاء کرام نے اپنی کتابوں میں بہت مذمت فرمائی ہے۔

آج کل لوگ بیعت کرتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ جس پیر کی بیعت کی جارہی ہے وہ کامل پیر بھی ہے یا نہیں؟ داڑھی منڈھے، جاہل، بے نمازی، چرسی بھنگی، لمبے بال والے، انگوٹھیاں پہننے والوں کی بیعت کرلی جاتی ہے۔ یہ جعلی پیر ڈھکوسلے مارتے ہیں، داڑھی نہ رکھنے پر کہتے ہیں ڈاکٹر اقبال نے بھی نہیں رکھی تھی، نماز نہ پڑھنے پر کہتے ہیں ہماری نماز مکے مدینے ہوتی ہے۔ ظاہری شریعت کی خلاف ورزی کرکے کہتے ہیں ظاہر کا کوئی اعتبار نہیں رب تعالیٰ دل دیکھتا ہے۔ پھر جعلی پیر کچھ جادو ٹونہ بھی سیکھ کر لوگوں کی نظر بندی کرکے اپنا تابعدار بناتے ہیں۔ کسی جعلی پیر کا دل کی بات بتادینا، کئی دن بھوکے رہنا، ہوا میں اُڑنا پیری نہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے جعلی پیروں سے بچیں۔ جو اس طرح شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ طریقت کی بنیاد شریعت پر ہے جو انسان شریعت کا ادب نہیں کرتا وہ راہِ طریقت پر نہیں۔ ذیل میں کلام سے واضح ہو جائے گا کہ شریعت و طریقت جدا گانہ راہیں ہرگز نہیں ہیں۔

شریعت و طریقت :

دورِ حاضر میں جہاں بے عملی عروج پر ہے وہیں معرفتِ الٰہی (عشق و محبت) کے نام پر دینِ اسلام کی حقیقی ساخت کو خراب کرنا اور لوگوں کے دِلوں میں شریعتِ مطہرہ و علمائے کرام سے متعلق نفرت بھرنا دو نمبر جعلی شریعت کے باغی صوفیوں، پیروں کی

جانب سے عروج پر ہے، پھر لبرل سیکولر طبقہ اور بد مذہبوں کی جانب سے ان جعلی بناوٹی صوفیوں کے کرتوتوں کی آڑ میں اولیاء اللہ کی شان میں زبان دراز کرنا بہت افسوسناک ہے۔ہم ان سب لوگوں کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ ذیل میں شریعت و طریقت کا حقیقی مفہوم اور اولیاء اللہ کس قدر پابندِ شریعت ہوتے ہیں اُس کا ذکر کرتے ہیں۔

شریعت کی تعریف : " شریعت سے مراد وہ ظاہری اعمال و احکام ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بطور ضابطہ حیات تجویز کیا اور اس پر چلنے کا حکم دیا (جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ،حلال و حرام اور جملہ اعمال صالحہ) "۔

تصوف وطریقت کا حقیقی مفہوم : " طریقت در حقیقت شریعت ہی کا باطن ہے،شریعت جن اعمال و احکام کی تکمیل کا نام ہے اُن اعمال و احکام کو حسنِ نیت اور حسنِ اخلاص کے کمال سے آراستہ کرنے کی کوشش علم الطریقت اور تصوف کی بنیاد ہے "(بیعت ہونا، پیری مریدی وغیرہ ،طریقت کے سلاسل کہلاتے ہیں) ۔

طریقت شریعت سے جدا نہیں بلکہ شریعت پر کامل طریقے سے عمل پیرا ہونے میں مدد دیتی ہے ۔جعلی پیر و بناوٹی صوفی وغیرہ دعویٰ کرتے ہیں شریعت و طریقت جداگانہ راستے ہیں اور عشق و محبت کے معاملات شریعت کے دائرہ سے باہر ہیں۔اس بناء پر یہ جعلی پیر ظاہری شریعت پر نہ خود عمل کرتے ہیں اور نہ اپنے ماننے والوں کو اس کی تلقین کرتے ہیں بلکہ لوگوں کو خود ساختہ آسان راہ فراہم کرکے لہو ولعب میں مشغول رکھتے ہیں۔

شریعت وطریقت کے متعلق بزرگانِ اُمت کے اقوال:

حدیثِ پاک میں ہے، آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بغیر علم عبادت کرنے والا اس گدھے کی طرح ہے جو آٹے کی چکی میں جتا ہو"۔[1]

1 (حلیۃ الاولیاء ،خالد بن معدان، ج 219/5 ، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت)

اللہ کا ولی کبھی بھی جاہل نہیں ہو سکتا، ہمیشہ عالم (شریعت کا علم رکھنے والا) ہی اللہ کا ولی ہو گا، چاہے یہ علم وہ ظاہری اسباب سے حاصل کرے یا اللہ عزوجل اپنی خاص عنایت سے علمِ لُدنی اُسے عطا فرمادے۔

☆ امامِ اعظم امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہے: "جب علماء اولیاء اللہ نہیں تو پھر کوئی اللہ کا ولی نہیں اور یہ اس عالم کے بارے میں ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے [1]

☆ حضور غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشادِ مبارک ہے: " فقہ (علم شریعت) حاصل کر، اسکے بعد خلوت نشین ہو، جو بغیر علم کے خدا کی عبادت کرے وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا، اپنے ساتھ شریعتِ الٰہیہ کی شمع لے لے " [2]

آپ غوثِ اعظم علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب " سرالاسرار " میں شریعت کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمان نقل کیا ہے کہ : "شریعت درخت ہے، طریقت اس کی شاخیں ہیں، معرفت اس کے پتے ہیں ، حقیقت اس کا پھل ہے" [3] (اب جس شخص کے پاس علمِ شریعت (درخت کی جڑ) ہی نہ ہو اُسے پھل کیا نصیب ہو گا)۔

☆ حجتہ الاسلام امامِ غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: " شریعتِ مطہرہ کے منکر اور خواہشاتِ نفسانی کے پیروکار جاہل پیر جو اس زمانہ میں نمودار ہوئے ہیں ۔ وہ مخلوق کے لیے شیطان اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں " [4]

☆ علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " آج کل کے مکّار (جعلی) فقیر کہا کرتے ہیں کہ شریعت کا راستہ اور ہے اور فقیری کا راستہ اور ہے۔ ایسا کہنے والے فقیر خواہ کتنا ہی شعبدہ (غیر معمولی عادات) دکھائیں مگر ان کے بارے میں یہی عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ یہ گمراہ اور جھوٹے ہیں " [5]

---

1 (فتاویٰ فیض الرسول، ج2، ص 640، شبیر برادرز، لاھور)
2 (بھجتہ الاسرار، ص 53، مطبوعہ مصر)
3 (سرالاسرار، ص 83، قادری رضوی کتب خانہ، لاھور)
4 (کیمیائے سعادت، ص 44، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)
5 (جنتی زیور، ص 462 مکتبۃ المدینہ، کراچی)

☆تفسیرِ نعیمی میں ہیں: "جو شخص ذرہ بھر شریعت کی مخالفت کرے وہ مردود ہے اگرچہ بڑا پیرو مرشد بنا پھرے۔ایسے شخص مجہول کا جو بھی مرید بنے گا وہ بندہ ابلیس ہو گا" (1)

☆امام قشیری رحمۃاللہعلیہ اپنی کتاب "رسالہ قشیریہ" میں حضرت جنید بغدادی رحمۃاللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں: " جس نے نہ قرآن یاد کیا نہ حدیث لکھی یعنی جو علم شریعت سے آگاہ نہیں طریقت میں اس کی اقتداء نہ کریں اور اسے اپنا پیر نہ بنائیں کیونکہ ہمارا یہ علم طریقت بالکل کتاب و سنت کا پابند ہے" (2)

☆ حضرتِ جنیدِ بغدادی رحمۃاللہعلیہ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا جو کہتا تھا کہ شریعت خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے جو پہنچ چُکا اُسکو اب شریعت کی حاجت نہیں آپ رحمۃاللہعلیہ نے فرمایا: "وہ سچ کہتا ہے ،بے شک پہنچ گیا ہے مگر کہاں! جہنم کو" (3)

شریعت کا درجہ بڑا ہے یا طریقت کا :

مفتی انس رضا قادری حفظہ اللہ لکھتے ہیں: اگر پوچھا جائے کہ شریعت اور طریقت میں سے بڑا درجہ کس کا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ شریعت کا، کیونکہ طریقت خود شریعت کے تابع ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ شریعت سے اوپر عمل واجر میں طریقت کا درجہ ہے اور طریقت سے اوپر حقیقت کا درجہ ہے۔ اگر کوئی حقیقت سے نیچے آجائے تو وہ حقیقت سے نچلے درجے طریقت میں آجائے گا۔اور اگر کوئی طریقت سے نچلے درجے میں آئے تو وہ شریعت کے درجے میں آجائے گا اور اگر کوئی شریعت کی مخالفت کرے تو شریعت سے نیچے جہنم میں جائے گا۔یعنی شریعت میں فرائض و واجبات ہیں جن کے ترک پر عذاب ہے اور اس کے آگے طریقت و حقیقت ہے جس کے ترک پر گرفت نہیں ہے۔(4)

علمائے دین اور صوفیاء کرام کے ان اقوالِ سے بالکل واضح ہو گیا کہ شریعت اور طریقت (راہِ

---

1 (تفسیر نعیمی، جلد12،ص 442 ،نعیمی کتب خانہ، گجرات)

2 (رسالہ قشیریہ، ص 24، مطبوعہ مصر)

3 (بہارِ شریعت، حصہ1،ص266،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

4 (ماخوذ بہارِ طریقت، ص160،مکتبہ امام اہلسنت،لاہور)

تصوف) جداگانہ راہیں ہر گز نہیں بلکہ طریقت شریعت ہی کی ایک شاخ ہے۔اس لیے جو شخص ظاہری شریعت کا منکر ہو وہ جعلی صوفی مردود و بندہ ابلیس ہے۔ان لوگوں کو نہ قرآن کی ضرورت ، نہ حدیث کا احتیاج اور نہ ہی اجماعِ امت کا پاس ہے۔بس ان کے لیے آستانے کا پراپیگنڈا کافی ہے۔جس طرح ملحدین (atheist) اپنا پورا زور لگا کر علمائے کرام کی مخالفت کرتے ہیں اسی طرح جاہل صوفی بھی علمائے کرام کو مولوی اور ملاں کہہ کر ان کی توہین کرتے ہیں۔ صحیح صوفی وہی ہے جو اجماع امت کا پابند ہو اور قرآن و سنت کے سامنے تھم جائے۔

مذکور بالا عبارات سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیے اور اپنا قبلہ درست کرنا چاہیے جو اپنے جاہل پیروں ، گدّی نشینوں کی خلافِ شرع اُمور کو (عشق و محبت) کا نام دے کر اُنہیں شریعت سے بیگانہ سمجھتے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نباید دا دوست

(بہت سے ابلیس انسانی صورت میں ہیں، پس ہر ہاتھ میں عقیدت کا ہاتھ نہیں دینا چاہیے)

عورت کا اپنے غیر محرم پیر سے پردہ :

عورت کا جس طرح نامحرم اجنبی شخص سے پردہ کرنا فرض ہے اسی طرح عورت کا اپنے نامحرم پیر و مرشد سے پردہ کرنا بھی فرض ہے کہ پردے کے معاملے میں دونوں کا حکم یکساں ہے، لہٰذا عورت کا بال یا کلائیاں کھول کر اپنے نامحرم پیر کے سامنے آنا حرام اور اسی طرح چہرہ کھول کر آنا بھی سخت منع ہے۔[1]

پیر کی تصویر گھر میں لگانا :

آج کل رائج ہے کہ لوگ اپنے پیر یا بزرگانِ دین یا عزیز و اقرباء کی تصویر کو گھروں میں سجاتے ہیں۔بلکہ اب تو حضور داتا صاحب اور حضور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ

---

1 (مختصر فتاویٰ اہلِ سنت، ج1، ص 231، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

علیہما اور دیگر بزرگانِ دین کی خود ساختہ تصویریں بنائی گئی ہیں۔ لوگ اسے برکت کے طور پر دکانوں میں لگاتے ہیں، یہاں تک بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ تصویر پر ہار ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ سب ناجائز ہے۔ جاندار کی تصویریں چاہے بزرگوں کی ہوں یا والدین کی یا عام لوگوں کی گھر میں لٹکانا حرام ہے۔ اس پر سخت وعیدیں ہیں۔ احادیث اس بارے میں حدِ تواتر پر ہیں۔ ذیل میں تین احادیث ملاحظہ کیجیے۔ [1]

(1) چنانچہ آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "رحمت کے فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کُتا یا تصویر ہو"۔ [2]

نوٹ : جانوروں اور کھیتی اور مکان کی حفاظت اور شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے ان مقصدوں کے علاوہ کتا پالنا جائز نہیں۔

(2) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: "نبی اکرم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس کے اندر تصویر والی کوئی چیز نہ چھوڑتے مگر اسے توڑ پھوڑ کر پھینک دیتے تھے"۔ [3]

(3) حضرتِ عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ: "نبی ﷺ ایک سفر سے واپس آئے تو میں نے ایک پردہ لٹکایا ہوا تھا جس میں تصویریں تھیں، پس آپ نے مجھے حکم دیا کہ اسے اتار دوں، تو میں نے اسے اتار دیا"۔ [4]

جاندار چیزوں کے برعکس جو مکہ مدینہ، بزگانِ دین کے مزارات کی بے جان تصویریں رکھی جاتی ہیں، یہ بالکل جائز ہے۔ خصوصاً نقشِ نعلین پاک ﷺ کی تصویر یا نقشِ نعلین کا بیج لگانا نہ صرف جائز بلکہ عقیدت سے لگایا جائے تو مستحب (ثواب کا عمل) ہے۔ [5]

---

1 (رسم و رواج کی شرعی حیثیت ،ص522،مکتبہ اشاعت الاسلام ،لاہور)

2 (صحیح البخاری، کتاب اللباس ،باب التصاویر ، ج3، ص377، حدیث5949، فرید بک سٹال ،لاہور)

3 (صحیح البخاری، کتاب الباس، ج3،ص 379، حدیث5952، فرید بک سٹال، لاہور)

4 (صحیح البخاری، کتاب اللباس، ج3،ص 379، حدیث5955، فرید بک سٹال ،لاہور)

5 (رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص523، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

متفرق ابحاث

روحانی علاج
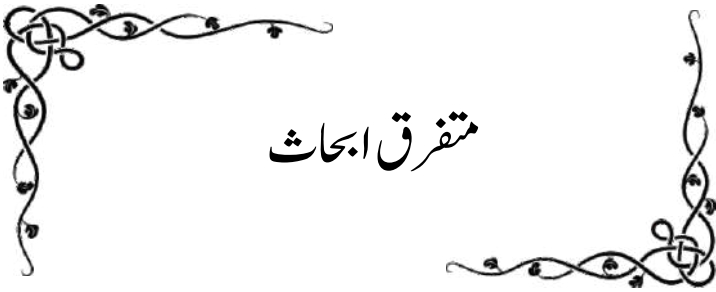
نظر لگنا :

نظر لگنا احادیث سے ثابت ہے، اس کے برے اثرات کا انسان پر اثر کرنا حق ہے۔

(1) حدیث پاک میں ہے، آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: " نظر حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ سکتی تو اس پر نظر بڑھ جاتی اور جب تم دھلوائے جاؤ تو دھو دو"۔ (1)

(2) اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "بے شک نظر مرد کو قبر میں اور اُونٹ کو دیگ میں داخل کر دیتی ہے"۔ (2)

نظر اُتارنا (ٹوٹکے کرنا) :

نظر لگ جانا عیب نہیں۔ نظر ماں باپ کی بھی بچوں کو لگ سکتی ہے۔ اس لیے نظر لگنے پر کسی کو برا بھلا کہنا درست نہیں۔ نظر اتارنے کے لیے عوام میں مشہور ٹوٹکے اگر خلاف شرع نہ ہو تو جائز ہیں۔ اگرچہ ماثور دعائیں افضل ہیں۔ نظر والے کے ہاتھ پاؤں دھو کر جس کو نظر لگی ہو اُسے چھینٹے مارنے کا رواج عرب میں تھا۔ حضور علیہ السلام نے اسے باقی رکھا۔ ہمارے ہاں تھوڑی سی آٹے کی بھوسی تین سُرخ مرچیں منظور (یعنی جس کو نظر لگی ہو) پر سات بار گھما کر سر سے پاؤں تک پھر آگ میں ڈال دیتے ہیں اگر نظر ہوتی ہے تو بُھس نہیں اٹھتی اور رب تعالیٰ شفاء دیتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خوبصورت تندرست بچہ دیکھا تو فرمایا اس کی ٹھوڑی میں سیاہی لگا دو تاکہ نظر نہ لگے۔ یہ سب عمل جائز ہیں۔ اسی طرح حضرت ہشام ابن عروہ رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے : "ماشاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ" تاکہ نظر نہ لگے۔ علماء فرماتے ہیں کہ بعض نظروں میں

---

1 (صحیح مسلم، کتاب السلام، کتاب الطب،باب الطب والمرض والرقی، ج 3، ص 161، حدیث 5666، فرید بک سٹال ،لاھور)

2 (جمع الجوامع، ج 5، ص 204، حدیث 14558، دار الکتب العلمیہ ،بیروت)

زہریلا پن ہوتا ہے جو اثر کرتا ہے۔[1]

احادیث میں نظر کا علاج :

آفتوں اور مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کی تدبیر کرنا اور مناسب احتیاطیں اختیار کرنا انبیاءِ کرام کا طریقہ ہے، حضور ﷺ آفتوں اور مصیبتوں سے بچنے کے لئے خود بھی مناسب تدبیریں فرمایا کرتے اور دوسروں کو بھی بتایا کرتے تھے ، چنانچہ :

(1) حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں تمہیں وہ کلمات نہ بتاؤں جو (شریر جنات اور نظر بد سے) اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے میں سب سے افضل ہیں؟ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ! ﷺ ، کیوں نہیں (آپ ضرور بتایئے) ارشاد فرمایا "وہ کلمات یہ دونوں سورتیں ہیں :

(1) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (2) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ "۔[2]

(2) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:"حضورِ اقدس ﷺ جنات اور انسانوں کی بری نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے یہاں تک کہ سورۂ فلق اور سورۂ الناس نازل ہوئیں، جب یہ سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان دونوں کو اختیار فرمالیا اور دیگر دعاؤں کو چھوڑ دیا"۔[3]

دم کروانا :

دم کا مطلب ہے کچھ پڑھ کر پھونکنا۔ علاج کے طور پر کسی نیکوکار سے دم کروایا جاتا ہے یا خود دم کیا جاتا ہے، یہ بالکل جائز ہے اور کثیر احادیث واسلاف سے ثابت ہے : چنانچہ

(3) امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے اسما بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ: انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ اولادِ جعفر کو جلد نظر لگ جایا کرتی ہے، کیا میں انہیں دم کروا سکتی ہوں ؟ فرمایا : " ہاں کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جانے والی ہوتی تو نظر بد سبقت لے جاتی۔ "نبی کریم ﷺ حضرت امام حسن و حسین کو بھی دم کیا کرتے تھے۔[4]

---

1 (ماخوذ مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ، کتاب الطب و ارقی، الفصل الاول، ج 6-7، ص 180، حسن پبلشرز، لاھور)

2 (سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، ج 3، ص 546، حدیث 5336، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

3 (ترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی الرقیۃ بالمعوذتین، ج 1، ص 948، حدیث 2132، فرید بک سٹال، لاھور)

4 (ترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی الرقیۃ، ج 1، ص 948، حدیث 2133، 2134، فرید بک سٹال، لاھور)

(4) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوتے تو آپ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کرتے۔ جب آپ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو میں انہیں آپ پر پڑھتی اور ان کی برکت کی اُمید رکھتے ہوئے اپنا ہاتھ پھیرا کرتی"۔[1]

تعویذ لینا:

تعویذ کا مطلب ہے امان ، بچاؤ۔ یعنی اللہ عزوجل کے نام سے امان حاصل کرنا۔ مسلمانوں میں رائج ہے کہ وہ کسی بیماری یا نظر بد یا جادو سے بچنے کے لیے تعویذ وغیرہ پہنتے ہیں یا گھر میں لگا دیتے ہیں۔ یہ عمل جائز ہے۔ متبرک (برکت والی) چیزوں سے شفاء حاصل کرنا احادیث سے ثابت ہے، جبکہ عقیدہ یہی ہو حقیقی شفاء دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے : "گلے میں تعویذ لٹکانا جائز ہے، جبکہ وہ تعویذ جائز ہو یعنی آیاتِ قرآنیہ یا اسماء الٰہیہ (اللہ تعالیٰ کے ناموں) یا ادعیہ (دعاؤں) سے تعویذ کیا جائے اور بعض حدیثوں میں جو ممانعت آئی ہے، اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جو ناجائز (شرکیہ الفاظ وغیرہ) الفاظ پر مشتمل ہوں ، جو زمانہ جاہلیت میں کیے جاتے تھے ، اسی طرح تعویذات اور آیات و احادیث و ادعیہ کو رکابی میں لکھ کر مریض کو بہ نیت شفا پلانا بھی جائز ہے۔ جنب و حائض و نفسا بھی تعویذات کو گلے میں پہن سکتے ہیں، بازو پر باندھ سکتے ہیں جبکہ غلاف میں ہوں"۔[2]

(1) حدیث پاک میں ہے: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "کہ جب تم میں سے کوئی اپنی خواب سے گھبرا جائے تو کہہ لے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ " میں اللہ کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں اس کی ناراضی اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے وسوسوں سے اور ان کی حاضری سے " ، تو تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچے گا"، حضرت عبداللہ بن عمرو اپنی بالغ اولاد کو یہ سکھا دیتے تھے، اور ان میں سے نابالغوں کے گلے میں کسی کاغذ پر لکھ کر ڈال دیتے تھے"۔[3]

---

1 (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل المعوذات، ج 3، ص 41، حدیث 5016 ، فرید بک سٹال، لاهور)

2 (بہارِ شریعت، حصه 16، ص 419، مکتبۃ المدینه، کراچی/ (در مختار، ردالمحتار))

3 (ترمذی، کتاب الدعوات، باب بے خوابی کا علاج، ج 2، ص 629، حدیث 1450، فرید بک سٹال، لاهور)

(2) روایات میں ہے کہ سیدہ اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک اطلسی جبہ نکالا اور فرمایا کہ اس جبہ شریف کو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زیب تن فرمایا ہے۔ اور ہم بیماروں کے لیے اس کا دامن دھو کر پلاتے ہیں تو انہیں (اسکی برکت سے) سے فی الفور شفاء حاصل ہو جاتی ہے اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ایک پیالہ تھا اس میں پانی ڈال کر بیماروں کو پلاتے تو انہیں شفاء حاصل ہو جاتی ہے۔[1] (اسی طرح رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بال مبارک کی برکت سے شفاء لینا بھی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ (عمدۃ القاری))

☆ تعویذات سے متعلق یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ آج کل جو جعلی پیر بے نمازی، داڑھی منڈے ہیں، نہ ان سے دم کروایا جائے اور نہ ان سے تعویذ لیا جائے۔ بلکہ اس سے متعلق تعویذات کا علم رکھنے والے کسی سنی صحیح العقیدہ عالم دین سے رجوع کیا جائے۔

☆ بعض لوگ لوہے، پیتل، سونا، چاندی وغیرہ کی چیزیں گلے میں یا ہاتھ، پاؤں وغیرہ میں تعویذ سمجھ کر پہن لیتے یہ سب (مرد کیلئے) ناجائز ہے (ہاں تعویز کو چمڑے میں سلوا کر پہنا جا سکتا ہے)۔ اسی طرح کسی خلافِ شرع مقصد کے لیے تعویذ لینا ناجائز ہے۔

☆ مسلمان جو تعویذات پہنتے ہیں اس میں اللہ عزوجل کا کلام ہوتا ہے۔ جسے وہ بطور علاج پہنتے ہیں۔ گویا وہ اللہ عزوجل ہی کے کلام سے شفاء طلب کرتے ہیں۔ جن احادیث میں تعویذات کی ممانعت آئی ہے، اس سے مراد شرکیہ الفاظ والے تعویذات ہیں۔

یہ ایماں ہے خدا شاہد کہ ہیں آیات قرآنی
علاج جملہ علتہائے جسمانی و روحانی

---

1 (مدارج النبوت، ج1، ص315، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

عظمتِ اصحاب رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

صحابہ کرام وہ مبارک ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحبت اختیار کرنے کے لئے منتخب فرمایا اور ان کی عظمت و شان کو قرآنِ مجید میں بیان فرمایا۔

اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام کی محبت، ان کی تعظیم و توقیر اور ان کا اداب و احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کا شعار رہا ہے کہ وہ خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، جمیع اہلِ بیت اطہار، امہاۃ المومنین اور جمیع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں، اُن سب کی تعظیم کرتے ہیں، اُن کی توصیف و توقیر کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ شیخین کریمین (سیدنا صدیقِ اکبر و سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) انبیاء کرام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں، اور جو ان کی افضلیت کا انکار کریں وہ گمراہ و بدمذہب، تفضیلی، رافضی ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابو بکر ہیں اور ابو بکر کے بعد سب سے افضل عمر ہیں۔[1][2]

صحابہ کرام کی عظمت و شان ان کے اوصاف حمیدہ اور اُن کے جنتی ہونے سے متعلق قرآن پاک میں جابجا آیاتِ مبارکہ وارد ہیں۔ اس طرح صحابہ کرام کے فضائل و مناقب پر کثیر احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ[3]

---

1 (سنن ابن ماجه، کتاب فضائل اصحاب، باب فضل عمر، ج1، ص60، حدیث 102، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاهور)

2 (مسند امام احمد، مسند خلفائے راشدین، ج1، ص402، حدیث 836، مکتبه رحمانیه، لاهور)

3 (التوبه، آیت 100)

ترجمہ کنزالعرفان : " اور بیشک مہاجرین اور انصار میں سے سابقینِ اولین اور دوسرے وہ جو بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں ان سب سے اللہ راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہیں اور اس نے ان کیلئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے ، یہی بڑی کامیابی ہے "

حدیث پاک میں ہے :

(1) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کروگے ہدایت پاجاؤگے "۔[1]

(2)اور پیارے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آگاہ رہو تم میں میرے اہل بیت کی مثال جناب نوح (علیہ السلام) کی کشتی کی طرح ہے۔ جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا ہلاک ہو گیا"۔[2]

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: سبحان اللہ! کیسی نفیس تشبیہ ہے حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ہدایت کے تارے فرمایا اور دوسری حدیث میں اپنے اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو کشتی نوح فرمایا، سمندر کا مسافر کشتی کا بھی حاجت مند ہوتا ہے اور تاروں کی رہبری کا بھی کہ جہاز ستاروں کی رہنمائی پر ہی سمندر میں چلتے ہیں۔ اس طرح امتِ مسلمہ اپنی ایمانی زندگی میں اہلِ بیت اَطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بھی محتاج ہیں اور صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بھی حاجت مند، امت کے لئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اقتداء میں ہی اہتداء یعنی ہدایت ہے۔[3]

امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ نے ان احادیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا :

اہلِ سنت کا ہے بیڑا پار ، اصحاب رسول
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

(حدائق بخشش)

---

1 (مراۃالمناجیح شرح مشکوٰۃ ، کتاب المناقب ،باب مناقب الصحابۃ، ج 8، ص 299، حدیث 5757، حسن پبلیشرز، لاھور)

2 (مراۃالمناجیح شرح مشکوٰۃ کتاب المناقب ،باب مناقب الصحابۃ، ج 8، ص 416، حدیث 5915، حسن پبلیشرز، لاھور)

3 (مراۃالمناجیح شرح مشکوٰۃ ، کتاب المناقب ،باب مناقب الصحابۃ، ج 8، ص 416، حدیث 5915، حسن پبلیشرز، لاھور)

☆ لیکن افسوس ! کچھ لوگ خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں اوران کے سینے صحابہ ٔ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کے بغض سے بھرے ہوئے ہیں ،انہیں صحابہ ٔ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کے لئے اِستغفار کرنے کا حکم دیا گیا لیکن یہ انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں: " لوگوں کو حکم تو یہ دیا گیا کہ صحابہ کیلئے اِستغفار کریں اور کرتے یہ ہیں کہ انہیں گالیاں دیتے ہیں"۔ (1)

ایسے لوگوں کے لئے درج ذیل حدیثِ پاک میں بڑی عبرت ہے ۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں نشانہ نہ بناؤ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ستایا اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑے"۔ (2)

جس شخص کے دل میں کسی بھی صحابی کے لیے بغض و نفرت ہو ایسا شخص مومنین کی اقسام سے خارج ہے۔ انکے لیے دعائے مغفرت کرنا یا ان سے کسی قسم کا کوئی تعلق رکھنا جائز نہیں۔

جیسا کہ حدیث پاک میں آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:" آخری زمانہ میں ایک قوم آئے گی جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کو گالیاں دے گی، ان سے بغض رکھے گی، ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے رشتہ نہ کرو، وہ بیمار پڑیں تو عیادت نہ کرو، مر جائیں تو ان کی میت کے پاس نہ جاؤ، ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھو (یعنی دعائے مغفرت نہ کرو) اور نہ ہی ان کے ساتھ نماز پڑھو"۔ (3)

---

1 (صحیح مسلم ، کتاب التفسیر ،باب فی تفسیر آیات، ج 3، ص 715، حدیث 7455 ،فرید بک سٹال ،لاھور)

2 (ترمذی، ابواب المناقب، باب فیمن یسب اصحاب النبی، ج 2، ص 762، حدیث 1796، فرید بک سٹال، لاھور)

3 (کنز العمال، کتاب الفضائل ،باب فی فضائل الصحابہ، ج 6، حصہ 11، ص 257، حدیث 32528، 32542، دار الاشاعت، کراچی)

اور حضور اقدس رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کی بدگوئی کرتے (برا بھلا کہتے) ہیں تو کہہ دو کہ تمہارے شر پر خدا کی لعنت"۔ [1]

ہم تک جو اسلام کی تعلیمات پہنچیں وہ اصحابِ رسول ﷺ ہی کے ذریعے پہنچی ہیں، اس لیے دشمنانِ اسلام کی شروع سے یہ سازش رہی ہے کہ وہ ان حضرات کے قول و فعل سے متعلق شکوک و شبہات پیدا کریں تاکہ پورا دین اسلام ہی مشکوک بنا دیا جائے، لہٰذا اصحاب رسول ﷺ کی محبت اور ان کا دفاع کرنا ہم سب پر لازم ہے۔
حضور جانِ جاناں ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے میری وجہ سے میرے صحابہ کا خیال رکھا وہ میرے پاس میرے حوضِ کوثر پر آئے گا اور جس نے خیال نہیں کیا وہ قیامت کے روز میری زیارت نہیں کر سکے گا مگر دور سے"۔ [2]

حق چار یار:

پیارے آقا کریم ﷺ کے تمام صحابہ ہی سچے، عادل، نیک اور بڑی عظمتوں والے تھے، یہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے چُنا اور قرآنِ پاک میں اور زبانِ مصطفیٰ ﷺ سے انہیں جنت کی بشارتیں دیں۔ اصحابِ رسول ﷺ میں سے چار یارانِ مصطفیٰ ﷺ کا بہت مرتبہ و مقام ہے اور جانِ جاناں حضور ﷺ نے ان کی محبت کو امت پر خصوصی طور پر فرض قرار دیا، چنانچہ، نبیٔ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"بے شک اللہ نے تم لوگوں پر ابو بکر، عمر، عثمان اور علی کی محبت فرض کی ہے جیسا کہ اس نے تم پر نماز، روزے حج اور زکوٰۃ فرض کیے ہیں۔ تو جس نے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی بغض رکھا اس کی کوئی نماز نہیں، کوئی حج نہیں، کوئی زکوٰۃ نہیں اور قیامت کے دن اپنی قبر سے سیدھا جہنم کی طرف اٹھایا جائے گا"۔ [3]

---

1 (ترمذی، کتاب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی، ج2، ص763، حدیث 1800، فرید بک سٹال، لاہور)
2 (کنز العمال، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل الصحابہ اجمالاً، ج11، ص258، حدیث 32534، دار الاشاعت، کراچی)
3 (مقالاتِ قاسمی، ج2، ص140، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا / طبقات حنابلہ)

اور امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو نبیوں اور رسولوں کے سواء سارے جہانوں پر ترجیح دیتے ہوئے پسند فرمالیا ہے اور ان میں سے خصوصاً میرے لیے چار صحابہ کو پسند فرمالیا ہے۔ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی۔ اور انہیں میرے صحابہ میں سے افضل بنایا ہے۔ ویسے میرے سارے صحابہ میں بھلائی ہی بھلائی ہے"۔[1]

حضرت سلطان باہو علیہ رحمہ عقائد اہل سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

از مذھب رفاض وخوارج بےزارم
من کہ سنی دوست دار چار یارم

(میں رافضیوں اور خارجیوں کے مذہب سے بےزار ہوں، میں سنی ہوں اور چار یاروں کا یار ہوں) الحمدُ لِلہ۔

اہلِ بیت میں کون کون شامل ہیں؟ :

قرآن و احادیث کی تمام تصریحات پر نظر کی جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جن ہستیوں کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہلِ بیت میں شامل فرمایا اُنکی تین قسمیں ہیں:

(1) "اصل اہلِ بیت" جن میں ازواجِ مطہرات، چار شہزادیاں اور تمام شہزادے شامل ہیں۔

(2) "داخل اہلِ بیت" جنہیں چادر مبارک کے ذریعے اہلِ بیت میں داخل کیا گیا یعنی سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور

(3) "لاحق اہلبیت" جن میں سیدنا زید بن حارثہ، سیدنا اُسامہ بن زید اور سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شامل ہیں۔[2]

---

1 (الشفاء، باب صحابہ کی عزت و تکریم، ج 2، ص 401، مکتبہ حنفیہ، لاھور)

2 (مقالاتِ قاسمی، ج 2، ص 151، رحمتہ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا / سبع سنابل)

☆ ان مذکور بالا احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ محبت و اخلاص و ادب و تعظیم کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا جان لو کہ اہلِ بیت سے محبت نہ رکھنا خارجیت ہے اور صحابہ پر طعن و تشنیع کرنا رافضیت ہے، جبکہ اہلِ بیت اور صحابہ کرام دونوں سے محبت رکھنا اوران کا ادب و احترام کرنا سُنیّت ہے۔ جس کے دل میں اہلِ بیت اطہار یا صحابہ کرام میں سے کسی کا بغض ہے ، ایسے شخص کی ایمان کی شمع بجھ چکی ہے۔ اسی لیے سنیوں کو جائز نہیں کہ رافضیوں کی مجلس میں شرکت کریں۔ کہ اصحابِ رسول ﷺ کے دشمنوں سے میل جول مومن خالص الاعتقاد کا کام نہیں۔ آدمی اپنے دشمنوں کے ساتھ نشست و برخاست اور بخوش دلی بات کرنا گوارا نہیں کرتا ہے تو دشمنانِ رسول و دشمنانِ اصحابِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیسے گوارا کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت اور عقلِ سلیم عطا فرمائے اور ان کے دلوں کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عظمت و شان سے معمور فرمائے، آمین۔

اسلامِ مَا اطاعتِ خلفائے راشدین
ایمانِ مَا محبتِ آلِ محمد است

مشاجرات صحابہ سے متعلق ہم پر کیا لازم ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے خوشگوار باہمی معمولات اور رشتہ داریوں پر کثیر روایات کتب حدیث و کتب سیرت وغیرہ میں موجود ہیں۔اسی طرح بعض میں باہمی رنجشیں ہوئیں ہم انہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔یہ سب ہمارے قد سے اونچی باتیں ہیں۔جب اُن سب سے جنت کا وعدہ ہو لیا تو اب کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشاجرات صحابہ کو لے کر معاذاللہ اُن پر زبان دراز کرے۔ صحابہ کرام اور اُنکے باہمی معمولات (مشاجرات صحابہ) سے متعلق امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے "فتاویٰ رضویہ" میں ہماری بہترین رہنمائی فرمائی ہے، یہاں چند سطروں میں اعلیٰ حضرت کے کلام کا خلاصہ ملاحظہ کیجیے، فرماتے ہیں:

☆ تابعین سے لے کر قیامت تک امت کا کوئی بڑے سے بڑا ولی کسی کم مرتبے والے صحابی کے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

☆ اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے کسی کا کوئی ایسا فعل منقول ہے جو کم نظر کی آنکھ میں ان کی شان سے قدرے گرا ہوا ہو اور اس میں کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش ملے تو (اس کے بارے میں اہلِ سنت کے علماء اور عوام کا طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ) اس کا اچھا محمل بیان کرتے ہیں ، اسے ان کے قلبی اخلاص اور اچھی نیت پر محمول کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کا سچا فرمان "رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ "(اللہ ان سے راضی) سن کر دل کے آئینے میں تفتیش کے زنگ کو جگہ نہیں دیتے اور حقیقی اَحوال کی تحقیق کے نام کا میل کچیل، دل کے آئینے پر چڑھنے نہیں دیتے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے رتبے ہماری عقل سے وراء ہیں ، پھر ہم اُن کے معاملات میں کیسے دخل دے سکتے ہیں اور ان میں صورۃً جو تنازعات اور اختلافات واقع ہوئے ہم ان کا فیصلہ کرنے والے کون ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم ایک کی طرف داری میں

دوسرے کو برا کہنے لگیں، یا ان جھگڑوں میں ایک فریق کو دنیا طلب ٹھہرائیں، بلکہ یقین سے جانتے ہیں کہ وہ سب دین کی مَصلحتوں کے طلبگار تھے، اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی ان کا نَصبُ العَین تھی، پھر وہ مُجتہد بھی تھے، تو جس کے اجتہاد میں جو بات اللہ تعالیٰ کے دین اور تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شریعت کے لیے زیادہ مَصلحت آمیز اور مسلمانوں کے اَحوال سے مناسب تر معلوم ہوئی، اس نے اسے اختیار کیا، اگرچہ اجتہاد میں خطا ہوئی اور ٹھیک بات ذہن میں نہ آئی لیکن وہ سب حق پر ہیں اور سب واجبُ الاحترام ہیں، ان کا حال بالکل ایسا ہے جیسا دین کے فروعی مسائل میں خود علمائے اہلِ سنت بلکہ ان کے مُجتہدین مثلاً امامِ اعظم ابو حنیفہ اور امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہما کے اختلافات ہیں۔

☆ رب تعالیٰ سب (اصحابِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) سے بے عذاب جنت اور بے حساب کرامت و ثواب کا وعدہ فرما چکا ہے، تو اب دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر اعتراض کرے، کیا اعتراض کرنے والا، اللہ تعالیٰ سے جدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، اس بیان کے بعد جو کوئی کچھ (اصحاب رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بارے میں) بکے وہ اپنا سر کھائے اور خود جہنم میں جائے۔[1]

عظمت اصحاب رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے متعلق یہ طویل کلام ہم نے اس لیے پیش کیا کہ فی زمانہ سوشل میڈیا پر بہت سے لوگ اصلاح اور تاریخی حقائق کے نام پر لوگوں کو اصحاب رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے متعلق بد ظن کرتے دیکھے گئے ہیں، عاجز بذاتِ خود ایسے لوگوں کو جانتا ہے جو سوشل میڈیا کی اس آفت کا نشانہ بنے اور خوش عقیدگی سے بد عقیدگی کی گہری کھائی میں جا گرے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اصحابِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت سے معمور فرمائے اور ان پاکانِ اُمت کے صدقے ہماری بے حساب بخشش و مغفرت فرمائے، آمین!۔

اے عزیز مذکورہ بالا تمام کلام سے اجتماعیت ثابت ہو گئی اور اور تفرقہ مٹ گیا۔

---

1 (ماخوذ تفسیر صراط الجنان، ج9، ص419، مکتبۃ المدینہ، کراچی/فتاوی رضویہ، ج29، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

Insurance policy

انشورنس کروانا کیسا ہے؟

لائف، املاک و اعضاء کی انشورنس سود، ظلم اور جوا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام وناجائز ہے، اس کی وضاحت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

لائف انشورنس کا طریقہ کار:

لائف انشورنس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ انشورنس کمپنی اور انشورنس کرانے والے کے درمیان ایک مخصوص معاہدہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں اتنی رقم بلاقساط کمپنی کو ادا کرے گا، جن میں ہر قسط اتنے روپے کی ہوگی اور مدت پوری ہونے پر وہ رقم اضافے کے ساتھ اسے کمپنی کی طرف سے واپس کر دی جائے گی۔

انشورنس پالیسی میں ملنے والی اضافی رقم سود کیسے؟

انشورنس کمپنی، انشورنس پالیسی لینے والے سے اس کی رقم منافع کمانے یعنی کاروبار کرنے کی غرض سے لیتی ہے۔ جبکہ شرعی طور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دیگر قباحتوں کے ساتھ ساتھ کاروبار کے تمام شرعی اصولوں شرکت و مضاربت (*investment and partnership*) کی پاسداری نہیں کی جاتی جس کی بناء پر اس رقم کی حیثیت فقط قرض (*loan*) کی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے پالیسی لینے والا شخص (قرض خواہ) اور انشورنس کمپنی (قرض دار) کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمپنی کو کچھ بھی ہو جائے لوگ اپنی رقم واپس ضرور لیتے ہیں جو کہ قرض ہونے کی دلیل ہے، اب چونکہ شرعی اعتبار سے قرض پر معاہدے کے تحت کچھ زائد منافع لینا اگرچہ فکس (*fix*) نہ ہو سود ہوتا ہے اور اس انشورنس پالیسی کے معاہدے کے تحت کمپنی پالیسی ہولڈر کو جمع شدہ رقم پر زائد رقم دینے کی پابند ہوتی ہے۔ اس لیے انشورنس پالیسی خالص سودی معاملہ ہے۔

قرض پر نفع لینے سے متعلق رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا :

"ہر وہ قرض جس سے نفع ملے وہ سود ہے " [1]

سودی نفع کی مذمت :

سودی نفع کی قرآن و حدیث میں مذمت بیان کی گئی ہے اور اسے اللہ و رسول کے ساتھ جنگ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

(1) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[2]

ترجمہ کنزالعرفان : "اے ایمان والو! دُگنادر دُگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں کامیابی مل جائے"

(2) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۚ [3]

ترجمہ کنزالعرفان: "اے ایمان والو! اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ پھر اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے لڑائی کا یقین کرلو"

سود کی مذمت پر دو حدیث پاک ملاحظہ کیجیے:

(1) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور سیدُ المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب اس گناہ میں برابر ہیں۔[4]

(2) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا : "سود کا گناہ 73 درجے ہے ،ان میں سب سے چھوٹا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے"۔[5]

---

1 (کنز العمال، کتاب الدعوی، فصل فی لواحق کتاب الدین، ج 6، ص 533، حدیث 15516، دار الاشاعت کراچی/ابن ابی شیبہ)

2 (ال عمران، آیت 130)

3 (البقرہ، آیت 289-290)

4 (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ و المزارعتہ، باب اللعن اکل الربا و موکلہ، ج 2، ص 384، حدیث 4069، فرید بک سٹال، لاھور)

5 (مستدرک، کتاب البیوع، ان اربی الربا عرض الرجل المسلم، ج 2، حدیث 2259، شبیر برادرز، لاھور)

انشورنس پالیسی ظلم کیسے ؟

ظلم کی صورت یہ ہے کہ انشورنس کرانے والا اگر دو یا تین قسطیں دینے کے بعد باقی اقساط ادا نہ کرے اور پالیسی ختم کرناچاہے تواس کی ذاتی جمع کروائی ہوئی رقم اس کو واپس نہیں دی جاتی۔اور یہ بات صریحاً ظلم وناجائز ہے۔قرآن وحدیث کے خلاف اور باطل طریقے سے ایک مسلمان کا مال کھاناہے۔اور کسی کا مال کھانے کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [1]

ترجمہ کنزالعرفان : "اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ "

اور حدیث پاک کسی کا مال ظلماً لینے کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے : " جس نے بالشت بھر زمین ظلماً لی (یعنی غصب کی) بروزِ قیامت اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا" [2]

انشورنس پالیسی جواء کیسے ؟

املاک یعنی مکان و دکان و گاڑی وغیرہ کی انشورنس یوں ہوتی ہے کہ انشورنس کمپنی اور انشورنس کروانے والے کے درمیان ایک مخصوص معاہدہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں اتنی رقم بالاقساط کمپنی کو ادا کرے گا جن میں ہر قسط اتنے روپے کی ہوگی اور اس مدت کے اندر وہ املاک ضائع ہوگئیں تو کمپنی اس کی تلافی کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔اور اگر املاک کو کوئی نقصان نہ پہنچا تو قسطوں کی صورت میں ادا کی گئی رقم ضائع ہو جائے گی۔یہ سوائے جوا کے کچھ نہیں کہ جوا میں بھی یہی ہوتا ہے کہ یا تو آئیں گے یا جائیں گے۔اور جوے کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [3]

---

1 (البقرۃ،آیت188)

2 (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ،باب تحریم الظلم وغصب،ج 2، ص 394، حدیث 4108، فرید بک سٹال،لاھور)

3 (المائدۃ،آیت90)

ترجمہ کنزالعرفان: "اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور قسمت معلوم کرنے کے تیر ناپاک شیطانی کام ہی ہیں تو ان سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ"۔

جوے کی مذمت بیان کرتے ہوئے آقا کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"جس نے نرد شیر (جوئے کا ایک کھیل) کھیلا تو گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں ڈبو دیا"۔[1]

☆ لہٰذا انشورنس پالیسی سود، ظلم اور جوا پر مشتمل معاملہ ہونے کی وجہ سے ناجائز و حرام ہے۔

سودی رقم کا کیا کرنا چاہیے :

انشورنس میں جو نفع زیادہ ملتا ہے وہ سود ہونے کی وجہ سے ملک خبیث ہے اور ملک خبیث کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا حرام ہوتا ہے۔ ایسے مال کا حکم یہ ہے کہ جس سے لیا اُسے واپس کرے، اگر وہ موجود نہیں تو اُسکے وارثوں کو دے، اگر اُنہیں بھی نہ پائے تو بغیر ثواب کی نیت سے کسی شرعی فقیر کو دیدے (شرعی فقیر یعنی جسے زکوۃ و فطرانہ دیا جاسکتا ہے)۔

امام اہلِ سنت مجددِ دین و ملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" زرِ حرام (حرام مال) والے کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس سے لیا اسے واپس دے وہ نہ رہا اس کے وارثوں کو دے پتہ نہ چلے تو فقراء پر تصدق کرے یہ تصدق بطور تبرع و احسان و خیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مال خبیث میں اسے تصرف حرام ہے اور اس کا پتہ نہیں جسے واپس دیا جاتا لہٰذا دفع خبث و تکمیل توبہ کے لیے فقراء کو دینا ضرور ہوا، اس غرض کے لئے جو مال دفع کیا جائے وہ مساجد وغیرہ امور خیر میں صرف کہ خبیث ہے اور یہ مواضع خبیث کا مصرف نہیں، ہاں فقیر اگر لے کر بعد قبول و قبضہ اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو مضائقہ نہیں۔[2][3]

---

1 (صحیح مسلم، کتاب الشعر، باب تحریم اللعب بالنردشیر، ص208، حدیث5856، فرید بک سٹال، لاهور)

2 (فتاویٰ رضویہ، ج17، ص352، رضا فاؤنڈیشن، لاهور)

3 (ماخوذ فتاویٰ، دارالافتاء فیضانِ شریعت)

☆بینک سے ملنے والے اس اضافی رقم (سود) سے متعلق بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ لا علمی کی وجہ سے اگر کسی نے (saving account) کے بجائے (current account) میں پیسہ رکھوا دیا اور کچھ عرصہ بعد اس پر اضافی رقم جمع ہو چکی ہے تو اب اُسے چاہیے کہ اِس اضافی رقم کو بینک سے نکلوا کر بغیر ثواب کی نیت سے کسی شرعی فقیر کو دے دیں اور اس کو بینک میں پڑا نہ رہنے دیں، کیونکہ عین ممکن ہے بینک والے یہ پیسہ دوبارہ کسی سودی معاملے میں لگائیں یا بعض اوقات یہ پیسہ دین و مسلک کے خلاف بھی استعمال ہوتا دیکھا گیا ہے، لہٰذا اِس اضافی رقم کو بینک سے نکلوا کر بغیر ثواب کی نیت سے کسی شرعی فقیر کو دینا بھی جائز ہے۔

بینک فکس ڈپوزٹ:

بینک میں (fixed deposit) کی صورت میں کچھ رقم جمع کروائی جاتی ہے ،یہ رقم ایک طے شدہ مدت تک (fixed deposit account) میں رہتی ہے۔اس پر بینک کچھ عرصہ گزرنے کے بعد رقم جمع کرانے والے کو منافع (profit) دیتا ہے۔چونکہ جمع کرائی گئی رقم ایک قرض کی حیثیت رکھتی ہے اور قرض کی واپسی پر کچھ منافع لینا سود ہے۔ لہٰذا یہ منافع میں حاصل ہونے والی رقم خالص سود ہوتی ہے، اسے اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ۔ بچوں کے نام پر ایک خاص مدت کے لیے بینک میں پیسے جمع کروا دینا اور پھر اس پر سے منافع لینا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔اس سے متعلق مزید وضاحت انشورنس کے باب میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ ہو۔ بینک سے سودی قرضے لینا بھی جائز نہیں۔[1]

1 (ماخوذ مقالاتِ سعیدی،ص366،فرید بک سٹال،لاہور)

Time Value of Money

سود کا ایک حیلہ :

کچھ عرصہ قبل میرے ایک اکنامکس کے پروفیسر کی جانب سے اسلامک بینکنگ کے ایک اصول پر اعتراض اٹھایا گیا اور علماء سے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ اس مسئلہ کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور انجانے میں اِسے سود کہہ دیتے ہیں۔ اعتراض کچھ یوں تھا کہ :
"اگر بلا سود قرض دینے کا رواج ہو جائے تو یہ کسی قرض دینے والے پر زیادتی کا سبب بن سکتا ہے۔ مثلاً: ایک شخص کسی کو دس سال کے لیے ایک ہزار روپیہ کسی نجی ضرورت میں قرض (loan) دیتا ہے اور چونکہ افراطِ زر (inflation) کی وجہ سے دن بدن کرنسی کی قیمت (value) گھٹ رہی ہے۔ لہٰذا دس سال کے بعد اس ایک ہزار روپیہ کی قیمت (value) صرف سو روپیہ رہ جائے گی۔ اس لیے قرض دینے والے کو سود لینے کا حق ملنا چاہیے تاکہ اُسکا نقصان نہ ہو"۔
بظاہر یہ اعتراض درست لگا اور اس کا جواب جاننے کا اشتیاق بھی ہوا، لہٰذ میں نے اس اعتراض کا شرعی جواب جاننے کے لیے دارالافتاء اہلسنت (دعوتِ اسلامی) سے رجوع کیا اور الحمدُ لِلّٰہ مفتیانِ دعوتِ اسلامی کی جانب سے اس اعتراض پر عین شرعی اصولوں کے مطابق تفصیلی تحریری جواب پایا۔ مفسرِ قرآن شارح بخاری و مسلم علامہ غلام رسول سعیدی علیہ رحمہ نے بھی مقالاتِ سعیدی میں اس سے متعلق مختصراً لکھا ہے۔ ہم یہاں ان دونوں کلاموں کو ترتیب و اضافہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

شریعت کا اصول :

اعتراض میں بیان کیے گئے فلسفے کو دلیل بنا کر قرض پر سے نفع لینا جائز نہیں ہو گا، یہ فقط سود کو جائز قرار دینے کا ایک حیلہ ہے۔ دراصل سود کو شریعت نے ہر صورت حرام

قرار دیا ہے۔ سود کی تعریف یہ ہے کہ " مسلمان کو دیے گئے قرض پر جو (مشروط) نفع (profit) ملے وہ سود ہے "۔ قرض میں یہ اصول ہے جو چیز قرض دی جائے وہی چیز اتنی ہی مقدار میں واپس لی جائے گی۔ اس کی قیمت (value) کا اعتبار نہیں ہو گا۔

حدیث پاک میں ہے : "ہر وہ قرض جس سے نفع ملے وہ سود ہے " [1]

واضح ہو گیا کہ اعتراض میں بیان کی گئی صورت سودی ہے، اس فلسفہ کو دلیل بنا کر قرض پر نفع لینا جائز نہیں ہو گا۔ لہٰذا اگر کسی نے ایک لاکھ روپے قرض دیے تو واپسی پر ایک لاکھ روپے ہی لے گا، یہ نہیں کر سکتا کہ واپسی پر لاکھ سے زیادہ لے اگرچہ لاکھ کی قدر (value) کم ہو جائے۔ یونہی اگر کسی نے دو تولہ سونا قرض دیا تو واپسی پر دو تولہ سونا ہی لے گا، یہ نہیں ہو سکتا کہ دے سونا اور دیتے وقت یہ شرط ہو کہ واپسی پر اتنے پیسے لوں گا۔ یعنی جو چیز دے گا وہی واپس لینی ہو گی۔ ہاں بغیر شرط کے قرض واپس کرتے وقت مقروض اپنی خوشی سے کچھ رقم زیادہ دے یا جو چیز قرض لی تھی اس سے اعلیٰ چیز واپس کرے تو یہ لینا جائز ہے۔

اگر پیسے دے کر زیادہ پیسے کسی بھی وجہ سے لیے جائیں تو وہ سود ہی ٹھہرے گا۔ یہ کہنا کہ پیسے کی قدر (value) کم ہوتی ہے اس لیے قرض دینے والا خسارے میں ہے ، (value) کے اعتبار سے کچھ رقم زیادہ ہونی چاہیے۔ یہ بات درست نہیں کیونکہ اگر پیسے کی قدر کو مد نظر رکھا جائے تو سود کے ساتھ ساتھ لڑائی جھگڑے کی صورت بن جائے گی کیونکہ :

☆ ہر کوئی اپنی ہی (value) متعین کرے گا۔

☆ اگر کہا جائے کہ حکومت کی طرف سے یہ (value) مقرر ہو تو یہ بہت مشکل ہے کہ حکومت اس قسم کا کوئی معیار بنا سکے۔

☆ اگر بالفرض بن بھی جائے تو عوام حکومت کی اس بات یعنی فکس کی گئی (value) پر عمل کرے یہ بھی مشکل ہے۔

---

1 (کنز العمال ، کتاب الدعوی، فصل فی لواحق کتاب الدین، ج 6، ص 533، حدیث 15516، دار الاشاعت کراچی/ابن ابی شیبہ)

☆ اور اگر بالفرض کسی ملک کی معیشت ترقی کر جائے اور پیسے کی قدر (value) بڑھ جائے، تو کیا اب وہ شخص جس نے قرض دیا تھا۔ وہ واپسی پر کم پیسے لینے کو تیار ہو گا؟؟ یا صرف پیسے کی قدر کم ہونے پر اس سودی حیلے کا خیال آیا۔

اصولِ شرعی کی حکمت :

ان پیچیدگیوں اور لڑائی جھگڑوں سے بچنے کے لیے شریعت نے بعض اشیاء میں اسی لیے قرض کا لین دین حرام قرار دیا کہ اس کی واپسی میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ جیسے جو شے مثلی نہیں اس کا قرض میں دینا اور لینا ناجائز اس وجہ سے ہے کہ قرض میں مثل لوٹانے کا حکم ہے، تو جب اس کی مثل (اس طرح کی کوئی چیز) ہی نہیں تو مثل کیسے واپس کی جائے۔ مثلاً بھینس ہی کو لیجیے کہ ہر بھینس ایک طرح کی نہیں ہوتی، کوئی موٹی ہوتی ہے تو کوئی دبلی پتلی۔ قرض خواہ کہے گا میں نے یہ بھینس لینی ہے، مقروض کہے گا: نہیں آپ کی اُس طرح کی تھی نتیجہ یہ ہو گا کہ دونوں میں جھگڑا ہو گا جو شریعت کو سخت ناپسند ہے، اسی وجہ سے یہ ناجائز ہے۔ یونہی غیر منقولی اشیاء جیسے زمین اور ہر وہ چیز جس میں تفاوت ہو کہ اس جیسی واپس کرنی مشکل ہو، اسے قرض میں دینا جائز نہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے : "ادائے قرض میں چیز کے سستے مہنگے ہونے کا اعتبار نہیں مثلاً دس سیر گیہوں قرض لیے تھے اُن کی قیمت ایک روپیہ تھی اور ادا کرنے کے دن ایک روپیہ سے کم یا زیادہ ہے اس کا بالکل لحاظ نہیں کیا جائے گا وہی دس سیر گیہوں دینے ہونگے"۔[1]

در مختار اور رد المختار میں ہے :"قرض مثلی چیز میں صحیح ہے نہ کہ اس کے غیر قیمتی (مثلی) چیزوں میں جیسا کہ حیوان لکڑی، غیر منقولی اشیاء جیسے زمین اور ہر وہ چیز جس میں تفاوت ہو کہ اس جیسی واپس کرنی مشکل ہو"۔[2]

---

1 (بہارِ شریعت، حصہ، ص 11، ص 757، مکتبۃ المدینہ، کراچی/الدر المختار، کتاب البیوع/فتاویٰ ہندیہ، کتاب البیوع)

2 (ردالمختار، کتاب البیوع، فصل فی القرض/بدائع الصنائع، کتاب القرض)

مسئلہ کا حل :

اس مشکل کا حل سود نہیں، پیسوں کی قدر (value) کم ہونے کا خدشہ ہو تو اِسکا حل شریعت میں موجود ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ قرض دینے والا مقروض کو ایک ہزار روپیہ کی پاکستانی کرنسی کے بجائے ایک ہزار روپیہ کی مستحکم کرنسی (stable currency) مثلاً ڈالر، پاونڈ یا ریال دے، یا کوئی جنس مثلاً غلہ یا چاول وغیرہ (تول کے) دے اور دس سال بعد اتنی ہی غیر ملکی کرنسی یا غلہ اور چاول وصول کرے اور مقروض اس کو اس کی پیش کش کرے۔ اس صورت میں قرض خواہ کو کوئی نقصان بھی نہیں ہو گا اور وہ سود کی لعنت سے بھی محفوظ رہے گا۔ اسی طرح ایک طریقہ یہ ہے کہ روپوں کے بجائے سونا، چاندی قرض دے اور واپس بھی وہی لے، سونے چاندی وغیرہ کی قیمت بھی مستحکم رہتی ہے۔ ان صورتوں میں اگر کسی چیز کی قدر (market value) بڑھ بھی جائے تو کچھ معنی نہیں رکھتا کیونکہ یہ قرض کا معاملہ شریعت کے اصول (جو دیں گے وہی لیں گے) کے مطابق طے پایا ہے۔

احادیث میں پیشینگوئی :

شرعی احکامات میں اپنی عقلی قیاس آرائیاں کرنے سے بچنا ضروری ہے۔ اپنی تمام دینی و دنیاوی معمولات سے متعلق شرعی احکامات جاننے کے لیے علماء سے رجوع کرنا چاہیئے۔ رقم کی ویلیو کم ہونے یا کسی اور بات کو دلیل بنا کر قرض پر اضافی ملنے والی سودی رقم کو حلال ٹھہرا لینا ایک حرام عمل ہے۔ احادیث میں اس سے متعلق پیشینگوئیاں کی گئی ہیں کہ بعض لوگ سود کو حلال ٹھہرا لیں گے چنانچہ :

(1) امام اوزاعی علیہ رحمہ سے روایت ہے، آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :" لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ سود کو خرید و فروخت میں حلال بنا لیں گے "۔[1]

(2) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :"جب یہ اُمت شراب کو نبیذ کے ساتھ اور سود کو کاروبار کے ساتھ حلال بنا لے گی اور رشوت کو تحفہ بنا لے گی اور تجارت کو زکوٰۃ بنا لے گی تو اس

---

1 (ذخیرۃ العقبی، فی شرح المجتبی، کتاب البیوع، بیعتین فی بیعتہ، ج 35، ص 140، دار المعراج الدولیۃ)

وقت ان بڑھتے ہوئے گناہوں کے سبب ان کی ہلاکت ہو گی"۔[1]

صدقہ (قرض) اور کاروبار میں فرق کیجیے :

قرض کو کاروبار کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے
بلکہ اس میں خیر خواہی اور نیکی کو مد نظر رکھنا چاہیے کہ جب بندہ کسی کو صدقہ دیتا ہے تو جسے صدقہ دیا جائے وہ واپسی میں ایک روپیہ بھی نہیں دیتا، لیکن بندہ مومن اس لیے صدقہ دیتا ہے کہ صدقہ کے بہت فضائل و برکات ہیں۔ تو قرض دینا بھی صدقہ ہے بلکہ صدقہ سے بھی بڑھ کر نیکی ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے مسلمان کو قرض دے کر اس سے کاروبار نہ کرے کہ مقروض زیادہ پیسے واپس کرے بلکہ یہ نیت ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک مسلمان کی مدد کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ دنیا و آخرت میں اس قرض کا بہترین اجر عطا کیا جائے گا۔[2] قرض پر اجر و ثواب سے متعلق ذیل میں دو احادیث ملاحظہ ہوں :

(1) ارشاد نبوی ﷺ ہے :" کوئی شے قرض میں دینا صدقہ میں دینے سے بہتر ہے"۔[3]

(2) اور رسول اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا : " میں نے شبِ معراج جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقہ کا ثواب دس گنا اور قرض دینے کا ثواب اٹھارہ گنا ہے۔ چنانچہ، میں نے جبرائیل سے اس بارے میں پوچھا کہ قرض کے صدقہ سے افضل ہونے کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ (صدقہ تو) وہ بھی مانگ لیتا ہے جو محتاج نہ ہو مگر قرض مانگنے والا حاجت و ضرورت کے بغیر قرض نہیں مانگتا"۔[4]

---

1 (کنز العمال، کتاب القیامتہ، قسم الاول حرف قاف، ج11، ص118، حدیث 31311، دار الاشاعت، لاھور)
2 (ماخوذ فتاویٰ دار الافتاء اھلسنت دعوتِ اسلامی، ریفرنس LAR9294/مقالاتِ سعیدی ص369، فرید بک سٹال، لاھور)
3 (السنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب البیوع، باب فی فضل الاقراض، ج5، ص354، مکتبۃ دار الباز، مکتہ المکرمتہ)
4 (سنن ابن ماجہ، کتاب الصدقات، باب القرض، ج2، ص109، حدیث 2421، ضیاء القران پبلی کیشنز، لاھور/شعب الایمان)

بیرون ملک مقیم شخص کو قرض دینے سے متعلق ایک مسئلہ :

ایک اہم مسئلہ جو
عمومی طور پر بیرون ملک قرض کی رقم بھجوانے پر پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی دوسرے ملک میں مقیم شخص کو قرض دینے پر (قرض کی) واپسی کے وقت کس ملک کی کرنسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ قرض دینے والے کی یا قرض لینے والے کی؟

تفصیل : مثال کے طور پر زید نے کویت سے بکر کو پاکستان میں 2 ہزار دینار بطور قرض بھیجے۔یوں کہ زید نے کویت میں کرنسی ایکسچینج کمپنی سے رابطہ کیا اور اسے دینار کی شکل میں رقم ادا کی اور انہوں نے وہ رقم بکر کے پاکستانی بینک اکاؤنٹ میں پاکستانی کرنسی کی صورت میں ٹرانسفر کر دی۔یوں بکر کے اکاؤنٹ میں 2 ہزار دینار کی مالیت کے برابر پاکستانی کرنسی پہنچ گئی (مثال کے طور پر 7 لاکھ روپے بکر کے اکاونٹ میں پہنچے جو بکر نے وصول کیے)۔ زید نے قرض دیتے وقت بکر کو کہا تھا کہ جب آپ واپس کروگے تو میں دینار ہی واپس لوں گا۔اب کچھ عرصہ بعد جب قرض کی ادائیگی کا وقت آیا تو دینار کی قدر (value) میں اضافہ ہو چکا تھا۔
اب سوال یہ ہے کہ قرض کی واپسی کے وقت کیا 2 ہزار دینار واپس دینا ہوں گے یا 7 لاکھ پاکستانی روپے جو بکر نے وصول کیے تھے وہ واپس کرنا ہونگے۔؟
اس سوال کا جواب یہ ہے کہ زید بکر سے فقط اتنی پاکستانی کرنسی لینے کا مستحق ہے، جتنی بکر کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوئی تھی (یعنی 7 لاکھ روپے)۔اس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا یا پاکستانی کرنسی کے بجائے کسی اور کرنسی کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔

اس مسئلہ کی تفصیل اور وجہ کچھ یوں ہے کہ زید نے بکر کو جب قرض دیا تو اگرچہ اس نے کویت سے دینار بھیجے لیکن جو چیز بکر کے اکاؤنٹ میں پہنچی اور اسے ملی وہ پاکستانی کرنسی تھی نہ کہ دینار۔اور قرض کا شرعی اصول یہ ہے کہ جو چیز جس حالت میں مقروض نے وصول کی اسی کی مثل اتنی ہی چیز واپس کرنا مقروض پر لازم ہے۔اس کے برخلاف قرض دیتے وقت یہ طے کر لینا

کہ اس سے اعلیٰ کوالٹی کی چیز واپس کرنی ہوگی یا قرض میں دی گئی چیز کے علاوہ کوئی اور چیز واپس کرنے کی شرط لگانا جائز نہیں بلکہ ایسی شرط باطل وکالعدم ہے۔[1][2]

لہٰذا چاہیے کہ بیرون ملک کسی شخص کو قرض دیتے وقت اس چیز کو ملحوظ خاطر رکھا جائے وگرنہ بعد میں مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس مسئلہ کا حل :

اس مسئلہ کا ایک حل یہ ہے کہ قرض لیتے وقت قرض لینے والا قرض دینے والے کے ملک میں کسی شخص کو اپنا وکیل مقرر کر دے جو اِس کی طرف سے قرض کی رقم وصول کر لے۔ اب اس صورت میں وکیل نے جو رقم جس کرنسی میں وصول کی ہے وہی قرض خواہ کو واپس کرنا ہوگی، کہ قرض کا اصول یہی ہے کہ جو چیز جس حالت میں مقروض نے وصول کی اسی کی مثل اتنی ہی چیز واپس کرنا مقروض پر لازم ہے۔

مثال کے طور پر بکر نے زید سے قرض لینے کے لیے زید کے ملک (کویت) میں کسی شخص (عمر) کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ عمر نے زید سے 2 ہزار دینار وصول کیے اور پاکستان میں ایکسچینج کمپنی کے ذریعے بکر کو بھجوادیئے۔ اب اس صورت میں اگرچہ ایکسچینج ہو کر بکر کے اکاونٹ میں 7لاکھ روپے ہی آئے لیکن چونکہ اب وصول بکر نے نہیں بلکہ بکر کے وکیل عمر نے کیے تھے اور وکیل (عمر) کا وصول کرنا درحقیقت بکر کا ہی وصول کرنا ہے ، لہٰذا اب پیسے کی قدر (value) کم ہو یا زیادہ۔ قرض کی واپسی کے وقت بکر کو 2ہزار دینار ہی واپس کرنا ہوں گے۔

---

1 (ماخوذ فتاویٰ دارالافتاء اہل سنت دعوتِ اسلامی، ریفرنس نمبر UK34)

2 مسئلہ (پیسے کی قدر) سے متعلق مزید وضاحت اور فقہا کی عبارات دیکھنے کے لیے دارالافتاء اہل سنت دعوت اسلامی کے فتاویٰ ریفرنس نمبر LAR9294اور ریفرنس نمبر UK 34 کی طرف رجوع کیجیے۔

قسطوں پر خرید و فروخت
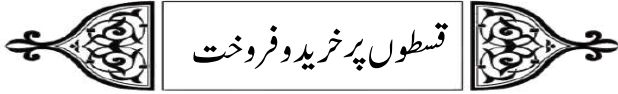
قسطوں کے کاروبار سے متعلق حکمِ شرعی:

مختلف افراد، کمپنیاں اور ادارے ادھار پر سامان فروخت کرتے ہیں اور قیمت اقساط (installments) پر وصول کی جاتی ہے قیمت باہمی رضامندی سے طے کرلی جاتی ہے، عام طور پر یہ موجودہ بازاری قیمت سے زیادہ ہوتی ہے، اسی طرح قسط کی رقم اور ادائیگی کی کل مدت پہلے سے طے ہوتی ہے۔ مبیع (sold item) خریدار کے حوالے کرکے اس کی مِلک میں دے دی جاتی ہے، تو یہ عقد شرعاً جائز ہے۔(یہ سود بلکل نہیں کیونکہ اس میں بیچنے والے نے اپنی چیز کی رقم بیچنے سے قبل ہی فکس کی ہے اور خریدنے والے نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا لہٰذا یہ عقد جائز ہے)۔ بشرطیکہ یہ کہ اس میں یہ شرط شامل نہ ہو کہ اگر خدانخواستہ مقررہ مدت میں اقساط کی ادائیگی میں تاخیر ہوگئی تو ادائیگی کی اضافی مدت کے عوض قیمت میں کسی خاص شرح سے کوئی اضافہ ہوگا۔ اور اگر تاخیری مدت کے عوض قیمت میں اضافہ کردیا تو یہ سود ہے اور حرام ہے۔ فی نفسہ حدودِ شرع کے اندر اقساط کی بیع جائز ہے۔ قسطوں پر سامان لینے پر جو اضافی رقم ادا کی جاتی ہے وہ سود میں شمار نہیں۔[1]

1 (تفہیم المسائل، ج 8، ص 303، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

GP Fund
DSP Fund

سرکاری اور چند پرائیوٹ اداروں میں (gp fund) ، (dsp fund) وغیرہ کے نام سے کچھ (schemes) متعارف کروائی جاتی ہیں جس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ان اداروں میں کام کرنے والے ملازمین کی تنخواہوں میں سے ہر مہینے ایک مخصوص رقم کی کٹوتی کرلی جاتی ہے اور ریٹائیرمینٹ کے موقع پر اس جمع شدہ رقم پر کچھ منافع (profit) دیا جاتا ہے۔ اس منافع کے حلال و حرام ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ چنانچہ مفتی اکمل حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(1) پہلی صورت یہ ہے کہ ملازم (employe) اس سکیم پر راضی نہیں ہے اور زبردستی اُس کی تنخواہ میں کٹوتی کی گئی ہو اور ملازم یہ بھی نہیں جانتا کہ اس پیسے کو کاروبار میں لگایا بھی گیا ہے یا نہیں۔ تو یہ مال غصب کرنے کی صورت ہے۔ ایسی صورت میں اُس کی اصل رقم تو اُس کے لیے لینا جائز ہے۔ البتہ اس مال پہ ملنے والا منافع نہ لے تو اس کے لیے بہتر ہے۔ لیکن چونکہ یہ مال زبردستی غصب کیا گیا تھا اور اب مال غصب کرنے والا ادارہ خود اپنی مرضی سے اصل پیسہ واپس کرتے وقت کچھ اضافی رقم دے، تو یہ لینا ناجائز و حرام بھی نہیں۔

(2) دوم یہ کہ کوئی ملازم اپنی مرضی سے تنخواہ میں سے کٹوتی کی اجازت دے مثلاً کسی فارم پر (yes / no) کہ جگہ (yes) پر نشان لگا دے۔ اور اس کے اور ادارے کے درمیان کاروبار کے کسی اصول شرکت یا مضاربت (investment or parntnership) کا معاہدہ بھی نہیں، تو اب اس کے مال کی شرعی حیثیت صرف ایک قرض کی ہے۔ اور سے اس مال پر منافع لینا شرعاً جائز نہیں کہ حدیث پاک میں ہے: "ہر وہ قرض جس سے نفع ملے وہ سود ہے" [1]

---

1 (کنز العمال ، کتاب الدعوی، فصل فی لواحق کتاب الدین، ج 6، ص 533، حدیث 15516، دار الاشاعت کراچی/ابن ابی شیبہ)

(3) تیسری صورت یہ ہے کہ ادارہ ملازم سے کہے کہ ہم اس کی تنخواہ سے ہر ماہ اتنی رقم کسی کاروبار میں لگائیں گے، ریٹائرمینٹ کے وقت آپکی اصل رقم اور جمع ہونے والا منافع آپکو دے دیا جائے گا اور (یہ منافع (percentage) میں طے ہو فکس رقم میں نہ ہو) اب اگر ملازم اجازت دیدے، تو یہ حاصل ہونے والا مال حلال ہے۔ ایسے میں ملازم کو یہ جاننے کی بھی حاجت نہیں کہ یہ پیسہ کس کاروبار میں ادارہ لگائے گا (اصولِ مضاربت)۔ (یہاں یہ بات یاد رہے کہ اب چونکہ یہ ایک خالص کاروباری معائدہ ہے لہٰذا یہ ملنے والا منافع نہ ہی فکس ہو سکتا ہے اور نہ ہی منافع کی گارنٹی ہے بلکہ اگر کوئی (loss) ہو جائے تو نقصان اٹھانا ہو گا)۔

زکوٰۃ کا حکم

زکوٰۃ اراکینِ اسلام میں سے ہے۔فی زمانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے معاملہ میں لوگ بہت غفلت برتتے ہیں، عوام کی ایک اکثریت ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتی۔ اپنے مال کو ناپاک کر کے یعنی زکوٰۃ ادا نہ کر کے، دنیاو آخرت میں غضبِ الٰہی کے مستحق ہو کر یہ سمجھنا کہ مال میں کثرت ہو گئی ہے ، بہت بڑی حماقت ہے۔ ہم ایسے مال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں جو اللہ عزوجل کے غضب کا سبب بنے۔ ترغیب کے لیے یہاں زکوٰۃ سے متعلق مختصراً لکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ایک گروہ جو تمام اراکینِ اسلام پر عمل کرتا تھا، لیکن انہوں نے زکوٰۃ کی دائیگی سے جب انکار کیا تو خلیفہ اول سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اور فرمایا: " زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر یہ (لوگ) رسول اللہ ﷺ کو بطور زکوٰۃ جمع کروانے والی رسی بھی روکیں گے تو میں ان سے ضرور جہاد کروں گا"۔[1] اس سے اسلامی معاشی نظام میں زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں سے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ، یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔[2]

ترجمہ کنزالعرفان : "اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ۔ جس دن وہ مال جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا تو اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو"

---

1 (صوفیا کرام کی مجاھدانہ زندگی ،ج1،ص 248، مکتبہ طلع البدر علینا ،لاھور)

2 (التوبہ،34-35)

زکوٰۃ سے متعلق چند ضروری احکام :

ہر صاحبِ نصاب شخص پر مال کی زکوٰۃ فرض ہے۔
صاحبِ نصاب شخص پر سال گزرنے کے بعد حاجتِ اصلیہ (یعنی سامان جو استعمال میں ہو) کے علاوہ موجود مال پر اڑھائی فیصد (2.5 percent) کُل مال میں سے زکوٰۃ ہے۔

صاحب نصاب :

فی زمانہ چونکہ کرنسی نوٹ کے ذریعے ہی خرید و فروخت ہوتی ہے لہٰذا جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی جتنی رقم جو کہ آج مورخہ 9 مئی 2021 کے مارکیٹ ریٹ کے مطابق کم و بیش (75000) بنتی ہے موجود ہو، تو وہ شخص مالکِ نصاب کہلائے گا، اُس پر زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

☆ جس مال پر زکوٰۃ دینی ہے وہ چار ہیں: سونا ، چاندی، مالِ تجارت، کرنسی نوٹ (بینک بیلنس، جیز اکاونٹ ، ایزی پیسہ ، جمع کروائی ہوئی کمیٹی، وغیرہ سب اس میں شامل ہیں)

☆ بینک لوگوں کی جمع کروائی گئی رقم میں سے زکوٰۃ کے 2.5 فیصد کٹوتی کرتے ہیں، اس سے بندے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی (شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے)، لہٰذا بینک کو زکوٰۃ کی کٹوتی نہ کرنے دی جائے، بلکہ خود ادا کی جائے۔

☆ آج کل لوگ حج پر جانے کے لیے رقم جمع کرتے ہیں، اس رقم پر بھی سال پورا ہونے پر زکوٰۃ لازم ہے۔

☆ ہسپتال کو زکوٰۃ دینے سے عمومی طور پر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (ہسپتال کو زکوٰۃ دینے کے لیے شرعی حیلہ درکار ہے، یعنی زکوٰۃ کی رقم کسی فقیرِ شرعی کی مِلک کرنا ہو گی)۔

☆ اگر شوہر نے بیوی کو زیور بنوا کر دیا ہو تو اگر وہ زیور بیوی کی ملکیت میں دے چکا ہے تو زکوٰۃ بیوی ادا کرے گی اور اگر محض پہننے کے لئے دیا ہے اور مالک شوہر ہی ہے تو شوہر زکوٰۃ ادا کریگا۔ بیوی کی ملکیت میں جو مال (کرنسی، زیورات وغیرہ) ہیں اُنکی زکوٰۃ بیوی پر ہی فرض ہے، ہاں اگر

شوہر خود اپنے مال سے دینا چاہے تو بیوی کی اجازت سے بیوی کے مال کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے، اسی طرح والدین بھی بچوں کے مال کی زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں۔

☆اسی طرح اگر بیوی خود صاحبِ نصاب ہے تو زکوٰۃ کی طرح بیوی پر قربانی بھی واجب ہے، ہاں اُسکی اجازت سے شوہر یا والدین اپنے مال سے اُسکے حصے کی بھی قربانی کر سکتے ہیں۔

☆یاد رہے جس مال پر سال گزرنے پر زکوٰۃ نہیں دی تو اب اُسکی زکوٰۃ بھی دینا لازم ہے۔ مثلاً (کسی مال پر 5 سال سے زکوٰۃ نہیں دی، تو اب گذشتہ 5 سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرے)۔

☆ یاد رہے یہ جو بات عوام میں مشہور ہے کہ رمضان المبارک سے قبل ہی زکوٰۃ دینی ہے ایسا ہر گز نہیں۔ انسان جب بھی مالکِ نصاب ہوا اُس دن سے ایک سال تک کے دوران جتنا مال اُسکے پاس آیا اُس پر 2.5 فیصد زکوٰۃ ہے بلا وجہ رمضان کے انتظار میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔

☆ غریب رشتوں داروں کو زکوٰۃ دینا افضل ہے۔

زکوٰۃ سے متعلق مزید معلومات کے لیے بہارِ شریعت حصہ 5 کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔
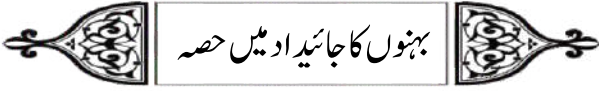
اللہ رب العزّت نے میراث میں بیٹے اور بیٹیوں دونوں کا حصہ رکھا ہے۔ میراث (وراثت) میں بہنوں کو شرعی حصہ سے محروم رکھنا اور بھائیوں کا سارے مال پر قبضہ کر لینا شدید حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔[1]

اگر بہنیں اپنے حصے کا مطالبہ نہ کریں، تب بھی ان کا شرعی حصہ دینا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شریعت میں ان کا حصہ مقرر کیا ہے، لہذا حکمِ شریعت کے خلاف کسی رسم و رواج پر عمل جائز نہیں۔ اگر کوئی وارث (بہن وغیرہ) اپنے حصے کا مطالبہ کرے، تو اُسے یہ کہنا کہ تم لالچی ہو اپنے بھائی سے حصہ لے رہی ہو، تمہیں ذرہ برابر خیال نہیں کہ اگر مکان بیچا تو مجھے میری بیوی بچوں کو کرائے پر رہنا پڑے گا، کچھ شرم کرو حیاء کرو وغیرہ۔۔۔ اس قسم باتیں کر کے بہن کو (mentally torture) کرنا اور بہن کا حصہ دبا لینے والا سخت کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو گا۔ اکثر بہنیں اسی قسم کی باتوں سے خفاء ہو کر وراثت کا مطالبہ نہیں کرتیں کہ اگر مانگا تو بھائی بھابھی کی عمر بھر کے لیے ناراضگی ہے اور مزید یہ کہ زندگی میں خدانخواستہ کبھی کسی آزمائش کا سامنا کرنا پڑ گیا تو کس کا منہ دیکھے گی۔ بھائیوں کو سمجھنا چاہیے کہ بہن کو حصہ دینے سے اُس کی بہن ہی اپنے گھر مضبوط ہو گی اور کوئی اُسکے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کرنے سے قبل سو بار سوچے گا۔
میراث کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ[2]

ترجمہ کنز العرفان : "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔"
کسی وارث کی میراث نہ دینے سے متعلق رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جو اپنے وارث کو

1 (فتاویٰ رضویہ، ج 26، ص 314، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
2 (النساء، آیت 11)

میراث دینے سے بھاگے، اللہ قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے گا"۔ [1]
اور حضور رحمۃ للعالمین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص کسی کی زمین کا ایک بالشت ٹکڑا بھی ظلماً (یعنی ناحق) لے گا، تو اُسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (سزا کے طور پر) سات زمینوں کا طوق پہنائے گا"۔ [2]

وراثت کی جگہ جہیز دینا:

بعض خاندان والے اپنی بچیوں کو جہیز دے کر بعد میں جائیداد میں حصہ نہیں دیتے۔ ایسا کرنا بلکل جائز نہیں ہے کیونکہ والد نے اپنی زندگی میں بیٹی کو جو کچھ اُس کی شادی کے موقع پر جہیز وغیرہ کی صورت میں دیا، وہ وراثت نہیں بلکہ ان کی طرف سے ہبہ (gift) ہے۔ والد کے فوت ہونے کے بعد بیٹی کا جائیداد میں حصہ ختم نہیں کیا جاسکتا۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "پنجاب میں یہ قانون (رسم و رواج) ہے کہ ماں باپ کے مال سے لڑکی میراث نہیں پاتی لکھ پتی باپ کے بعد سارا مال، جائیداد، مکانات سب کچھ لڑکے کا ہے، لڑکی ایک پائی کی حقدار نہیں۔ بہانہ یہ کرتے ہیں کہ ہم لڑکی کی میراث کے بدلے اس کی شادی دھوم دھام سے کر دیتے ہیں۔ سبحان اللہ عزوجل! اپنے نام کیلئے روپیہ حرام کاموں میں برباد کرو اور لڑکی کے حصّے سے کاٹو۔ کیوں جناب! آپ جو لڑکے کی شادی اور اس کی پڑھائی لکھائی پر جو خرچہ کرتے ہیں۔ بی اے، ایم اے، کی ڈگری دلواتے ہیں کیا وہ بھی فرزند کے میراث سے کاٹتے ہیں ہر گز نہیں۔ پھر یہ عذر کیسا؟ یہ محض دھوکہ دینا ہے"۔ [3]

بہنوں کا اپنا حصہ معاف کرنا:

ترکہ میں وُرثاء کا حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے کسی وارث کے ترکہ میں اپنا حصہ چھوڑ دینے، دست برداری کر دینے یا معاف کر دینے سے ہرگز ساقط نہیں ہوگا۔

☆ ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ بیٹے اپنی بہنوں کو باہمی رِضامندی سے بطورِ صُلح ان کے حصے کے

1 (سنن ابن ماجه، کتاب الوصایا، باب الحیف فی الوصیلة، ص195، حدیث 2693، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاهور)
2 (صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب تحریم الظلم، ج 2، ص 394، حدیث 4108، فرید بک سٹال، لاهور)
3 (اسلامی زندگی، ص51، مکتبة المدینه، کراچی)

بدلے میں کچھ رقم دے دیں چاہے وہ رقم ترکہ میں بننے والے ان کے حصے سے کم ہو اور اگر زیادہ ہو تو بھی کچھ حرج نہیں اور بہنیں قبول کر لیں۔ یوں وہ رقم ان بہنوں کے ترکہ میں حصے کا بدل ہو جائے گی اور متروکہ مکان میں ان کا حصہ ختم ہو جائے گا۔

☆ نیز اگر مذکورہ بہنیں کچھ بھی نہیں لینا چاہتیں بلکہ ترکہ اپنے بھائیوں کو دینا چاہتی ہیں تو وہ یوں کر سکتی ہیں کہ مکان میں اپنے حصے کو تقسیم کرانے کے بعد اس پر قبضہ کر کے جس بھائی کو دینا چاہتی ہیں ان کو ہبہ (gift) کر دیں یا بغیر قبضہ کئے اپنا حصہ ان کو ایک مقررہ قیمت پر بیچ کر قیمت معاف کر دیں۔[1]

☆ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہمیشہ بہنیں ہی بھائیوں کو وراثت کی چیزیں ہبہ (gift) کرتی ہیں، کبھی الٹ بھی ہونا چاہیے کہ بھائی بھی اپنی وراثت کا حصہ بہنوں کو تحفہ دیدیں۔ ہمیشہ بہنوں ہی کا بھائیوں کو تحفہ دینا اُسی رسم و رواج کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کا پیچھے ذکر ہوا، اگرچہ بغیر مجبوری کے تحفہ دے دینا جائز ہے۔

☆ یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ اگر کسی بہن نے کچھ مال اپنے سگے بھائی کو ہبہ (gift) کر دیا، تو اب اسے واپس نہیں لے سکتی، کیونکہ قرابت رجوع سے مانع ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہے جب شرعی تقاضوں کے مطابق ہبہ تام ہو چکا ہو، یعنی بھائی کو حصہ اگر اوپر بیان کیے گئے شرعی طریقوں کے مطابق دے دیا ہو، تو اب بہن واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔[2]

ریاست اور حکومت کا فرض ہے کہ بیٹی کو باپ کی وراثت میں اُس کا حق دلائے اور ایسا قانون بنائے کہ جس کی رو سے کسی بھی شخص کے انتقال کے بعد اُس کی منقولہ (movable) اور غیر منقولہ (immovable) جائیداد میں ہر قسم کا تصرف تقسیم وراثت سے پہلے ممنوع اور کالعدم قرار دیا جائے اور کسی نے دوسرے وارثوں کی لاعلمی میں بالا ہی بالا باپ کی جائیداد اپنے یا صرف بھائیوں کے نام کر دی ہو تو عدالت فی الفور اسے غیر قانونی قرار دے کر جائیداد کی سابق حیثیت بحال کر سکے۔[3]

---

1 (مختصر فتاویٰ اہل سنت، ص170، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (ماخوذ فتاویٰ، دار الافتاء اہلسنت، ریفرنس نمبر 6311، دعوتِ اسلامی)

3 (تفہیم المسائل، وراثت کے مسائل، ج 8، ص397، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

چند مزید ابحاث

عورتوں مردوں کا مشابہت اختیار کرنا:

مرد و عورت کا اپنی وضع قطع میں ایک دوسرے سے مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں، یعنی جو چیزیں عورت کے لیے خاص ہیں وہ مرد کو اپنانا جائز نہیں اور جن چیزوں کا تعلق خاص مردوں سے ہے وہ وضع قطع عورتوں کو اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔ مثلاً زنانہ لباس جوتے پہننا، ناک کان چھدوانا، زیور پہننا، کندھوں سے نیچے بال رکھنا، عورتوں کی طرح ہاتھ پاؤں پر ڈیزائن والی مہندی لگانا یہ سب اُمور عورتوں کے ساتھ خاص ہیں اس لیے یہ تمام کام مردوں کے لیے حرام ہیں۔ حدیثِ پاک میں عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت آئی ہے۔ اس میں بالغ نابالغ، بوڑھا سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لیے کندھوں سے اوپر بال کٹوانا اور وہ دیگر اُمور جو مردوں کے ساتھ خاص اُن میں مردوں کی مشابہت اختیار کرنا ناجائز و حرام ہے کہ یہ مردوں سے مشابہت ہے۔ بعض والدین اپنے چھوٹے بچوں کو لڑکیوں جیسے اور بیٹیوں کو لڑکوں جیسے کپڑے وغیرہ پہنا دیتے ہیں۔ یہ کپڑے پہنانے والے گنہگار ہونگے۔ [1]

حدیث پاک میں ہے :

(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "سرکارِ دوعالم ﷺ نے اُس مرد پر لعنت فرمائی جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت فرمائی جو مرد کا لباس پہنے"۔ [2]

(2) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "نبی ﷺ نے زنانہ مردوں اور مردانی عورتوں پر لعنت فرمائی اور ارشاد فرمایا: "انہیں اپنے گھروں سے باہر نکال دو"۔ [3]

(3) اور حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: " عورتوں سے مُشابہت اختیار کرنے والے مرد

---

1 (مختصر فتاویٰ اہل سنت/ماخوذ احکامِ شریعت/تفہیم المسائل)

2 (سنن ابو داؤد ، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء، ج 3 ،ص 187، حدیث 3575، ضیاء القرآن پبلی کیشنز ،لاھور

3 (صحیح البخاری ، کتاب اللباس ،باب المتشبھین بالنساء ، ج 3 ،ص 362، حدیث 6886 ، فرید بک سٹال ،لاھور)

اور مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتیں صبح شام اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے غضب میں ہوتے ہیں"۔[1]

اِن احادیث سے اُن لوگوں کو بھی عبرت حاصل کرنی چاہیے جو آج فیشن کے نام پر زنانہ یا مردانہ (خلافِ جنس) لباس پہنتے ہیں یا سوشل میڈیا پر (funny videos) وغیرہ بنانے کے لیے عورتوں کی سی مشابہت بھی اختیار کرتے ہیں۔ گویا کسی کو دنیا میں ہنسانے کی خاطر اپنی آخرت خراب کرتے ہیں۔

آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : "لوگوں میں سب سے بڑا بدبخت وہ شخص ہے جو کسی کی دنیا کے لیے اپنی آخرت کو برباد کردے"۔[2]

تکلیف دہ مذاق :

اس طرح اُن لوگوں کو بھی اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے جو اپنے (facebook pages) یا (youtube channels) کی (rating) کی خاطر ویڈیوز ریکارڈ کرتے ہوئے لوگوں کو اذیت دینے والا مذاق کرتے ہیں اور بعد میں رسمی معافی مانگ لیتے ہیں اور وہ لوگ جو دوسروں کو متوجہ کرنے کے لیے ویڈیوز پر جھوٹے (title) لگا کر لوگوں کے وقت کا ضیاع کرتے ہیں۔ اس سے متعلق دو حدیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

(1) حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " قیامت کے روز لوگوں کا مذاق اڑانے والے کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آؤ! آؤ! تو وہ بہت ہی بے چینی اور غم میں ڈوبا ہوا اس دروازے کے سامنے آئے گا مگر جیسے ہی دروازے کے پاس پہنچے گا وہ دروازہ بند ہو جائے گا۔ پھر جنت کا ایک دوسرا دروازہ کھلے گا اور اس کو پکارا جائے گا کہ آؤ! چنانچہ یہ بے چینی اور رنج و غم میں ڈوبا ہوا اُس دروازے کے پاس جائے گا تو وہ دروازہ بھی بند ہو جائے گا۔ اسی طرح اس کیساتھ معاملہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ جب دروازہ کھلے گا اور پکار

1 (شعب الایمان، باب شرمگاھوں کی حرمت اور پاکدامنی کا وجوب، ج4،ص289، حدیث5385، دار الاشاعت، کراچی)

2 (شعب الایمان، باب اخلاص عمل اور ترک ریا، ج5،ص 316، حدیث6938، دار الاشاعت، کراچی)

پڑے گی تو وہ نہیں جائے گا"۔[1]

(2) اور امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بیشک آدمی ایک بات کہتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا حلانکہ اس کے سبب ستر سال جہنم میں گرتا رہے گا"۔[2]

اس کے برعکس ایسی خوش طبعی اسلام میں محبوب ہے جس سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو اور اس میں جھوٹ وغیرہ نہ ہو، آقا کریم ﷺ اور آپکے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین بعض اوقات خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔

زیورات اور مرد و عورت

مرد حضرات : اسلام میں مرد کے لیے ساڑھے چار ماشے سے کم چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگینہ کے ساتھ جائز ہے۔ اس کے علاوہ سونے، پیتل، تانبے کی انگوٹھی یا چاندی کی ایک سے زائد انگوٹھیاں یا ایک انگوٹھی دو نگوں کے ساتھ یا خالی چھلہ مرد کے لیے ناجائز و حرام ہے۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں میں کڑے ، ناک کان میں بالیاں بھی مرد کے لیے جائز نہیں ۔ ان تمام حالتوں میں نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو گی۔

حدیث پاک میں: "حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ تو رسول اکرم ﷺ نے اسے فرمایا : " کیا بات ہے تجھ سے بتوں کی بُو آتی ہے ؟ " اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی۔ پھر وہ لوہے کی انگوٹھی پہن کر آیا تو آپ نے پھر فرمایا ، " کیا بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ تم جہنمیوں کا زیور پہنے ہوئے ہو ؟ " اس شخص نے وہ انگوٹھی بھی پھینک دی اور عرض کی، "یارسول اللہ ﷺ ! کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں ؟ " ارشاد فرمایا : " چاندی کی بناؤ اور ایک مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشے) پورا نہ کرو"۔[3]

---

1 (موسوعۃ ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، حدیث 287، المکتبتہ العصریہ/مکاشفتہ القلوب، ص 160، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء من تکلم، ج 2، ص 95، حدیث 195، فرید بک سٹال، لاھور)

3 (سنن ابی داود، کتاب الخاتم، باب ماجا فی خاتم الحدید، ج 3، ص 227، حدیث 3687، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

☆آج کل مرد حضرات کئی انگوٹھیاں پہنے پھرتے ہیں اور انگوٹھیوں کے متعلق عجیب و غریب نظریات رکھتے ہیں کہ فلاں پتھر پہننے سے یہ ہو جاتا ہے وہ ہو جاتا ہے وغیرہ۔ یاد رکھیں نگینہ پہننے سے تقدیر نہیں بدلتی۔ البتہ دواء کی طرح بعض نگینوں کی تاثیرات ہوتی ہیں۔ یہ انکے خواص سے ہے۔[1]

☆ ایک مزید مسئلہ یاد رہے کہ بے زنجیر (بغیر زنجیر کے) بٹن سونے چاندی کے مرد کو جائز ہیں اور زنجیر دار منع ہیں۔[2]

خواتین : عورتوں کے لیے سونا چاندی کے ساتھ ساتھ دیگر آرٹیفیشل جیولری کا استعمال بھی جائز ہے۔ عورت یہ زیورات پہن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

زیور کے سوا دوسری طرح سونا چاندی کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے ناجائز ہے۔ سونا چاندی کے برتن میں کھانا پینا، سونے چاندے کے چمچے سے کھانا، ان کی سلائی یا سرمہ دانی سے سرمہ لگانا۔ سونا چاندی کے آئینہ میں دیکھنا، ان کی قلم دوات سے لکھنا، ان کی کرسی پر بیٹھنا مرد و عورت دونوں کے لیے ممنوع ہے۔[3][4]

جسم گدوانا :

ایک اور گناہ بھرا کام جس میں ہمارے نوجوان جانے انجانے میں مشغول ہیں وہ ہے جسم گدوانا (اس سے مراد سُوئی سے جسم میں چھید لگا کر اس میں رنگ یا سرمہ بھرنا ہے)۔

بازو پر نام کھدوانا یا ہاتھ کی پشت پر کوئی ڈیزائن (tatto) بنوانا شرعاً ناجائز و ممنوع ہے کہ یہ اللہ کی بنائی ہوئی چیز میں تبدیلی کرنا ہے اور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی ناجائز و حرام ہے۔ نیز یہ نام اور ڈیزائن عموماً مشین یا سوئی کے ذریعے کھدوایا جاتا ہے، جس سے کافی تکلیف ہوتی ہے اور اپنے

---

1 (ماخوذ رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص531، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

2 (احکامِ شریعت، ص197، کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور)

3 (ماخوذ رسم و رواج کی شرعی حیثیت، ص532، مکتبہ اشاعت الاسلام، لاہور)

4 (ماخوذ مختصر فتاویٰ اہل سنت، ص66، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

آپ کو بلاوجہ شرعی تکلیف پہنچانا بھی جائز نہیں اگر کسی شخص نے اپنے بازو پر اس طرح نام لکھوایا ہے تو اس پر توبہ لازم ہے اور اگر دوبارہ تغیّر کے بغیر اس نام کو ختم کرنا ممکن ہو تو اس کو ختم کر دے اور اگر تغیّر کے بغیر ختم کروانا ممکن نہ ہو بلکہ ختم کروانے کے لیے دوبارہ اسی طرح کا (خود کو اذیت دینے والا) عمل کرنا پڑے جیسا نام لکھواتے وقت کیا تھا تو اس کو اسی حال میں رہنے دے اور توبہ و استغفار کرتا رہے۔ [1]

حدیث پاک میں ہے :

" حضور رحمۃ للعالمین، جنابِ صادق و امین ﷺ نے سود لینے اور دینے والوں، اس کے گواہوں، سودی دستاویز لکھنے والوں اور گودنے و گدوانے والی عورتوں ، صدقہ روکنے والوں اور حلالہ کرنے والوں اور حلالہ کروانے والوں (جبکہ نکاح میں حلالے کی شرط رکھی ہو) ان سب لوگوں پر لعنت فرمائی ہے"۔ [2]

1 (ماخوذ تفهيم المسائل، ج11، ص 518، ضياء القرآن پبلی کیشنز، لاهور)

2 (جهنم میں لے جانے والے اعمال، ج1، ص 545، مكتبة المدينه، كراچی/المرجع السابق)

تعلیم بالغاں
Sex Education

اسلام مکمل ضابطہ حیات اور دینِ فطرت ہے۔ دین اسلام جہاں اپنے ماننے والوں کو عبادات و معمولاتِ زندگی سے متعلق تفصیلی احکامات فراہم کرتا ہے، وہیں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں انسان کے اپنے وجود میں ہونے والی قدرتی تبدیلیوں (*physical change*)، جسمانی عوارض سے متعلق احکامات بھی بہت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں، اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے پیارے نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ، آپکے اقوال و افعال کے ذریعے ہماری مکمل رہنمائی فرمادی ہے۔

یورپ میں تعلیمِ بالغاں کے لیے (*sex education*) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ دیگر مذاہبِ باطلہ اسلام پر یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ اسلام تعلیم بالغاں سے متعلق اپنے ماننے والوں کی رہنمائی نہیں کرتا جس وجہ سے مسلمان نوجوانوں کی اکثریت بلوغت پر ان پیچیدہ مسائل میں گھری پریشان نظر آتی ہے۔ یہ اعتراض درست نہیں۔

اگر آپ تمام مذاہب کی کُتب کا شریعتِ محمدیہ سے تقابل کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ سوائے اسلام کے دنیا کا کوئی ایسا مذہب نہیں جس میں مسائلِ بالغاں (حیض و نفاس، احتلام، منی، مذی، ودی یہاں تک کہ مباشرت وغیرہ) سے متعلق احکامات کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان ان احکامات کو نہیں سیکھتا اور اپنی اولادوں کو یہ تعلیم نہیں دلواتا یا سیکھاتا، تو اس میں قصور اُن مسلمانوں کا ہے نہ کہ اسلام کا۔ قرآن مجید، احادیث نبوی ﷺ اور کُتب فقہ میں تو ان سے متعلق احکامات شرعیہ کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، لہٰذا دین اسلام پر یہ اعتراض قطعاً باطل ہے۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ ہمارے معاشرے میں علوم بالغاں سے متعلق بچوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اُس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند یا مشرق میں رہنے والے مسلمانوں کے قلوب اذہان میں تعلیم بالغاں کو لے کر حیاء کا عنصر ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام دین حیاء ہے، اور حیاء ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ لیکن اس معاملے میں اپنے ذاتی خیالات و کیفیات کی بنا پر والدین کا بچوں کی علوم بالغاں سے متعلق تربیت کا اہتمام نہ کرنا اور اسے حیاء سوز سمجھنا بالکل درست نہیں۔ یہ طرزِ عمل بہت سے دینی و اخلاقی نقصانات کا سبب بن رہا ہے اور یہ تلخ حقیقیت جھٹلائی نہیں جا سکتی۔

والدین کی ذمہ داری

بیٹے بیٹیوں کا زمانہ بلوغت قریب آتے ہی والدین پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی بنیادی تعلیم بالغاں کا اہتمام کریں۔ اگر والدین یہ کام خود نہیں کریں گے تو اولاد اس کے متعلق جاننے کے لیے اُن حلقوں میں بیٹھے گی جہاں اُسے نہیں بیٹھنا چاہیے۔ اور اس کے متعلق وہ کچھ سنے گی اور معاذاللہ دیکھے گی جو اُسے نہیں سُننا اور دیکھنا چاہیے، جو شرعاً اور اخلاقاً بھی درست نہیں۔ فی زمانہ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی وجہ سے نوجوان جس آفت میں گرفتار ہو کر اخلاقی پستی کا شکار ہیں ،وہ سب کو معلوم ہے۔ اگر والدین از خود اولاد کو اس متعلق کے تعلیم دیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ جس قدر ہم پر جاننا لازم تھا، ہمارے والدین نے اس سے متعلق ہماری رہنمائی فرما دی، اب مزید کچھ جاننے کی ضرورت نہیں۔ ایسا کرنے پر اولاد ہمیشہ حیاء کا دامن تھامے رکھے گی اور انشاءاللہ حد سے تجاوز نہیں کرے گی۔

بیٹی کی تربیت :

کُتب فقہ میں لکھا ہے اور سائنسی اعتبار سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ لڑکی 9 سال سے 12 سال، اور لڑکا 12 سے 15 سال کی عمر میں بلوغت کو پہنچ جاتا ہے۔

ماں کو چاہیے کہ جیسے ہی بیٹی 9 سال کی عمر کو پہنچے تو وہ اُسے بہت دوستانہ اور محبت بھرے انداز میں علوم بالغاں سے متعلق بنیادی تعلیم سکھائے۔ اُسے بتائے کہ اب آپ اس عمر کو پہنچ چکی ہیں کہ کسی بھی وقت آپ کے جسم سے حیض کا خون (periods) شروع ہو سکتا ہے۔ اُسے بتایا اور سکھایا جائے کہ ایسی صورت میں اُسے کیا کیا کرنا ہے وغیرہ۔ ایسے ہی اُسے

احتلام (wet dream) کے احکام بتائے جائیں کہ اس حالت میں اُس نے کونسی عبادت کرنی ہے اور کونسی نہیں کرنی۔ اُسے اس سے متعلق ہمت و حوصلہ دلایا جائے کہ اس میں کوئی شرمندگی والی بات نہیں، یہ تو ہماری ماؤں، دادیوں حتیٰ کہ انبیاء علیہ السلام کی ازواج کے ساتھ بھی ہوتا آیا ہے۔ جب یہ بنیادی تعلیم لڑکی کو ماں یا گھر کی کسی بڑی عورت سے ملے گی تو بچی ایسی صورت میں بالکل مطمئن رہے گی۔ برعکس اس کے کہ اُسے یہ باتیں معلوم نہ ہو اور اس کم سنی میں دماغی طور پر پریشان اور احساسِ کمتری کا شکار ہو جائے، جیسا کہ عمومی طور پر دیکھا گیا ہے۔

بیٹے کی تربیت :

اسی طرح باپ کو چاہیے کہ جب بچہ 12 سال کی عمر کو پہنچے، تو باپ مناسب انداز میں اُسے بتائے کہ اُسکے جسم میں جو تبدیلی (physical change) آرہی ہے، ایسا کیوں ہے؟۔ جسم پر جو زیر ناف، زیر بغل بال آرہے ہیں، یہ کیوں آرہے ہیں؟۔ اس سے گھبرانا نہیں۔ یہ آپ کے باپ آپ کے دادا اور انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی تھی۔ اور سب مردوں کو ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شرم والی بات نہیں، اسے صاف کیسے، اور کب کرنا ہے وغیرہ۔ اسی طرح والد دوستانہ انداز میں، بچے کو یہ بھی بتائے کہ اب آپ عمر کے اس حصے کو پہنچ چکے ہیں کہ آپ کو کسی بھی دن احتلام ہو سکتا ہے۔ اگر احتلام ہو جائے تو پاکی کا اہتمام کیسے کرنا ہے وغیرہ۔ اگر باپ موجود نہیں تو گھر کے کسی دوسرے مرد کو چاہیے کہ بچے کو ان احکاماتِ شرعیہ کی تعلیم دے۔

جب والدین اس طریقے سے اپنے بچوں کو تعلیم دیں گے اور غلط چیزوں کو دیکھنے اور سُننے پر قرآن و احادیث میں بیان کی گئی وعیدوں (سزاؤں) کا مناسب انداز میں اُن سے ذکر کرتے رہیں گے تو بچے بھی ہمیشہ نہ صرف ان پیچیدہ مسائل کو بغیر کسی شرمندگی کے والدین سے بیان کریں گے بلکہ انشاء اللہ باحیاء اور باکردار بھی رہیں گے۔

ہمارے ہاں اپنے بچوں کی دیگر اُمور میں تربیت کے ساتھ ساتھ اس عنوان (تعلیم بالغاں) پر بات اس لیے نہیں ہوتی کہ لوگ شرم محسوس کرتے ہیں۔ کسی فرد کا اس چیز کو قبول نہ کرنا، یا کسی کے دل کا اس بات پر راضی نہ ہونے سے دین کے احکامات کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ عرب

میں شروع سے اس عنوان پر بات ہوتی آئی ہے۔ اور عرب اس حوالے سے اپنے بچوں کی تربیت کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کے ہاں کم عمر میں شادیاں بھی ہوجایا کرتی تھیں۔ تاریخ اسلام اور دور نبوی ﷺ کے متعلق کُتب کے مطالعہ پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے گھروں، مساجد و جامعات کے ذریعے نوجوانوں کو بنیادی علومِ بالغاں کی تعلیم دیں۔

انتباہ : ہاں یہاں اس بات کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے کہ لبرل و سیکولر نظریات کے حاملین ، اہلِ یورپ کے طرز پر جس بے باکانہ انداز میں سکولوں اور سوشل میڈیا کے ذریعے تعلیم بالغاں (sex education) یا آزادی اظہار رائے کے نام پر جو بے حیائی اور فحاشی پھیلانا چاہتے ہیں، اس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اس تعلیم کو شریعت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ہی سکھانے کی اجازت ہے۔

مسائل النساء میں سے کچھ :

ہمارے ہاں خواتین کا علم دین حاصل کرنے کے لیے دینی مدارس جانے کا رواج بہت کم ہے۔ اس لیے عمر کا ایک حصہ گزرنے کے باوجود خواتین طہارت کے بنیادی احکام و مسائل (علوم بالغاں) سے لاعلم ہوتی ہیں۔ جبکہ مرد حضرات کی ایک تعداد مساجد و دیگر دینی محافل وغیرہ میں شرکت کر کے علمائے دین سے طہارت کے احکام و مسائل سُنتے اور سیکھ لیتے ہیں۔

اسی کمی کو محسوس کرتے ہوئے اس عاجز نے طہارت کے احکام و مسائل پر "مسائل النساء" کے نام سے خواتین کے لیے جامع اور آسان فہم انداز میں ایک رسالہ مرتب کیا ہے جو کہ مارکیٹ میں اور انٹرنیٹ پر (soft copy) کی صورت میں دستیاب ہے۔ خواتین کے لیے اسکا مطالعہ بے حد مُفید ہے۔

مسائل النساء میں سے ایک سوال (من گھڑت باتیں) :

سوال : کیا حالتِ ناپاکی (جنابت، حیض، نفاس) میں کسی جگہ بیٹھنے سے یا کسی چیز کو چھونے سے وہ جگہ ناپاک ہو جاتی ہے؟ کیا حیض و نفاس والی عورت کے برتن اور دیگر استعمال کی چیزیں الگ کر دینی چاہیے؟

جواب: یہ زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ عورت کو ایامِ مخصوصہ میں نجس چیز سمجھا جاتا اور ہر کام کرنے سے روک دیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے ان تمام بری رسموں کو ختم کر دیا۔ شریعت اسلامیہ میں حیض و نفاس کی وجہ سے صادر ہونے والی ناپاکی میں عورت نماز، روزہ، طواف کعبہ، مسجد میں جانے، مباشرت (ہمبستری، صحبت) کرنے اور تلاوتِ قرآن مجید کے علاوہ تمام امور انجام دے سکتی ہے۔ اس کے لیے باقی تمام امور جائز ہیں، یہاں تک کہ اللہ کا ذکر اور درود شریف اور دیگر دُعائیں پڑھ سکتی ہے۔ لہٰذا حیض و نفاس والی عورت ہو یا جُنب، اِس کو ساتھ کھلانے، اس کا جوٹھا کھانے، اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانے، اسکا گھریلو خدمات بجالانا جائز ہے، انکی استعمال کی چیزیں استعمال کرنے، ان کے ساتھ سلام و مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اِس کے کسی چیز کو ہاتھ لگانے یا کسی جگہ بیٹھنے سے وہ چیز و جگہ ناپاک نہیں ہوتی۔ بعض خواتین ان کے ساتھ کھانے اور ان کا جوٹھا کھانے وغیرہ کو برا سمجھتی ہیں، ایسی غلط رسموں سے اجتناب لازم ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بیان کرتی ہیں: " کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں سے مجھے فرمایا : " مصلیٰ (جائے نماز) اٹھا کر مجھے دے دو، میں نے عرض کیا کہ میں حائضہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔(صحیح مسلم) [1]

(طہارت کے احکام و مسائل برائے خواتین سے متعلق مزید معلومات کے لیے رسالہ "مسائل النساء" کا مطالعہ کیجیے)

☆☆☆

---

1 (مسائل النساء، ص35، قادری رضوی کتب خانہ، لاھور)

حرم شریف اور سیلفی

دنیا بھر کے مسلمان ہر سال حج و عمرہ کی ادائیگی، مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اور بارگاہِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حاضری و مژدہ شفاعت کے لیے حرمین شریفین تشریف لے جاتے ہیں۔

ان مقدس مقامات سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے یہ لازم ہے کہ زائرین دورانِ سفر ان مقامات کا ادب ملحوظ رکھیں اور کسی بھی قسم کے خلافِ ادب کام سے بچتے رہیں۔ اپنے گناہوں کی معافی کے لیے رب تعالیٰ کے حضور پُر خلوص دعائیں کریں اور سرورِ کائنات امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں اس نیت سے حاضر ہوں کہ پیارے آقا ہم گنہگاروں کی سفارش اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کریں اور رب کریم ہمارے گناہ معاف فرمادے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ [1]

ترجمہ کنزالعرفان : "اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو اے حبیب! تمہاری بارگاہ میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (بھی) ان کی مغفرت کی دعا فرماتے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان پاتے"

لیکن آج مکہ و مدینہ میں گئے زائرین کو دیکھ کر دِل دُکھتا ہے۔ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے گیا تھا اور اِسے سیلفی (selfi) نے آلیا ! ۔ کوئی خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر سیلفی بنارہا ہے تو کوئی دورانِ طواف اپنی ویڈیو بنانا لازم سمجھے ہوئے ہے۔ اور کوئی تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنہری جالیوں کے سامنے کھڑے ہو کر، جالیوں کو پیٹھ کر کے سیلفی اپلوڈ کر رہا!۔ اے عزیز! تم جانتے ہو یہ کونسی بارگاہ ہے ؟ اور اس بارگاہ کا ادب کیا ہے ؟

---

1 (النساء، آیت 64)

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

(اے جانے والے سُنو! رسول اللہ ﷺ کی بار گاہِ اقدس آسمان کے نیچے ایسا مقام ہے کہ عرش سے بھی زیادہ نازک ہے کہ جنید و بایزید جیسے اللہ تعالیٰ کے ولی بھی اپنا سانس روک کر آتے ہیں، کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کی بار گاہ کی بے ادبی نہ ہو جائے)

یہ تو وہ بار گاہ ہے کہ جہاں افضل الخلق بعد از انبیاء سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی ہستی حاضری کے وقت اپنے منہ میں پتھر رکھ لیتے تاکہ رسول اللہ ﷺ کہ بار گاہ میں اونچا بولنے سے بے ادبی نہ ہو جائے۔ یہ تو وہ بار گاہ ہے کہ جہاں بے ادبی کے ڈر سے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی ہستی اتنا آہستہ بولتے کہ رسول اللہ ﷺ دوبارہ پوچھتے ہیں کہ " عمر! پھر بولو، کیا کہا تم نے؟ " یہ تو وہ بار گاہ تھی کہ صحابہ کرام کاشانہ اقدس ﷺ کے دروازہ پر دستک اپنے ناخنوں سے دیتے کہ کہیں ہتھیلی سے دستک دینے پر اونچی آواز و دھمک کی وجہ سے اس بار گاہ اقدس کی بے ادبی نہ ہو جائے۔

یہ اُن ہستیوں کا ادب اور خوفِ خدا با حاضر خدمت حضور خیر الوریٰ ﷺ تھا کہ جنہیں اِس دُنیا میں جنت کی بشارتیں ملیں، تو اے دوست تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟ کہ تو اتنی بے باکی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف پیٹھ کر کے سنہری جالیوں کے سامنے سیلفی بنانے اور فضول باتوں میں مصروف ہے، کیا تو اس غرض سے اس بار گاہ میں حاضر ہوا تھا؟، ادب نہ رہا تو پھر کیا بچا! خدارا خوش کے ناخن لو۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی بار گاہ کا ادب بتاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ [1]

---

1 (الحجرات، آیت 2)

ترجمہ کنزالعرفان : " اے ایمان والو ! اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اونچی نہ کرو اور ان کے حضور زیادہ بلند آواز سے کوئی بات نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے بلند آواز سے بات کرتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو "

بابِ جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے چل
فخر جبریل کو یوں کہتے ہوئے پایا گیا
اپنی پلکوں سے درِ یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

اے زائرِ طیبہ سوچ تو سہی ! کیا کبھی کوئی فوجی یا پولیس ملازم اپنے افسر کے پاس جا کر اس طرح کرے گا؟ جو تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر کرتا ہے !۔ سنہری جالیوں کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ بلند کر کے تصاویریں کھچوانا اور شور مچانا ! اس سے بڑا ادب کو چھوڑنے والا کون ہو گا؟، یہ دکھاوا (ریاکاری) نہیں تو اور کیا ہے ؟۔

افسوس کہ فی زمانہ یہ ایسی بری بدعت ہے کہ جس میں چھوٹے، بڑے، بوڑھے سب شامل ہیں، ہم نے صرف توجہ مبذول کرانے کے لیے یہ چند جملے لکھ دیئے ہیں۔ اللہ عزوجل ہم سب کو حرمین شریفین کی باادب حاضری نصیب فرمائے۔ آمین !

کفریہ کلمات کی پہچان سے متعلق مختصر و جامع رسالہ
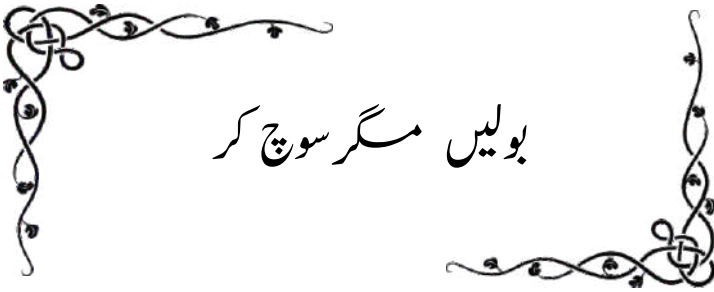
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ط
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

حرام الفاظ اور کفریہ کلمات کے متعلق علم سیکھنا فرض ہے (فتاویٰ شامی)

اللہ عزوجل کی ذات کا ہم پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے ہمیں انسان بنایا، ایمان کی دولت عطا فرمائی اور اپنے حبیبِ مکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اُمتی کیا۔ دولتِ ایمان کس قدر بڑی نعمت ہے اِس کے متعلق حجۃ الاسلام حضرت سیدُنا امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

"میں (محمد غزالی) کہتا ہوں اس نعمت (ایمان) کی قدر سے متعلق جتنا میرا علم ہے، اگر میں اس کے بارے میں دس لاکھ صفحات بھی لکھ دوں تب بھی میرا علم اس سے زیادہ ہے ، اِس اعتراف کے ساتھ کہ میرا اس بارے میں علم ایک قطرہ اور لاعلمی سمندر کی حیثیت رکھتی ہے۔ نعمتِ ایمان ہی سب سے بڑھ کر نعمت ہے"۔[1]

نعمتِ ایمان کی اِس عظمت کی وجہ یہ ہے کہ اِس فانی دنیا میں اللہ کی رضا، تمام نیک اعمال کی قبولیت اور ہمیشہ کی جنت میں داخلے کے لیے ایمان پر خاتمہ شرط ہے۔ الحمدُ لِلّٰہ ہم مسلمان تو ہیں لیکن اس بات کی کسی کے پاس کوئی ضمانت نہیں کہ وہ مرتے دم تک مسلمان ہی رہے گا یعنی اُسکا ایمان مرتے وقت سلامت رہے اور جو ایمان سے پھر کر یعنی مرتد ہو کر مرے گا وہ کفار کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ [2]

ترجمہ کنز العرفان : "اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے پھر کافر ہی مر جائے تو ان لوگوں کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے اور وہ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں

1 (منہاج العابدین ،ص433،مکتبۃ المدینہ، کراچی)
2 (البقرہ،آیت217)

گے۔"

مسلماں ہے عطار تیری عطا سے
ہو ایمان پر خاتمہ یاالٰہی

افسوس ! کہ جن علوم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے آج مسلمانوں کی اکثریت یونیورسٹی و کالج کی ڈگریاں لینے کے باوجود اُن بنیادی اسلامی علوم سے لاعلم نظر آتی ہے اور اِن علوم میں بھی عقائد کے وہ بنیادی علوم جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور اِنکے انکار سے کافر یا گمراہ ہوجاتا ہے، اِن مسائل کا سیکھنا عبادت کے مسائل سے اہم اور فرضِ عین ہے، پر افسوس کہ ہم دور کی گمراہی میں پڑے اپنی عاقبت سے بے پرواہ ہیں۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے مختلف مذاہب کے سکالرز کا اجلاس ہوا تاکہ یہ دیکھا جائے کونسا ایسا مذہب ہے جس پر چل کر ہم دنیا کو امن کا گہوارہ بناسکتے ہیں۔ ہر سکالر نے اپنے مذہب کی اچھائیاں بیان کیں، لیکن آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ اس دنیا میں سب سے بہترین مذہب ہے تو وہ اسلام ہے۔ لیکن اگلی بات بڑی کڑوی کر دی کہ اس دنیا میں بدترین قوم ہے تو وہ مسلمان ہے جو اپنے مذہب کو چھوڑ کر اغیار کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ اللہ عزوجل ہمیں سمجھ عطا فرمائے ۔(آمین) [1]

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :"علمائے کرام فرماتے ہیں، جس کو سلبِ ایمان (ایمان پر خاتمہ) کا خوف (فکر) نہ ہو نزع (موت) کے وقت اُس کا ایمان سلب ہوجانے کا شدید خطرہ ہے "[2]

اولیائے کرام عمر بھر اللہ عزوجل کی عبادت اور اسکی جستجو میں ریاضت کے باوجود ایمان چھن جانے کے خوف سے لرزاں وترساں رہا کرتے تھے چنانچہ حضرتِ سیدنا یوسُف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :"میں ایک دفعہ حضرتِ سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضِر ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ساری رات روتے رہے۔ میں نے دریافت کیا : کیا آپ

1 (خوشحال گھرانہ کیسے ہو، ص19، یونیک پرنٹرز، لاھور)
2 (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص495، مکتبۃ المدینہ، لاھور)

رحمۃاللہ علیہ گناہوں کے خوف سے رو رہے ہیں ؟ تو آپ رحمۃاللہ علیہ نے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا کہ گناہ تو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس تنکے سے بھی کم حیثیت رکھتے ہیں ، مجھے تو اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ایمان کی دولت نہ چھن جائے "۔ [1]

آج اِس نفسا نفسی کے دور میں ہر طرف ایمان کی بربادی کا خطرہ ہے کہیں فلموں ڈراموں میں کفریہ اشعار و کلمات کی بھرمار ہے ، کہیں جہالت کی وجہ سے آپس کے معاملات میں لوگ کُفریہ کلمات بکتے نظر آتے ہیں تو کہیں معاذ اللہ ، اللہ عزوجل کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ عقیدے رکھے ہوے ہیں۔ اب اگر ! اِن کفریات کا علم نہ ہو تو ہم کیسے اِن کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے ایمان کی سلامتی کے لیے حرام الفاظ اور کفریہ کلمات کے متعلق علم حاصل کریں۔ تاکہ لاعلمی میں معاذاللہ کسی کفر کا اِرتکاب نہ کر بیٹھیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں فرمانِ عبرت نشان ہے، حُضورِ اکرم نُورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :
" ان فتنوں سے پہلے نیک اعمال میں جلدی کرو ! جو تاریک رات کے حصوں کی طرح ہونگے۔ ایک آدمی صبح کو مومن ہو گا اور شام کو کافر ہو گا اور شام کو مومن ہو گا صبح کو کافر ہو گا۔ نیز دین کو دُنیاوی ساز و سامان کے بدلے فروخت کر دے گا "۔ [2]
اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : " لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ اُس وقت لوگوں کے درمیان اپنے دین پر صبر کرنے والا، آگ کی چنگاری پکڑنے والے کی طرح ہو گا " [3]

لہٰذا اس دورِ فتن میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان فرض علوم کو خود بھی سیکھیں اور اپنی اولاد کو بھی سکھانے کا اہتمام کریں۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے اس سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمیں دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایمان پر موت نصیب فرمائے۔
آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

---

1 (منہاج العابدین، ص 169، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
2 (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الحثّ علی المبادرۃ بالاعمال، ج 1، ص 133، حدیث 309، فرید بک سٹال، لاہور)
3 (ترمذی، کتاب الفتن، باب الصابر علی دینہ، ج 2، ص 75، حدیث 141، فرید بک سٹال، لاہور)

چند اہم اصطلاحات

مطالعہ سے قبل چند ضروری اصطلاحات پڑھ لیجیے۔

ایمان کسے کہتے ہیں :

ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے ، یعنی اُن باتوں کی سچے دل سے تصدیق کرنا جن کا تعلق "ضروریاتِ دین" سے ہے "ایمان" ہے۔ [1]

کُفر کسے کہتے ہیں :

ضروریاتِ دین" میں سے کسی بھی ایک ضرورتِ دینی کا انکار " کُفر " کہلاتا ہے۔ اگرچہ باقی تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کرتا ہو۔ [2]

ضروریاتِ دین کسے کہتے ہیں :

ضروریاتِ دین، اسلام کے وہ احکام ہیں ، جن کو ہر خاص وعام جانتے ہوں ، جیسی اللہ عزوجل کی وحدانیت (یعنی اس کا ایک ہونا) ، انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کی نبوت، نماز، روزہ، حج، جنت، دوزخ، قیامت میں اُٹھایا جانا، حساب و کتاب لینا وغیرھا۔ مثلاً یہ عقیدہ رکھنا (بھی ضروریات دین میں سے ہے) کہ حُضُور خاتم النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں ، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ [3]

ضروریات مذہبِ اہلِ سنت کسے کہتے ہیں :

وہ عقائد جن کے ماننے سے بندہ اہلِ سنت و جماعت کے گروہ میں داخل ہو جائے اور اس کے انکار سے اہلِ سنت وجماعت کے گروہ سے خارج ہو جائے ضروریاتِ مذہب اہلِ سنت کہلاتے ہیں۔ عقائدِ اہلِ سنت کا ماننے والا "اہلِ سنت

---

1 (ماخوذ از بہارِ شریعت، حصہ 1، ص 172، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (ماخوذ از بہارِ شریعت، حصہ 1، ص 172، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

3 (ماخوذ بہارِ شریعت، حصہ 1، ص 172 ملخصاً، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

یا سنی "اور انکار کرنے والا " گمراہ یا بدمذہب" کہلاتا ہے۔[1]

مرتد کسے کہتے ہیں :

مرتد وہ شخص ہے کہ اسلام کے بعد کسی ایسے امر کا انکار کرے جو ضروریات دین سے ہو۔یعنی زبان سے کلمہ کُفر بکے جس میں تاویلِ صحیح کی گُنجائش نہ ہو(اور کافر ہو جائے)۔ یوہیں بعض افعال(کام) ایسے ہیں جن سے کافر ہو جاتا ہے۔مثلاً: بُت کو سجدہ کرنا، قرآنِ پاک کو نجاست کی جگہ پھینک دینا(وغیرہ)۔[2]

کلماتِ کُفر کی اقسام :

کلماتِ کفر کی دو قسمیں ہیں: (1) التزامِ کفر (2) لزُومِ کفر

التزامِ کفر کی تعریف	حکم
ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کے بھی خلاف کرنا (یعنی انکار کرنا)۔ چاہے وہ خلاف کرنے (انکار کرنے) والا بظاہر اسلام کا کیسا ہی شیدائی بنتا ہو اور بے شک کفر کے نام سے چڑتا ہو ، مگر اس پر حکم کفر ہے اور وہ اسلام سے خارج ہے۔[3]	التزامِ کفر کا ارتکاب کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کافرو مرتد ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام نیک اعمال اکارت ہو گئے یعنی پچھلی ساری نمازیں ،روزے، حج وغیرہ تمام نیکیاں ضائع ہو گئیں۔ شادی شُدہ تھا تو نکاح بھی ٹوٹ گیا۔ اگر کسی کا مرید تھا تو بیعت بھی ختم ہو گئی۔ ایسے شخص کو دوبارہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونا ہو گا۔دوبارہ نکاح کرنا ہو گا۔[4]

1 (ابو محمد عارفین القادری، عقائد نوٹس ،ص2)
2 (ماخوذ بہارِ شریعت،حصہ9،ص455،مکتبۃ المدینہ، کراچی)
3 (کفریہ کلمات ،ص51،مکتبۃ المدینہ، کراچی)
4 (کفریہ کلمات،ص524،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

لزُومِ کفر کی تعریف	حکم
لزومِ کفر عین کفر تو نہیں ہوتا مگر کفر تک لے جانے والا ہوتا ہے۔ اس میں کفر کے ساتھ کسی معنیٰ صحیح کا بھی پہلو نکلتا ہے۔ لزُومِ کفر کی صورت میں بھی فقہائے کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السّلام نے حکمِ کفر دیا مگر متکلمین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ المُبِین اس سے سکوت کرتے (یعنی خاموشی اختیار فرماتے) ہیں۔ اور فرماتے ہیں جب تک اِلتزام کی صورت نہ ہو قائل کو کافر کہنے سے سکوت کیا جائیگا اور احوط (یعنی زیادہ محتاط) یہی مذہبِ متکلمین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ المُبِین ہے۔[1]	ایسا شخص اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اس کا نکاح بھی نہیں ٹوٹتا اس کی بیعت بھی برقرار رہتی ہے اور اس کے سابقہ اعمال بھی برباد نہیں ہوتے۔ البتہ اس کیلئے تجدیدِ ایمان و تجدیدِ نکاح کا حکم ہے۔[2]

چند اصولی باتیں پڑھ لیجیے

کافر کو کافر کہنا ضروری ہے :

کافر کو کافر کہنا نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں فرض ہے۔ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں : "ایک یہ وبا بھی پھیلی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ ہم تو کافر کو بھی کافر نہ کہیں گے کہ ہمیں کیا معلوم کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہو گا۔" یہ غلط ہے۔ قرآنِ پاک نے کافر کو کافر کہا اور کافر کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

1 (فتاویٰ امجدیہ، ج،4ص513،512،مکتبہ رضویہ، کراچی)

2 (کفریہ کلمات،ص53،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (1) ترجمہ کنزالعرفان: " تم فرماؤ اے کافرو ! "

قَطعی کافر کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے :

یاد رہے! مسلمان کو مسلمان، کافر کو کافر جاننا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اور کسی ایک ضروریاتِ دین کا انکار کُفر ہے۔ مثلاً مرزائیوں (قادیانیوں) کے کفر پر مطلع ہو کر اِنہیں کافر نہ سمجھنے والا خود کافر مرتد ہو جائے گا۔ (2)

اس میں قادیانیوں کے تمام گروہ شامل ہیں۔ وہ قادیانی بھی جو مرزا غلام احمد کو نبی مانیں اور وہ بھی جو مرزا کو مجدد یا مسیح مانیں اور وہ بھی جو ان میں سے تو کچھ نہ مانیں مگر اس کو محض مسلمان مانیں بلکہ وہ بھی کافر و مرتد ہیں جو اس کے عقائد کو جاننے کے باوجود اسکے کافر ہونے پر شک کریں۔ (کیونکہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو صرف مسلمان ماننا بھی کفر ہے)۔ (3)

حکم کفر لگانا

قول یا فعل کا کفر ہونا :

قول یا فعل کے کفر ہونے اور قائل یا فاعل کے کافر ہونے میں فرق ہے ۔ قول یا فعل کا کُفر ہونا ایک علیحدہ بات ہے اور کسی معین (مخصوص) شخص کو کافر قرار دینا علیحدہ بات ہے۔ مثلاً کسی مسلمان کو بت کے آگے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو اس عمل کو تو کُفر کہیں گے لیکن اِس شخص کو فی الفور کافر نہیں کہیں گے جب تک وجوہات سامنے نہ آجائیں، ہو سکتا ہے وہ جان سے مار ڈالنے کی صحیح دھمکی کی وجہ سے سجدے میں گرا ہو اور دل ایمان پر قائم ہو۔ لیکن اگر

1 (بہارِ شریعت، حصّہ 9، ص 455، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (ملخصاً فتاوٰی رضویہ ج 14، ص 321، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

3 (ایمان کی حفاظت، ص 55)

ثابت ہو جائے کہ بخوشی بت کو سجدہ کر رہا ہے تو کافر قرار دیا جائے گا۔(مفتیانِ کرام جب کسی قول کو کفریہ قرار دیتے ہیں، تو عموماً لزومِ کُفر ہوتا ہے، جب تک قائل پر اِتمام حجت نہ کر لی جائے، التزامِ کُفر سے گریز (کرنا) لازم ہے) [1]

بے خیالی میں کفر بک دینا :

اگر کسی کے منہ سے بے خیالی میں کفر نکل گیا مثلاً: "کہنا چاہتا تھا، اللہ مالک ہے، مگر معاذاللہ منہ سے نکل گیا اللہ مالک نہیں اس صورت میں قائل کا قول تو یقیناً کُفر ہے مگر اِس کی تکفیر نہیں کی جائیگی کہ بے خیالی میں کلمہ صادر ہوا۔

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"کہنا کچھ چاہتا تھا اور زبان سے کفر کی بات نکل گئی تو کافر نہ ہوا یعنی جبکہ اِس امر سے اظہارِ نفرت کرے سننے والوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ غلطی سے یہ لفظ نکلا ہے اور اگر بات کی پچ کی (یعنی جو کچھ منہ سے نکلا اُس پر اڑا رہا) تو اب کافر ہو گیا کہ کُفر کی تائید کرتا ہے "۔[2]

کیا عام آدمی حکم کفر لگا سکتا ؟

جب کسی بات کی کُفر ہونے کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو مثلاً کسی مفتی صاحِب نے بتایا ہو یا کسی مُعتبر کتاب "بہارِ شریعت" یا "فتاویٰ رضویہ شریف" وغیرہ میں پڑھا ہو تب تو اُس کُفری بات کو کُفر ہی سمجھے ورنہ صرف اپنی اٹکل سے ہر گز ہر گز کسی مسلمان کو کافر نہ کہے۔ کیوں کہ کئی جملے ایسے ہوتے ہیں جن کے بعض پہلو کُفر کی طرف جا رہے ہوتے ہیں اور بعض اسلام کی طرف اور کہنے والے کی نیت کا بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اُس نے کونسا پہلو مراد لیا۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:" ہمارے آئمہ رحمۃ اللہ علیہم نے حکم دیا ہے کہ اگر کسی کلام میں 99 احتمال کُفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو

---

1 (اصلاحِ عقائد و اعمال، ص35، دار العلوم نعیمیہ، کراچی)

2 (بہارِ شریعت، حصہ 9، ص456، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واجب ہے کہ احتمالِ اسلام پر کلام محمول کیا جائے جب تک اس کا خِلاف ثابت نہ ہو "۔[1]

بغیر علم کے فتویٰ دینا یا غلط مسئلہ بتانا :

فی زمانہ ایک ایسی غلط روش چل نکلی ہے کہ جس شخص کو شریعت کا کچھ علم نہ ہو وہ بھی کسی دینی مسئلہ پر اپنی رائے ضرور دے دیتا ہے۔ ایسا کرنے والے اِن احادیث سے عبرت پکڑیں ۔

فرمانِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے :

" جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو آسمان و زمین کے فرشتے اُس پر لعنت بھیجتے ہیں "۔[2]

اور پیارے آقا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا :

" جس نے بِغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے "۔[3]

---

1 (فتاویٰ رضویہ، ج14، ص604، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

2 (الجامِعُ الصغیر، ص517، حدیث8491، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

3 (سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب التوقی فی الفتیا ، ج3، ص 48، حدیث3172، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

کفریہ کلمات

ذیل میں فلموں، ڈراموں اور باہمی معاملات و مختلف مواقع پر بکے جانے والے چند کفریہ کلمات کا ذکر ہے، انہیں پڑھنے سے نہ صرف اِنکی آگاہی ہوگی بلکہ دوسرے کُفریات کی نشاندہی کے متعلق بھی انشااللہ ذہن میں ایک زاویہ تشکیل پا جائے گا۔

ذاتِ الٰہی عزوجل کے بارے میں :

(1) اللہ عزوجل کے وجود کا انکار کرنے والے کو دہریہ (atheist) کہتے ہیں۔وجودِ الٰہی کا انکار کرنے والا کافرو مرتد ہے۔[1]

(2) مصائب و مشکلات کے وقت یہ کہہ دینا کہ اللہ عزوجل موجود نہیں ہے، یااللہ عزوجل سنتا (دیکھتا) نہیں ہے۔ایسا کہنے والا شخص کہتے ہی کافر ہوگیا۔[2]

(3) اللہ تعالٰی جہت (direction)، مکان وزَماں (time & place), حرکت و سکون (rest & motion)، صورت (body) وجمیع حوادِث سے پاک ہے۔[3]

تفصیل: (اللہ عزوجل کے لیے مکان، سَمت، جسم ثابت کرنا کُفر ہے۔ اللہ عزوجل کو " اوپر والا یا آسمان پر رہتا ہے یا ہر جگہ ہے " کہنا کُفرِ لزومی ہے۔ ایسا کہنے والا اگرچہ علمائے متکلمین رحمۃ اللہ علیھم کے نزدیک اسلام سے خارج نہیں ہوتا تاہم فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیھم کے نزدیک اس پر حکمِ کُفر ہے۔ لہذا اس پر لازم ہے توبہ، تجدیدِ ایمان و تجدیدِ نکاح کرے۔

بچوں کو بھی اللہ عزوجل کے متعلق یہ نہ کہیں کہ اللہ اوپر ہے یا اللہ ہر جگہ ہے (کہ اللہ جگہ یعنی مکان سے پاک ہے۔ اللہ عزوجل اور اسکی صفات کے علاوہ ہر چیز حادث ہے، حادِث یعنی پہلے موجود نہ تھی بعد میں وجود میں آئی، جبکہ اللہ عزوجل اور اِسکی صفات قدیم ہیں (یعنی ہمیشہ

---

1 (کفریہ کلمات، ص 96، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (کفریہ کلمات، ص96، مکتبۃ المدینہ کراچی)

3 (بہارِ شریعت حصہ 1، ص19، مکتبۃ المدینہ کراچی)

ہمیشہ سے ہیں))۔بچوں کو یوں سکھایئے کہ اللہ عزوجل ہماری جان سے بھی قریب ہے۔ اللہ عزوجل کی قدرت ہر جگہ ہے، اللہ عزوجل کی رحمت ہر جگہ ہے۔اللہ عزوجل ہمیں دیکھ رہا ہے، اللہ عزوجل کے علم میں ہر چیز ہے۔[1]

مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن دام ظلہ لکھتے ہیں: "اللہ تعالی کی ذاتِ اقدس جہت، زمان و مکان، حرکت و سکون، شکل و صورت، الغرض جسم و جسمانی تقاضوں اور ہر قسم کے عوارض سے پاک اور مُنزّہ ہے۔ لٰہذا اللہ تعالیٰ کو اوپر والا اور آسمان والا کہنا درست نہیں ہے۔ "اوپر والے سے عظمت و بزرگی رفعتِ شان کے معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان کلمات کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے۔ قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ میں جن مقامات پر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے لیے اس طرح کے کلمات آئے ہیں، اُن کے قطعی معنی و مصداق کے تعین کے بغیر اُن پر ایمان لانا فرض ہے۔ اُن کے معانی و مطالب و مصداق کے بارے میں بحث کرنا عام مسلمانوں کے لیے نہ مناسب ہے اور نہ ضروری ہے۔ ایسی تمام آیات و حدیث متشابہات میں سے ہیں"۔[2]

(4) کسی مصیبت و پریشانی پر اللہ عزوجل کو ظالم کہنا، یا یہ کہنا کہ اللہ عزوجل ظالموں کا ساتھ دیتا ہے۔ ایسا کہنا کُفر ہے کہ ان جملوں میں رب تعالیٰ کو ظالم اور ظالموں کا ساتھ دینے والا قرار دے کر اللہ عزوجل کی توہین کی گئی ہے۔[3]

(5) اللہ عزوجل کی ذات پر اعتراض کرنا قطعی کُفر ہے اور مُعترض کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔[4]

تفصیل :(اللہ عزوجل پر اعتراض کرنے سے بچنے کا شریعت میں حکم ہے اور ہر مسلمان کا حکمِ شریعت کے آگے سرِ تسلیم خم ہے۔ اللہ عزوجل خالق و مالک ہے۔ اُسی عزوجل کے پیدا کردہ بندے کا اُسی عزوجل پر اعتراض کرنا اُس عزوجل کی شدید ترین توہین ہے (اور اللہ عزوجل کی توہین کُفر ہے)۔ معاذاللہ عزوجل اگر اعتراض کی اجازت دے دی جائے تو پھر جس کی سمجھ

---

1 (ماخوذ کفریہ کلمات، ص99- 103 /111- 113، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
2 (تفہیم المسائل، ج7، ص32، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور/فتاوی فیض الرسول، حصہ1)
3 (کفریہ کلمات، ص116، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
4 (کفریہ کلمات، ص141، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

میں جو کچھ آئے گا وہ کہتا پھرے گا کہ مثلاً: اللہ عزوجل نے فُلاں کام کیوں کیا ؟ فُلاں کام کیوں نہیں کیا ؟ اِس کو یوں نہیں اور یوں کرنا چاہیے تھا وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال مسلمان کو چاہیے کہ اللہ عزوجل کے ہر کام کو مبنی بر حکمت ہی یقین کرے خواہ اس کی اپنی عقل میں آئے یا نہ آئے۔زَبان پر آنا کُجادل میں بھی اعتراض کو جگہ نہ دے)۔

(6) اللہ عزوجل ہر ممکن پر قادر ہے اور ہر اُس چیز سے جس میں عیب و نقصان ہے پاک ہے، یعنی عیب و نقصان کا اُس میں ہونا مُحال ہے، بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقصان، وہ بھی اُس کے لیے مُحال، مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی وغیرہا عیوب اُس پر قطعاً محال ہیں اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے، مُحال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے اور یہ سمجھنا کہ مُحالات پر قادر نہ ہو گا تو قدرت ناقص ہو جائے گی باطل محض ہے، کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان! نقصان تو اُس محال کا ہے کہ تعلق قدرت کی اُس میں صلاحیت نہیں۔ [1]

قرآنِ مجید کی توہین کے بارے میں :

(1) قرآنِ کریم یا مسجد یا اسی طرح کی وہ چیزیں جو شرعاً معظم (دینی شعار) ہیں ان کی جس نے توہین کی اُس نے کفر کیا۔ [2]

(2) رشوت کے ملنے والے پیسے پر خوش ہو کر هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ (یہ میرے اللہ کا فضل ہے) کہنا یعنی اِس حرامِ قطعی کو اللہ کا فضل قرار دینا کُفر ہے۔ [3]

(3) اگر بے خیالی میں قرآن شریف ہاتھ سے چھوٹ کر یا الماری سے سَرک کر زمین پر تشریف لے آئے (یعنی گر جائے) تو نہ گناہ ہے نہ ہی اس کا کوئی کفارہ۔ لیکن معاذاللہ جان بوجھ کر قرآنِ مجید کو زمین پر پٹخ دینا اس کی توہین ہے اور یہ کُفر ہے۔ [4]

---

1 (بہارِ شریعت حصہ 1،ص 6،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (کفریہ کلمات ،ص 194،مکتبۃ المدینہ، کراچی/منحُ الروض الازہر للقاری)

3 (کفریہ کلمات ص 181،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

4 (کفریہ کلمات ص 182،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(4) ولید نے غلطی کی، اِس پر نوید نے اُس کی اصلاح کیلئے آیاتِ کریمہ و احادیث مبارکہ سنائیں اس پر ولید آیات واحادیث کے بارے میں بولا: " یہ (قرآن و حدیث) کوئی چیز نہیں ہے "۔ایسا کہنے پر ولید مسلمان نہ رہا۔[1]

(5) ہنسی مذاق کی نیت سے بے موقع آیاتِ قرآنیہ پڑھنا کُفر ہے۔[2]

نبی کی گستاخی کے بارے میں :

(1) نبی کی ادنیٰ سی گستاخی کرنے والا شخص کافر و مرتد ہے۔[3]

(2) سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نسبت رکھنے والی کسی بھی چیز کی گستاخی کُفر ہے۔[4]

تفصیل:(صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تمام انبیاء میں آخری نبی نہ جانے یا حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کسی چیز کی توہین کرے یا عیب لگائے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے موئے مبارک (بال مبارک) کو تحقیر (یعنی حقارت) سے یاد کرے۔آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لباس مبارک کو گندہ اور میلا بتائے، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ناخن بڑے بڑے کہے یہ سب کُفر ہے۔ یا کسی سنت کی تحقیر کرے مثلاً داڑھی بڑھانا، مونچھیں کم کرنا، عمامہ باندھنا یا شملہ لٹکانا، ان کی اہانت (یعنی توہین) کُفر ہے، جبکہ سُنت کی توہین مقصود ہو)۔

(3) جو نبوت کا دعویٰ کرنے والے سے معجزہ طلب کرے وہ کافر ہے۔البتہ اگر اُس کے عجز (یعنی بے بسی) کے اظہار کے لئے ہو تو کُفر نہیں (یعنی اُس کو یقینی طور پر جھوٹا نبی مانتے ہوئے محض اُس کی رسوائی کی خاطر معجزہ طلب کرنا کُفر نہیں کہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا کبھی معجزہ ظاہر نہیں کر سکتا)۔[5]

(4) یہ کہنا کہ محمد رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف نماز میں خیال لے جانا اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدر جہا بد تر ہے۔ کُفر اور سخت گستاخی ہے۔[6]

---

1 (کفریہ کلمات ص 193،مکتبۃ المدینہ، کراچی/فتاویٰ رضویہ)

2 (کفریہ کلمات ص 196 / بہارِ شریعت حصہ 9،ص 464،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

3 (کفریہ کلمات ،ص 199،مکتبۃ المدینہ، کراچی/الشفاء)

4 (کفریہ کلمات ،ص 207/ بہارِ شریعت حصہ 9،ص 463،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

5 (کفریہ کلمات ،ص 222،مکتبۃ المدینہ، کراچی/البحرُ الرائق/عالمگیری)

6 (کفریہ کلمات ،ص 223،مکتبۃ المدینہ، کراچی/فتاویٰ رضویہ)

(5) شیطان لعین کا علم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علمِ غیب سے زیادہ ماننا خالص کفر ہے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علم شریف کو بچوں، جانوروں اور پاگلوں کے علم کی طرح کہنا صریح کُفر ہے۔ (1)

(6) یہ عقیدہ رکھنا کہ سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اللہ عزوجل کی عطا کے بغیر علمِ غیب حاصل ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا صریح کُفر ہے۔ یونہی اللہ عزوجل کی عطا کے بغیر کسی کے لئے ایک ذرے کا علم یا ایک ذرّے کی ملکیت ثابت کرنے والا کافر ہے۔ اہلِ سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کو جو غیب کا علم ہے یا ان میں دیگر جو بھی صفات پائی جاتی ہیں وہ سب اللہ عزوجل کی عطا سے ہیں۔ (2)

(7) غیر انبیاء کے لئے وحی نبوت ماننا کفر ہے۔ (3)

(8) جو کہے کہ نبوت عبادت و ریاضت کر کے حاصل کی جاسکتی ہے وہ کافر ہے۔ (4)

(9) جو غیر نبی کو نبی سے افضل یا اُس کے برابر مانے وہ کافر ہے۔ (5)

(10) آئمہ اہل بیت کو انبیائے کرام سے افضل جاننا کفر ہے۔ (6)

(11) امیر المومنین حضرتِ مولائے کائنات علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجھہُ الکریم کو جو نبیوں سے افضل یا برابر بتائے وہ کافر ہے۔ (7)

(12) یہ کہنا کہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا اللہ عزوجل کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ یہ کلمہ کفر ہے۔ (8)

فرشتوں کی توہین کے بارے میں :

(1) فرشتوں کے وجود کا انکار کرنا کفر ہے۔ (9)

(2) کسی بھی فرشتے کو عیب لگانا یا اس کی توہین کرنا کُفر ہے۔ (10)

1 (کفریہ کلمات، ص223، /بہارِ شریعت حصہ 1، ص233، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
2 (کفریہ کلمات، ص221، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
3 (کفریہ کلمات، ص273/بہارِ شریعت، حصہ ا، ص35، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
4 (کفریہ کلمات، ص273/بہارِ شریعت، حصہ ا، ص36، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
5 (کفریہ کلمات، ص274/بہارِ شریعت، حصہ ا، ص47، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
6 (کفریہ کلمات، ص274/بہارِ شریعت، حصہ ا، ص210، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
7 (کفریہ کلمات، ص274، مکتبۃ المدینہ، کراچی/بہارِ شریعت، حصہ ا، ص47، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
8 (کفریہ کلمات، ص274، مکتبۃ المدینہ، کراچی/فتاویٰ امجدیہ، ج 4، ص411، نوریہ رضویہ کراچی)
9 (کفریہ کلمات، ص299/بہارِ شریعت، حصہ ا، ص95، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
10 (کفریہ کلمات، ص299/بہارِ شریعت، حصہ 9، ص464، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(3) اللہ عزوجل نے کسی اور کی روح قبض کرنے کا حکم دیا تھا اور مَلَک الموت غلطی سے دوسرے کی روح قبض کرنے پہنچ گئے۔ کہنا کُفر ہے۔ [1] (معاذاللہ اکثر ڈراموں میں یہ کُفر بکا جاتا)۔(یاد رہے ! فرشتے صرف وہی کرتے ہیں جو حکمِ الٰہی ہوتا ہے،اس کے خلاف ہر گز نہیں کرتے)۔

جنات کے بارے میں :

(1) جنات کے وجود کا انکار کُفر ہے۔اِنکا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔قرآن مجید کی کم و بیش 25 سُورتوں میں جِنات کا تذکرہ ہے۔ [2]

(2) جن غیب سے نِرے (یعنی مکمل طور پر) جاہل ہیں۔ ان سے آئندہ کی بات پوچھنی عقلاً حماقت اور شرعاً حرام ہے۔اور ان کی غیب دانی کا اعتقاد ہو تو (یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ جن کو علمِ غیب ہے یہ) کُفر ہے۔ [3]

قیامت کے بارے میں :

(1) قیامت کا مذاق اُڑانا کُفر ہے۔ [4]

(2) مطلقاًاِس طرح کہنا: " میں قیامت سے نہیں ڈرتا " یہ کفریہ قول ہے۔ [5]

شریعت کی توہین کے بارے میں :

(1) شریعت کا مذاق اُڑانا یا توہین کرنا کُفر ہے۔ [6]

(2) اگر کسی نے حدیث پاک یا تفسیر کی کتابوں کو توہین اور حقارت کی نیت سے پھینکا یا پھاڑ دیا تو یہ کفر ہے۔ [7]

(3) اگر کوئی خالص دینی تعلیمات کے بارے میں کہے : " مسلمان ترقی اُسی وقت کر سکتے ہیں جب کہ اپنی دینی بوسیدہ تعلیمات کو چھوڑ دیں " ایسا کہنے والا کافر ہے۔ [8]

---

1 (ماخوذ از فتاوٰی رضویہ ج 14 ،ص 602، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
2 (کفریہ کلمات ،ص 313، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
3 (کفریہ کلمات ،ص 317، مکتبۃ المدینہ، کراچی/فتاوٰی افریقہ)
4 (کفریہ کلمات،ص 327، مکتبۃ المدینہ، کراچی/منح الروض)
5 (کفریہ کلمات،ص 328، مکتبۃ المدینہ، کراچی/الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الفتاوٰی الھندیۃ)
6 (کفریہ کلمات،ص 337/ بہارِ شریعت حصہ 9،ص 465، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
7 (کفریہ کلمات،ص 339، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
8 (کفریہ کلمات،ص 339، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(4) کسی سے کہا گیا اللہ تعالیٰ نے بیک وقت چار بیویاں رکھنا حلال کی ہیں۔ اس نے کہا مجھے یہ حکم پسند نہیں۔ یہ کلمہ کُفر ہے۔[1]

(5) کسی سے کہا گیا شریعت پر عمل کرو۔ اس نے کہا " کیا شریعت پر عمل کر کے بھوکا مروں گا!"۔ اسکا ایسا کہنا کفر ہے۔[2]

(6) جو شخص مطلقاً حدیث کا منکر ہو اور کہتا ہو میں صرف قرآنِ مجید کو مانتا ہوں حدیث کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایسے منکرِ حدیث کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " جو شخص حدیث کا منکر ہے وہ نبی ﷺ کا منکر ہے اور جو نبی ﷺ کا منکر ہے وہ قرآن مجید کا منکر اور جو قرآن مجید کا منکر ہے اللہ واحدِ قہار کا منکر ہے اور جو اللہ کا منکر ہے صریح کافر و مرتد ہے"۔[3]

(7) عالمِ دین سے اِس کے علمِ دین کی وجہ سے بغض رکھنا کُفر ہے۔ یعنی اس وجہ سے کہ وہ عالمِ دین ہے۔[4]

(8) اذان شعائرِ اسلام میں سے ہیں، کسی بھی شعائرِ اسلام کی توہین کُفر ہے۔[5]

(9) بِلا عُذر جان بوجھ کر بغیر وضو کے نماز پڑھنا کُفر ہے۔ جبکہ اسے جائز سمجھے یا اِستہزاء (یعنی مزاق اڑاتے ہوئے) یہ فعل کرے۔[6]

(10) یہ کہنا کہ " نماز دل کی ہوتی ہے ظاہری نماز میں کیا رکھا ہے۔ یا یہ کہ ہم فقیر لوگ ہیں ہم پر نماز معاف ہے۔ یہ دونوں کُفریہ کلمے ہیں۔[7]

(11) غیرِ خدا کو عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا کُفر ہے۔[8]

(12) حرامِ قطعی فعل کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا کُفر ہے۔[1]

---

1 (کفریہ کلمات، ص 337، مکتبۃ المدینہ، کراچی/عالمگیری)

2 (کفریہ کلمات، ص 329، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

3 (فتویٰ رضویہ، ج 14، ص 312، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

4 (کفریہ کلمات، ص 358، مکتبۃ المدینہ، کراچی/ایمان کی حفاظت ص 103)

5 (کفریہ کلمات، ص 359، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

6 (کفریہ کلمات، ص 362، مکتبۃ المدینہ، کراچی/منح الروض الازھر لِلقادری)

7 (کفریہ کلمات، ص 373، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

8 (کفریہ کلمات، ص 376، مکتبۃ المدینہ، کراچی/عالمگیری)

(13) جس نے حرام اجماعی کی حُرمت (حرام ہونے) کا انکار کیایا اس کی حُرمت میں شک کیا تو کافر ہے۔ جیسے شراب (خمر)، زنا، لواطت، سود وغیرہ۔ [2]

(14) قربانی کو جانوروں پر ظلم کہنے والا شخص کافر ہے۔ قربانی کو ظلم کہنا معاذاللہ، اللہ کو ظالم کہنے کے مترادف ہے۔ [3]

(15) مرد کے لیے ریشم کے حرام ہونے کا انکار کُفر ہے۔ [4]

(16) کفار کے میلوں، تہواروں میں شریک ہو کر ان کے میلے اور جلوسِ مذہبی کی شان و شوکت بڑھانا کُفر ہے۔ [5]

(17) مذاق میں کلمہ کفر بکنا بھی کفر ہے۔ [6]

(18) عام تعطیل کے روز ایک شخص نے کہا آؤ نماز پڑھیں تو دوسرے نے مذاق میں جواب دیا آج تو نماز کی بھی چھٹی ہے، یہ جواب دینے والے پر حکم کُفر ہے جبکہ وہ عاقل بالغ بھی ہو۔ [7]

(19) کفار کے تہواروں کے موقع پر ان کو تحفہ دینا حرام ہے۔ اور اگر ان کے تہواروں کی تعظیم کی نیت ہو تو کُفر ہے۔ [8]

(20) مسلمان ویزہ ایجینٹ (visa agent) نے کسی مسلمان کو ویزا فارم پر اپنے آپ کو غیر مسلم (کرسچن، یہودی، قادیانی وغیرہ) لکھوانے کا مشورہ دیا تو مشورہ دینے والے پر حکمِ کُفر ہے ۔خواہ جس کو حکم یا مشورہ دیا گیا ہے وہ مشورہ قبول کرے یا نہ کرے۔(اور اگر جس کو حکم یا مشورہ دیا گیا ہے وہ مشورہ قبول کرے تو دونوں پر حکمِ کُفر ہے)۔ [9]

(21) ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: "خُدا بھی اب تم کو مجھ سے جُدا نہیں کر سکتا، تمہیں

---

1 (کفریہ کلمات، ص407، مکتبۃ المدینہ، کراچی/عالمگیری)
2 (کفریہ کلمات، ص416، مکتبۃ المدینہ، کراچی/منحُ الروض)
3 (کفریہ کلمات، ص413، مکتبۃ المدینہ، کراچی/فتاوٰی رضویہ)
4 (کفریہ کلمات، ص416، مکتبۃ المدینہ، کراچی/منحُ الروض)
5 (بہارِ شریعت، حصہ9، ص466، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
6 (کفریہ کلمات، ص 496، مکتبۃ المدینہ، کراچی/البحر الرائق)
7 (کفریہ کلمات، ص503، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
8 (فتوٰی رضویہ، ج14، ص673، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
9 (کفریہ کلمات، ص453، مکتبۃ المدینہ، کراچی/عالمگیری)

ہر حال میں یہیں رہنا ہے ۔اس طرح کہنے والا شخص کافرو مرتد ہے، کہ اس نے اللہ عزوجل کی قُدرت کا انکار کیا۔(اسی طرح کسی زبان دراز آدمی سے یہ کہنا کہ " خدا عزوجل تمہاری زبان کامقابلہ کرہی نہیں سکتا میں کس طرح کروں !" یہ کُفر ہے)۔[1]

(22) جو جسم کے پردے کا مطلقاً انکار کرے اور کہے کہ " صرف دل کا پردہ ہونا چاہیے " اُس کا ایمان جاتا رہا۔(کیونکہ پردے کا مطلقاً انکار اُن قرآنی آیات کا انکار ہے جن میں ظاہری جسم کو پردے میں چُھپانے کا حکم دیا گیا ہے)۔[2]

(23) کسی بھی جھوٹی بات پر اللہ عزوجل کو گواہ بنانا یعنی کوئی شخص کہے "اللہ عزوجل جانتا ہے یہ کام میں نے کیا ہے حالانکہ وہ کام اس نے نہیں کیا ہے "تو اس نے کُفر کیا۔[3]

(24) حضراتِ شیخین (ابو بکر صدیق و عمر فاروق) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان پاک میں سبّ و شتم کرنا(لعن طعن کرنا)، تبّرا کہنا (یعنی اظہار بیزاری کرنا) یا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت یا امامت و خلافت سے انکار کرنا کفر ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان پاک میں قذف جیسی ناپاک تہمت لگانا یقینا قطعاً کفر ہے۔[4]

(25) حائضہ عورت سے ہم بستری(صحبت) کو حلال سمجھنا فقہاء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک کفر ہے۔[5]

(19) جس طرح کفریہ اقوال ہوتے ہیں اِسی طرح کفریہ افعال بھی ہوتے ہیں۔

تفصیل : صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں : عملِ جوارِح (یعنی ظاہری اعضاء کے ذریعے کئے جانے والے عمل) داخلِ ایمان نہیں ۔ البتہ بعض اعمال جو قطعاً منافی ایمان (یعنی یقینی طور پر ایمان کے اُلٹ) ہوں اُن کے مرتکب کو کافر کہا جائیگا۔ جیسے بُت یا چاند سورج کو سجدہ کرنا اور قتلِ نبی یا نبی کی توہین یا مُصحف شریف (یعنی قرآنِ پاک) یا کعبۂ معظمہ کی توہین اور کسی سنت کو ہلکا بتانا یہ باتیں یقیناً کُفر ہیں۔ یوہیں بعض اعمال کُفر کی

---

1 (کفریہ کلمات،ص 526/بہارِ شریعت،حصہ9،ص461،مکتبۃ المدینہ، کراچی)
2 (کفریہ کلمات،ص 580،مکتبۃ المدینہ، کراچی)
3 (کفریہ کلمات،ص 581،مکتبۃ المدینہ، کراچی/منح الروض)
4 (بہارِ شریعت،حصّہ 9،ص463 ،مکتبۃ المدینہ، کراچی/عالمگیری وغیرہ)
5 (کفریہ کلمات،ص 527/بہارِ شریعت،حصہ2،ص382،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

علامت ہیں جیسے زُنّار باندھنا، سر پر (پنڈتوں کی طرح) چُٹیا رکھنا ، قَشقَہ (یعنی ہندوؤں کی طرح پیشانی پر مخصوص قسم کا ٹیکا) لگانا۔ ایسے افعال کے مرتکب کو فُقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کافر کہتے ہیں۔ توجب ان اعمال سے کفر لازم آتا ہے تو ان کے مرتکب کو از سرِ نو اسلام لانے اور اس کے بعد اپنی عورت سے تجدیدِ نکاح کا حکم دیا جائیگا۔[1][2]

غیر مسلموں وغیرہ کے بارے میں :

(1) یہودیوں اور عیسائیوں کو اہلِ ایمان کہنا کفر ہے کیونکہ یہ دونوں کافر ہیں اور کافر کو کافر جاننا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔

تفصیل : یہود و نصاریٰ اہلِ کتاب تو ہیں مگر اس بِنا پر انہیں اہلِ ایمان نہیں کہا جاسکتا، فی الوقت ان کے مذاہب باطل ہیں اور دینِ اسلام کے سوا کوئی اور دین قابل قبول نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ[3]

ترجمہ کنزالعرفان : " اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا"۔[4]

(2) جو کہے : " میں نہیں جانتا، کافر جنت میں جائے گا یا جہنم میں " یا کہے " میں نہیں جانتا کہ کافر کا ٹھکانا کیا ہے۔" یہ دونوں باتیں کفریہ ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔[5]

---

1 (کفریہ کلمات، ص 471/بہارِ شریعت، حصّہ 1، ص 176 مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 اس میں مزید تفصیل یہ ہے کہ علماء فرماتے ہیں : اگر ایک مسلمان فقط دوسروں کو دکھانے کے لیے کفار کا طریقہ نقل کرتا ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کے کفار کیا کرتے تھے، تو اس سے وہ مسلمان کافر نہیں ہوگا۔ مزید تفصیل کے لیے درج ذیل کتُب کی طرف رجوع کریں : ☆ (ترک ڈرامے، ص 13، دار الکلام، گجرات) ☆ (فتاویٰ ملک العلماء، ص 222، بریلی شریف) ☆ (تفہیم المسائل، ج 8، ص 442، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور) ☆ (فتاویٰ رضویہ، ج 24، ص 530، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

3 (آل عمران۔ آیت 85)

4 (کفریہ کلمات، ص 537، مکتبۃ المدینہ، کراچی/اصلاح عقائد و اعمال، ص 36، دار العلوم نعیمیہ، کراچی)

5 (البقرۃ۔ آیت 39)

ترجمہ کنز العرفان: "اور وہ جو کفر کریں گے اور میری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہوں گے، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے"۔[1]

(3) انسان بلکہ ہر جاندار صرف ایک ہی بار پیدا ہوتا ہے۔ مرنے والے کی روح کسی جسم میں داخِل ہو کر دوبارہ جنم لیکر دنیا میں نہیں آتی۔ ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ (اکثر انڈین فلموں ڈراموں میں یہ کفریہ عقیدہ دکھایا جاتا ہے)۔[2]

گانوں کے کفریہ اشعار کے بارے میں :

دیکھا گیا ہے آج کل اکثر فلموں ڈراموں میں گانوں کے ایسے کفریہ اشعار ہوتے ہیں کہ الامان الحفیظ، اور ہمارے نوجوان ان گانوں کو سنتے گنگناتے نظر آتے ہیں۔

ایمان کی بربادی :

بھائیو! یاد رکھئیے ! قطعی کفر پر مبنی ایک بھی شعر جس نے دلچسپی کے ساتھ پڑھا، سنایا گایا وہ کفر میں جا پڑا اور اسلام سے خارج ہو کر کافر و مُرتد ہو گیا، اس کے تمام نیک اعمال اکارت ہو گئے یعنی پچھلی ساری نمازیں، روزے، حج وغیرہ تمام نیکیاں ضائع ہو گئیں۔ شادی شُدہ تھا تو نکاح بھی ٹوٹ گیا اگر کسی کا مرید تھا تو بیعت بھی ختم ہو گئی۔ اس پر فرض ہے کہ اس شِعر میں جو کفر ہے اُس سے فوراً توبہ کرے اور کلمہ پڑھ کر نئے سرے سے مسلمان ہو۔ مرید ہونا چاہے تو اب نئے سرے سے کسی بھی جامع شرائط پیر کا مرید ہو اگر سابِقہ بیوی کو رکھنا چاہے تو دوبارہ نئے مہر کے ساتھ اُس سے نکاح کرے۔ جس کو یہ شک ہو کہ آیا میں نے اس طرح کا شعر دلچسپی کے ساتھ گایا، سنایا پڑھا ہے یا نہیں مجھے تو بس یوں ہی فِلمی گانے سننے اور گنگنانے کی عادت ہے تو ایسا شخص بھی احتیاطاً توبہ کر کے نئے سرے سے مسلمان ہو جائے، نیز تجدیدِ بیعت اور تجدیدِ نکاح کر لے کہ اسی میں دونوں جہاں کی بھلائی ہے۔ ہم یہاں عبرت و نصیحت کے لیے چند

1 (کفریہ کلمات، ص568، مکتبۃ المدینہ، کراچی/ مجمع الانہُر)

2 (کفریہ کلمات، ص578/ بہارِ شریعت، حصہ1، ص103، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کُفریہ اشعار کی نشاندہی کرتے ہیں۔[1]

(شعر 1)

خدا بھی آسماں سے جب زمیں پر دیکھتا ہو گا
مرے محبوب کو کس نے بنایا سوچتا ہو گا

اس شعر میں کئی کفریات ہیں :
{1} جب دیکھتا ہو گا اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ عزوجل ہر وقت نہیں دیکھتا۔ معاذاللہ
{2} اِس بے حیا کے محبوب کو اللہ عزوجل نے نہیں بنایا معاذاللہ اُس کا کوئی اور خالق ہے۔
{3} کس نے بنایا یہ بھی اللہ عزوجل کو نہیں معلوم۔
{4} سوچتا ہو گا {5} اللہ عزوجل آسمان سے دیکھتا ہو گا حالانکہ اللہ عزوجل مکان اور سمت سے پاک ہے۔ یہ سب قطعاً اجماعاً کفریات ہیں۔

(شعر 2)

ستم ہے خدایا
کیوں پیار بنایا

{1} ستم ہے خدایا۔ اِس میں معاذاللہ، اللہ عزوجل کی طرف ظلم کی نسبت کی گئی۔
{2} کیوں پیار بنایا۔ اس میں معاذ اللہ عزوجل کی ذات پر اعتراض کیا گیا کہ اللہ عزوجل نے انسانوں کے مابین صفت پیار کیوں پیدا کی۔ یہ دونوں باتیں کُفر ہیں۔

1 (کفریہ کلمات، ص524، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(شعر 3)

جب سے ترے نیناں مرے نینوں سے لاگے رے

تب سے دیوانہ ہوا سب سے بیگانہ ہوا

رب بھی دیوانہ لاگے رے

اس شعر کے اس حصے "رب بھی دیوانہ لاگے رے" میں شاعر بے بصیرت کے دعوے کے مطابِق اس کو خدا عزوجل معاذاللہ دیوانہ لگ رہا ہے یقیناً یہ اُس اللہ عزوجل کی شانِ عالی میں کھلی گالی اور کھلم کھلا کُفر وارتداد ہے۔

زبان کی حفاظت سے متعلق فرمانِ عبرت نشان

نبی رحمت حضور خاتم النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"بیشک آدمی ایک بات کہتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا حالانکہ اس کے سبب ستر سال جہنم میں گرتا رہے گا"۔[1]

اللہ عزوجل ہمیں زبان کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے، ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے، آمین۔

کفر پر مجبور کیئے جانے کے بارے میں :

اگر کوئی شخص قتل کر دینے یا جسم کا کوئی عُضو کاٹ ڈالنے یا شدید مار مارنے کی صحیح دھمکی دے کر کُفر کرنے کا حکم دے اور جس کو دھمکی دی گئی وہ جانتا ہے کہ یہ ظالم جو کچھ کہہ رہا ہے کر گزرے گا۔ تو اب ظاہری طور پر کلمہ کفر بکنے یا بُت کو سجدہ وغیرہ کرنے کی رخصت ہے اور دل حسبِ سابق ایمان پر مطمئن ہونے کی صورت میں کافر نہ ہو گا۔[2]

---

1 (ترمذی، ابواب الزهد، باب ماجاء من تکلم، ج 2، ص 95، حدیث 195، فرید بک سٹال، لاهور)

2 (کفریه کلمات، ص 622، مکتبة المدینه، کراچی/ در مختار، ردالمحتار)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے : مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِہٖۤ اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ
ترجمہ کنزالعرفان : " جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے سوائے اس آدمی کے جسے (کفر پر) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو "[1]

تجدیدِ ایمان کا طریقہ

جس کُفر سے توبہ مقصود ہے وہ اُسی وقت مقبول ہو گی جبکہ وہ اُس کُفر کو کُفر تسلیم کرتا ہو اور دل میں اُس کُفر سے نفرت و بیزاری بھی ہو۔ جو کُفر سر زد ہوا توبہ میں اُسکا تذکرہ بھی ہو۔ مثلاً جس نے ویزا فارم پر اپنے آپ کو کرسچن لکھ دیا وہ اِس طرح کہے "یا اللہ عزوجل میں نے جو ویزا فارم میں اپنے آپ کو کرسچن ظاہر کیا ہے، اس کُفر سے توبہ کرتا ہوں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ (اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد ﷺ اللہ عزوجل کے رسول ہیں)" ۔اِس طرح مخصوص کُفر سے توبہ بھی ہو گئی اور تجدیدِ ایمان بھی۔ اگر معاذاللہ عزوجل کئی کفریات بکے ہوں اور یاد نہ ہو کہ کیا کیا بکا ہے تو یوں کہے : "یا اللہ عزوجل ! مجھ سے جو جو کفریات صادِر ہوئے ہیں میں ان سے توبہ کرتا ہوں" پھر کلمہ پڑھ لے۔(اگر کلمہ شریف کا ترجمہ معلوم ہے تو زبان سے ترجمہ دُہرانے کی حاجت نہیں) اگر یہ معلوم ہی نہیں کہ کُفر بکا بھی ہے یا نہیں تب بھی اگر احتیاطاً توبہ کرنا چاہیں تو اسطرح کہیے:
"یا اللہ عزوجل ! اگر مجھ سے کوئی کُفر ہو گیا ہو تو میں اُس سے توبہ کرتا ہوں" یہ کہنے کے بعد کلمہ پڑھ لیجئے۔[2]

احتیاطی تجدیدِ ایمان کب کریں؟

احتیاطی تجدیدِ ایمان دن میں جب چاہیں جتنی بار چاہیں کر سکتے ہیں۔ مشورہ ہے روزانہ کم از کم ایک بار مثلاً سونے سے قبل (یا جب چاہیں) اِحتیاطی توبہ و

1 (نحل، آیت 106)
2 (کفریہ کلمات، ص 621، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

تجدیدِ ایمان کرلیجئے اور اگر بآسانی گواہ دستیاب ہوں تو میاں بیوی توبہ کرکے گھر کے اندر ہی کبھی کبھی احتیاطاً تجدیدِ نکاح کی ترکیب بھی کرلیا کریں۔ ماں، باپ، بہن بھائی اور اولاد وغیرہ عاقل وبالغ مسلمان مرد وعورت نِکاح کے گواہ بن سکتے ہیں۔ احتیاطی تجدیدِ نکاح بالکل مفت ہے اس کے لئے مہر کی بھی ضرورت نہیں۔ [1]

تجدیدِ نکاح کا طریقہ

تجدیدِ نکاح کا معنی ہے: "نئے مہر سے نیا نکاح کرنا۔" اس کیلئے لوگوں کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں۔ نکاح نام ہے ایجاب و قبول کا۔ ہاں بوقت نکاح بطور گواہ کم از کم دو مرد مسلمان یا ایک مرد مسلمان اور دو مسلمان عورتوں کا حاضر ہونا لازمی ہے۔ خُطبۂ نکاح شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ خُطبہ یاد نہ ہو تو اَعُوْذُ بِاللّٰہ اور بِسمِ اللّٰہ شریف کے بعد سورۂ فاتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کم از کم دس درہم یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی (موجودہ وزن کے حساب سے 30 گرام 618 ملی گرام چاندی) یا اُس کی رقم مہر واجب ہے۔ مثلاً آپ نے پاکستانی 4000 روپے اُدھار مہر کی نیّت کرلی ہے (مگر یہ دیکھ لیجئے کہ مہر مقرر کرتے وقت مذکورہ چاندی کی قیمت 4000 پاکستانی روپے سے زائد تو نہیں) تو اب مذکورہ گواہوں کی موجودگی میں آپ "ایجاب" کیجئے یعنی عورت سے کہیے: "میں نے 4000 پاکستانی روپے مہر کے بدلے آپ سے نکاح کیا"۔ عورت کہے: "میں نے قبول کیا"، نکاح ہوگیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عورت ہی خُطبہ یا سورۂ فاتحہ پڑھ کر "اِیجاب" کرے اور مرد کہے: "میں نے قبول کیا"، نکاح ہوگیا۔ بعد نکاح اگر عورت چاہے تو مہر معاف بھی کر سکتی ہے۔ مگر مرد بلاحاجت شرعی عورت سے مہر معاف کرنے کا سوال نہ کرے۔ [2]

کفریہ کلمات کے متعلق مزید معلومات کے لیے مکتبۃ المدینہ دعوتِ اسلامی کی مطبوعہ 692 صفحات پر مشتمل (کُفریہ کلمات کے بارے میں سوال وجواب) اور بہارِ شریعت حصہ 1 اور حصہ 9 کا مطالعہ کیجیے۔

---

1 (کفریہ کلمات، ص626، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (کفریہ کلمات، ص622، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ایک اہم مسئلہ

دعائے مغفرت :

جب کوئی شخص اس دارِ فانی (دنیاوی زندگی) سے دارِ بقاء (اُخروی زندگی) کو جاتا ہے تو دنیا والے اُس شخص کے بارے میں فطری طور پر یہ خواہش رکھتے ہیں کہ وہ جانے والا شخص اس عارضی دنیا میں اگرچہ گنہگار تھا، مگر اُسے ہمیشہ کی زندگی میں سکون (جنت) نصیب ہو مگر بحیثیت مسلمان ہم اپنے ہر کام اور خواہش کی تکمیل میں حکمِ الٰہی کے پابند ہیں۔ چونکہ ہمارے ہاں عام عوام اس مسئلے سے ناواقف ہیں اور کافر کے بارے میں بھی دعائے مغفرت کرنے کو اچھا گمان کرتے ہیں۔ ذیل میں دعائے مغفرت سے متعلق حکمِ شریعت ملاحظہ ہو:

مسلمان کے لیے دعائے مغفرت کرنا کیسا :

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کا حکم ارشاد فرمایا ہے، فرمایا:

☆ وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۠ [1]

ترجمہ کنزالعرفان : " اور ان کے بعد آنے والے عرض کرتے ہیں : اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کیلئے کوئی کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب! بیشک تو نہایت مہربان، بہت رحمت والا ہے"۔

☆ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۠ [2]

"اے ہمارے رب! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو بخش دے جس دن حساب قائم ہو گا"

1 (الحشر، آیت 10)

2 (ابراھیم، آیت 41)

اور کثیر احادیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ اور اُمت کے لیے دعا کرنا منقول ہے۔لہذا مسلمان فوت شدگان کے لیے دعائے مغفرت کرنا مستحب (باعث ثواب) عمل ہے۔

کافر کے لیے دعائے مغفرت کرنا کیسا:

غیر مسلم کے لیے دعائے مغفرت یعنی قرآنِ پاک کی تکذیب (جھٹلانا) ہے۔ آج کل ایک جدید فتنہ یہ اٹھا ہے کہ بعض مسلمان کہلانے والے مغرب کے (propaganda) سے متاثر ہو کر کہنے لگے ہیں کہ آخرت میں بخشش کا دارومدار صرف اعمال پر ہو گا، اعمال کی اچھائی اور انسانیت کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وجہ سے کافر بھی بخشا جائے گا: یہ لوگ کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نیوٹن جیسا عظیم سائنس دان جہنم میں جائے اور شیکسپیر جیسا ادیب جہنم میں جائے ؟ ،اسی طرح کچھ مسلمان جب کسی غیر مسلم کو کوئی اچھا سماجی کام (مثلاً غریبوں کی مدد کرنا وغیرہ) کرتے دیکھتے ہیں تو کچھ نادان یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ شخص تو جنتی ہے اور اُسکی وفات کے بعد اُسکے لیے دعائے مغفرت بھی کرتے ہیں اور (RIP/rest in peace) کے (status) وغیرہ بھی لگاتے ہیں۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ سے محالِ شرعی کا سوال کرتے ہیں کیونکہ جو شخص کافر کی مغفرت طلب کرتا ہے وہ قرآنِ مجید کی تکذیب کرتا (جھٹلاتا) ہے۔جی ہاں قرآنِ پاک میں رب تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ جنت میں داخلے اور نیک اعمال کی قبولیت کے لیے ایمان شرط ہے ،اور قرآنِ پاک میں جابجا (ایمان پر خاتمے) کی شرط بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

☆ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [1]

ترجمہ کنزالعرفان : "اور جو لوگ ایمان لائے اورانہوں نے اچھے کام کئے تو ہم ضرور ان سے ان کی برائیاں مٹادیں گے اور ضرور انہیں ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دیں گے "

☆ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

---

1 (العنکبوت،آیت7)

بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ؕ تَحِیَّتُهُمۡ فِیۡهَا سَلٰمٌ [1]

ترجمہ کنزالعرفان : " اور وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ ان میں رہیں گے، وہاں اُن کی ملاقات کی دعا، سلام ہے "

اور کفار کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت اور ابدی جہنم کا حکم ارشاد کرتے ہوئے فرمایا :

☆ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِیۡنَ وَ لَوۡ كَانُوۡۤا اُولِیۡ قُرۡبٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ [2]

ترجمہ کنزالعرفان : نبی اور ایمان والوں کے لائق نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعامانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ ان کے لئے واضح ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں"

☆ اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَ مَاتُوۡا وَ هُمۡ كُفَّارٌ فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ افۡتَدٰی بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ وَّ مَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ۠ [3]

ترجمہ کنزالعرفان : " بیشک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور کافر ہی مر گئے ان میں سے کوئی اگرچہ اپنی جان چھڑانے کے بدلے میں پوری زمین کے برابر سونا بھی دے تو ہر گز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا"

☆ وَ مَنۡ یَّرۡتَدِدۡ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ فَیَمُتۡ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ [4]

ترجمہ کنزالعرفان : " اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے پھر کافر ہی مر جائے تو ان لوگوں کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے اور وہ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے "

---

1 (ابراھیم، آیت23)

2 (توبہ، آیت113)

3 (آل عمران، آیت91)

4 (البقرۃ، آیت217)

☆ وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُہٗ ۫ وَہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ۪ [1]
ترجمہ کنزالعرفان : اور جو ایمان سے پھر کر کافر ہو جائے تو اس کا ہر عمل برباد ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں ہو گا"
نوٹ : یاد رہے ! جن روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار کے لیے دعائے مغفرت فرمائی، اُن روایات کا تعلق (مذکور بالا آیاتِ قرآنی کے نزول سے پہلے کا ہے ،بعد میں اس سے منع فرمادیا گیا)۔ لہذا جب قرآنِ پاک (نصِ قطعی) سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کفار ہر گز جنت میں داخل نہ ہونگے۔ تو اس قطعی حکم پر ایمان ضروریاتِ دین میں سے ہو گیا اور کسی بھی ایک ضروریاتِ دین کا انکار کُفر ہے۔ [2]

عقیدہ و حکم :

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃاللہعلیہ لکھتے ہیں :" جو شخص کسی کافر کے لیے اُسکے مرنے کے بعد مغفرت کی دعا کرے یا کسی مرتد (کافر) کو مرحوم (رحمت کیا جائے) یا مغفور (مغفرت کیا جائے) یا جنتی کہے وہ خود کافر ہو جائے گا"۔ [3]

یاد رکھیں ! کافر جو نیک اعمال اس دنیا میں کرتے ہیں اُسکا بدلہ اُنہیں اسی دنیا میں پیسہ، عزت، شہرت کی صورت میں دے دیا جاتا ہے، لیکن ان کے لیے جہنم سے نجات ہر گز نہیں، لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی آخرت کی فکر کرتے ہوئے ہر گز ہر گز کسی کافر کے لیے دعائے مغفرت نہ کریں۔ ہاں کافر و بدمذہبوں کے لیے (ان کی زندگی میں) ہدایت کی دعا کرنا جائز ہے۔

---

1 (المائدۃ، آیت5)
2 (ملخصاً فتاوٰی رضویہ ج14،ص321، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)
3 (بہارِ شریعت، حصہ 1، ص185،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

عقیدہ ختم نبوت کی حساسیت
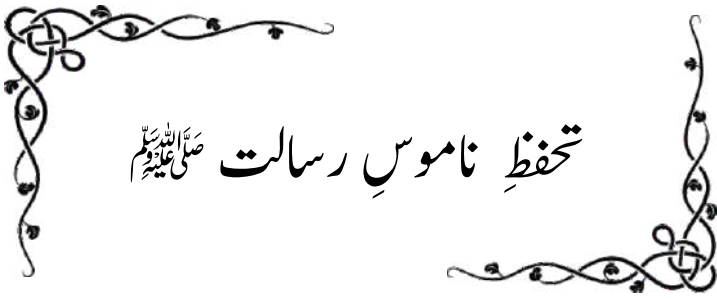
اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انبیاء کرام کو دنیا میں مبعوث فرمایا، یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرما کر ہمارے آقا و مولیٰ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے ختمِ نبوت کا تاج عطا فرما کر ختم فرما دیا اور دین اسلام کی تکمیل کا اعلان فرما دیا۔ اس لیے آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپکے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ قیامت تک کی سرداری اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو عطا فرما دی۔ حضور نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر متعدد آیات طیبات اور دو سو سے زائد احادیث مبارکہ ہیں، صحابہ کرام سے لے کر پوری امت مسلمہ کا آج تک اس پر اجماع ہے۔[1]

چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اب قیامت تک کسی نبی نے نہیں آنا لہٰذا اب کسی شخص کا مدعی نبوت ہونا اسلام کی بنیادوں کو ڈھا دینے کے مترادف ہے، محافظ ناموسِ رسالت شیخ الحدیث و التفسیر علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں کہ: "عقیدہ ختم نبوت اسلام کا صرف ایک جز نہیں ہے، بلکہ اس عقیدہ پر پورے اسلام کی عمارت قائم ہے اور اس عقیدہ ختمِ نبوت کی حفاظت میں بیشک سارے جہان جل جائیں، اس کے مقابلے میں کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں ہے"۔

جی ہاں! یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ مسلمانوں نے عقیدہ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے اپنا جان، مال، اولاد سب کچھ قربان کیا لیکن اس پر ذرہ برابر بھی آنچ نہیں آنے دی، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس مسئلہ پر سب سے بڑی قربانی پیش کی کہ: جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اِسکے کہ مرتدین کا فتنہ، منکرینِ زکوٰۃ کا فتنہ سر اٹھا چکا تھا

---

1 (قادیانیت کے بطلان کا انکشاف، ص43، والضحیٰ پبلی کیشنز، لاہور)

،لشکرِ اُسامہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر شام جا چُکا تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرتِ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں 24 ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا جس نے مسیلمہ کذاب کے 40 ہزار کے لشکر کو گھمسان کی جنگ کے بعد شکست فاش کیا۔ ختمِ نبوت پر لڑی جانی والی اس "جنگِ یمامہ" میں پچھلی تمام جنگوں کے مقابلہ میں تناسب کے اعتبار سے کئی گُنا زیادہ صحابہ شہید ہوے جن میں سے بڑی تعداد حفاظ صحابہ کرام کی تھی۔ ایک ہی جنگ میں قتل کیے جانے والے کُفار (منکرینِ ختمِ نبوت) کی تعداد بھی سب سے زیادہ تھی۔

	شہید ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد	قتل کیے جانے والے کفار کی تعداد
تقریباً 83 جنگوں میں	259 [2]	900 [1]
صرف جنگ یمامہ میں	600 [4]	21000 [3]

ایک ہی جنگ میں 600 سے زائد صحابہ کرام کا شہید ہو جانا اور 21000 سے زائد منکرینِ ختمِ نبوت کا سر قلم کر دینا، ان اعداد و شمار کے بعد آپکو اس مسئلہ کی حساسیت کا یقینی علم ہو گیا ہو گا، یہی وجہ ہے کہ علمائے اُمت اس مسئلہ پر شدت اختیار کرتے ہیں اور مسئلہ ختمِ نبوت پر کسی قسم کی کوئی مداہنت قبول نہیں کرتے۔

مسلم والدین پر بھی لازم ہے ایسے وقت میں کہ جب سکول و کالجوں کے نصاب میں سے آئے روز بیرونی فنڈنگ کے زور پر ختمِ نبوت کا لفظ تک حذف کیا جا رہا ہو، والدین اپنے بچوں کو ختمِ نبوت کے معنی و مفہوم سمجھائیں اور اس مسئلہ کی حساسیت سے متعلق اولادوں کی تربیت فرمائیں۔ جب تک مسلمان اس مسئلہ کی حساسیت سے آگاہ ہونگے، تو پھر جنگ یمامہ کا میدان ہو یا

---

1 (اذانِ حجاز، باب غیر خونی انقلاب، ص567، مکتبہ طلع البدر علینا، لاہور)
2 (اذانِ حجاز، باب غیر خونی انقلاب، ص567، مکتبہ طلع البدر علینا، لاہور)
3 (تاریخ ابن کثیر، ج 6، ص432، نفیس اکیڈمی، کراچی/عمدۃ القاری)
4 (تاریخ ابن کثیر، ج 6، ص432، نفیس اکیڈمی، کراچی)

1953 کا (1953 کی تحریک ختمِ نبوت میں تقریباً دس ہزار مسلمان شہید اور ایک لاکھ گرفتار ہوئے)، 1974 میں قادیانیوں کو کافر قرار دلانے کی قانونی کاروائی ہو یا 2017 میں فیض آباد کا میدان، مسلمان اپنے آخری دم تک منکرینِ ختمِ نبوت کی سازشوں کو بے نقاب کر کے، انہیں ذلیل وخوار کرتے رہیں گے۔

اللہ عزوجل ہمیں عقیدہ ختمِ نبوت کے پہرہ داروں میں شامل فرمائے، حضور خاتم النبیین ﷺ کے صدقے، ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے، آمین۔

قادیانیوں اور دیگر غیر مسلم (اقلیتوں) میں کیا فرق ہے

شاید آپکے ذہن میں یہ سوال ہو جو اکثر کالج، یونیورسٹی کے طلباء وغیرہ کرتے ہیں کہ قادیانی بھی عیسائیوں، ہندوؤں کی طرح غیر مسلم ہیں تو اِنکو بھی اقلیتوں میں شامل کر کے اقلیتوں والے حقوق کیوں نہیں دینے چاہیے؟

جواب پڑھ لیجیے: بحیثیت مسلمان ہمیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ کفار کی چار اقسام ہیں:

کفار کی اقسام[1]		
1	کافر اصلی مجاہر	یہ وہ کافر ہے جو علی الاعلان اسلامی کلمہ کا منکر ہو۔ جیسے: دہریہ، مشرک، مجوسی، کتابی (یہود و نصاریٰ)۔
2	کافر اصلی منافق	جو بظاہر اسلامی کلمہ پڑھتا ہو مگر دل سے اسلام کا منکر ہو۔
3	کافر مرتد مجاہر	جو پہلے مسلمان تھا مگر پھر علی الاعلان اسلام سے پھر جائے۔
4	کافر مرتد منافق (زندیق)	جو اسلامی کلمہ پڑھتا ہو لیکن ساتھ ہی کسی ضروریاتِ دین کا انکار بھی کرتا ہو، جیسے قادیانی۔

1 (ماخوذ ابوعارفین القادری، عقائد نوٹس، ص3)

اسلام میں اِن چار قسم کے کافروں کے لیے احکامات بھی الگ الگ ہیں، کتب فقہ میں انکی تفصیل موجود ہے۔ یاد رکھیں ! قادیانی عام (کافر اصلی مجاہر) نہیں بلکہ بدترین (کافر مرتد منافق) یعنی "زندیق "ہیں۔ اسلامی ریاست میں رہنے والے (کافر اصلی مجاہر) کے اسلام میں حقوق ضرور ہیں ، شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات کی رو سے اسلامی ریاست انکے جان و مال کی حفاظت کی پابند ہے اور انکو اپنی عبادت گاہوں میں مذہبی آزادی بھی حاصل ہے لیکن (کافر مرتد منافق)یعنی " زندیق" کا اسلام میں کوئی حق نہیں۔

"زندیق" کسے کہتے ہیں ؟

" زندیق ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اپنے کفریہ عقائد کو اسلام کہے، لوگوں میں اپنے باطل نظریات کی تشہیر اسلام کے نام سے کرے،یعنی اپنی جماعت کو مسلمان ظاہر کرے اور پوری اُمت کے مسلمانوں کو کافر کہے، زندیق کے لیے اسلام میں بہت سخت سزا متعین ہے"۔

مرزا قادیانی نے بھی عقیدہ ختمِ نبوت کو غیر اسلامی عقیدہ قرار دے کر نبوت کا دعویٰ کیا، اپنے باطل مذہب کو اسلام کہا، اپنے ماننے والوں کو مسلمان کہا اور باقی سب مسلمانوں کو اپنی کتب میں کافر ولد الحرام، بدکار عورتوں کی اولاد، جہنمی خنزیر کہا۔

آئین پاکستان کے سیکشن (298 B / 298 C) میں قادیانیوں کو باقاعدہ کافر ڈکلیئر کیا گیا ، انکو لفظِ "مسلمان" استعمال کرنے، اپنے دینی شعار کو اسلام کہنے، اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے ،اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہنے وغیرہ پر مکمل پابندیاں عائد کی گئی ہیں، جبکہ یہ خود کو "احمدی مسلم" کہتے ہیں اور اپنے مذہب کی تعلیم لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کے طور پر کرتے ہیں، یہ آئینِ پاکستان سے سراسر بغاوت ہے۔ قادیانیوں کو شریعت و آئینِ پاکستان کی رو سے "احمدی مسلم" کہنا ہرگز جائز نہیں، احمد آقا کریم محمدِ مصطفیٰ ﷺ کا اسمِ گرامی ہے۔ قادیانیوں کو ہرگز "احمدی مسلم "نہ کہا جائے بلکہ مرزائی و قادیانی کہا جائے یہ بدترین کافر، گستاخِ انبیاء و صحابہ و اہلبیت ہیں (جیسا کہ مرزا قادیانی نے اپنی کُتب میں لکھا معاذاللہ)۔

اسی طرح مرزائیوں میں وقت کے ساتھ کچھ فرقے ہو گئے، ان میں سے اکثریت مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہے اور کچھ نبی تو نہیں مانتے مگر مجدد، مسیح، مہدی کہتے ہیں۔ لیکن یہ تمام لوگ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، کیونکہ مدعی نبوت کو مسلمان ماننے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ تمام مکاتب فکر کے علماء کا یہ متفقہ فتویٰ ہے کہ :

"مرزا قادیانی کو نبی ماننا کفر ہے، اس کی پیروی کرنا کفر ہے، اسے مسلمان سمجھنا کفر ہے، اس کے کافر ہونے میں شک کرنے والا خود کافر ہے" ۔ [1]

بحیثیت مسلمان ہمارا فرضِ اولین ہے، ہم عقیدہ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے ہر وقت کوشاں رہیں، کہ اسی عقیدہ پر اسلام کی عمارت قائم دائم ہے۔

قرآن وحدیث اور عقیدہ ختم نبوت

قرآن پاک کی متعدد آیات اور تقریباً 200 سے زائد احادیثِ ختم نبوت کے موضوع پر کُتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ ذیل میں پیش کی گئیں چند روایات پڑھ کر اپنے قلوب و اذہان منور کریں اور ان احادیث کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے ختمِ نبوت سے متعلق اپنا عقیدہ پختہ کیجیے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۠ [2]

ترجمہ کنزالعرفان: "محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخر میں تشریف لانے والے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔"

سابقہ انبیاء علیہم السلام میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ باپ کے بعد اُنکا بیٹا نبی ہوا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کسی بیٹے کو جوانی تک نہیں پہنچایا تاکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد اجرائے

---

1 (الانتہاء، ص 203، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

2 (احزاب، آیت 40)

نبوت کے وہم کی بھی نفی ہو جائے۔ حدیث پاک میں یہاں تک وضاحت موجود ہے کی حضرت ابن ابی اوفی : رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: " اگر محمد کریم ﷺ کے بعد نبی آنا ہوتا تو آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم زندہ رہتے لیکن آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں "۔ [1]

یہ بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ قرآن کہ معنی و مفاہیم نبی کریم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں ہی معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ ہر زبان میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوا کرتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ احتمال اور زیادہ ہوا کرتا ہے، خصوصاً قرآن میں تو زبردست احتمالات ہوا کرتے ہیں۔ اب رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں کوئی لفظ نازل فرما کر کیا کہنا چاہا؟، اسکا فیصلہ لغت (dictionary) نہیں دے سکتی۔ یہ فیصلہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ اس کتاب کے معلّم ہیں۔ قادیانی قرآن پاک کا ترجمہ لغت کے اعتبار سے کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔ [2]

ختم نبوت سے متعلق احادیث نبوی ﷺ

(1) آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے۔ اب میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی"۔ [3]

(2) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں مٹانے والا ہوں، میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں اٹھانے والا ہوں لوگ میرے پیچھے پیچھے اٹھیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو"۔ [4]

(3) اور امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتا"۔ [5]

---

1 (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من سمی باسماء الانبیاء، ج1، ص459، حدیث 6194، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (ماخوذ الانتہاء، ص12، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

3 (ترمذی، کتاب الرویا، باب ذہبت النبوۃ، ج2، ص79، حدیث154، فرید بک سٹال، لاہور)

4 (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ماجاء فی اسماء، ج2، ص 366، حدیث3532، فرید بک سٹال، لاہور)

5 (ترمذی، کتاب المناقب، باب عمر بن خطاب، ج2، ص297، حدیث 1620، فرید بک سٹال، لاہور)

(4)اور نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھے انبیاء پر چھ چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے، مجھے جامع کلام عطاہوا ہے اور مجھے رُعب کے ذریعے مدد دی گئی ہے اور میرے لیے غنیمت کے مال حلال کر دیے گئے ہیں۔ اور میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک بنادی گئی ہے اور میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیاہوں اور میرے ذریعے سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیاہے"۔[1]

(5) حضور خاتم النبیین ﷺ نے اپنے فرامین میں امت کو نہ صرف انبیاء کا سلسلہ ختم ہونے سے متعلق بتایا بلکہ آنے والے وقت میں اُن جھوٹے مدعیانِ نبوت سے متعلق بھی آگاہ کر دیاجو عنقریب نبوت کا دعویٰ کرنے والے تھے، چنانچہ فرمایا: "قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تیس کے قریب جھوٹے فریبی پیدا نہ ہوں گے، ان میں سے ہر ایک رسالت (نبوت) کا دعویٰ کرے گا، حالانکہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"۔[2]

اس حدیث میں تیس کذابوں (جھوٹوں) کا یہ مطلب نہیں کہ مطلقاً نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کی تعداد تیس ہوگی اس لیے کہ انکی تعداد کا تو حساب ہی نہیں، حتی کہ خود مرزا قادیانی کے پیروکاروں میں سے بھی کئی لوگ نبوت کا دعویٰ کر چکے لیکن چل نہیں سکے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تیس جھوٹے مدعی ہوں گے جو لوگوں کو بے وقوف بنانے میں اور شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔[3]

نزول عیسیٰ علیہ السلام / امام مہدی / دجال:

قرآن مجید کی متعدد آیات، متواتر احادیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے زندہ آسمانِ دنیا کی طرف اٹھا لیا اور قرب قیامت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اس دنیا میں ہوگا، آپ علیہ السلام دجال کو قتل کریں، یاجوج ماجوج کا ظہور بھی آپکی موجودگی

---

1 (صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، باب جعلت لی الارض، ج1، ص391، حدیث1167، فرید بک سٹال، لاھور)
2 (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ، ج 2، ص 391، حدیث3609، فرید بک سٹال، لاھور)
3 (ماخوذ الانتھاء، ص 16، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

میں ہی ہو گا اور پھر کچھ عرصہ اس دنیا میں گزارنے کے بعد آپ وفات پائیں گے اور یہیں آپکا مدفن ہو گا۔

قربِ قیامت کے ان واقعات پر قرآن کی بہت سی آیات شاہد اور کثیر احادیث موجود ہیں اور تمام مفسرینِ قرآن، محدثین عظام اور صوفیائے کرام کا نزول عیسیٰ علیہ اسلام پر اجماع ہے [1]۔ لیکن فی زمانہ منکرینِ حدیث اور دیگر الحادی نظریات کے حامل سکالرز ان تمام باتوں کو لغو قرار دے کر بدعقیدگی کی نئی راہ ہموار کیے ہوئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ اس دنیا میں تشریف لانے کا منکر گمراہ و بدمذہب ہے۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق رب تعالیٰ سورۃ النساء کی آیت 157 - 159 میں ارشاد فرماتا ہے :

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔ [2]

ترجمہ کنزالعرفان : " اور بیشک انہوں نے اس (عیسیٰ) کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا تھا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے گا اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰ) ان پر گواہ ہوں گے "

اس آیت کی تفسیر میں بخاری، مسلم سمیت بے شمار کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ وہ دن دور نہیں کہ عیسیٰ بن مریم تم میں نازل ہو گا، فیصلے کرے گا، عدل کرے گا، صلیب کو توڑ دے گا اور خنزیر کو قتل کر دے گا۔ پھر حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اگر چاہو تو یہ (النساء، آیت 159) آیت پڑھ لو"۔ [3]

---

1 (نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی علیہ رحمہ نے تفسیر تبیان القرآن ج2، ص 862 پر کتب صحاح ستہ، مسانید اور معاجم سے 40 صحیح احادیث جمع کی ہیں وہاں ملاحظہ ہوں)

2 (النساء، آیت 157-159)

3 (صحیح البخاری، کتاب احادیث انبیاء، باب نزول عیسیٰ، ج2، ص338، حدیث 3448، فرید بک سٹال، لاہور)

قربِ قیامت کے ان واقعات پر حدیث نبوی ملاحظہ کیجیے :

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : " دجال کے علاوہ دوسرے فتنوں سے مجھے زیادہ خوف ہے۔ اگر میری موجودگی میں دجال نکلا تو تمہارے بجائے میں اس سے مقابلہ کروں گا اور اگر میری غیر موجودگی میں نکلا تو ہر شخص خود مقابلہ کرے گا اور ہر مسلمان پر اللہ میرا خلیفہ اور نگہبان ہے۔ دجال نوجوان اور گھنگریالے بالوں والا ہو گا۔ اس کی آنکھ پھولی ہوئی ہو گی۔ میں اس کو عبد العزی بن قطن کے مشابہ قرار دیتا ہوں۔ تم میں سے جو شخص اس کو پائے وہ اس کے سامنے سورہ کہف کی ابتدائی دس آیتیں پڑھے۔ بلاشبہ شام اور عراق کے درمیان سے اس کا خروج ہو گا، وہ اپنے دائیں بائیں فساد پھیلائے گا۔ اے اللہ کے بندو ثابت قدم رہنا۔ ہم نے کہا: یارسول اللہ! وہ زمین میں کب تک رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا چالیس دن تک۔ ایک دن ایک سال کے برابر ہو گا، ایک دن ایک ماہ کے برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر اور باقی ایام تمہارے عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! پس جو دن ایک سال کی طرح ہو گا کیا اس میں ہمیں ایک دن کی نماز پڑھنا کافی ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم اس کے لیے ایک سال کی نمازوں کا اندازہ کر لینا۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! وہ زمین پر کس قدر تیز چلے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بارش کی طرح جس کو پیچھے سے ہوا دھکیل رہی ہو۔ وہ ایک قوم کے پاس جا کر ان کو ایمان کی دعوت دے گا وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی دعوت قبول کر لیں گے۔ وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ پانی برسائے گا اور زمین کو حکم دے گا تو وہ سبزہ اگائے گی، ان کے چرنے والے جانور شام کو آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے سے لمبے، تھن بڑے اور کوکھیں دراز ہوں گی۔ پھر وہ دوسری قوم کے پاس جا کر ان کو دعوت دے گا۔ وہ اسکی دعوت کو مسترد کریں گے، وہ ان کے پاس سے لوٹ جائے گا۔ ان پر قحط اور خشک سالی آئے گی اور ان کے پاس ان کے مالوں سے کچھ نہیں رہے گا، پھر وہ ایک بنجر زمین کے پاس سے گزرے گا اور زمین سے کہے گا اپنے خزانے نکال دو، تو زمین کے خزانے اس کے پاس ایسے آئیں گے کہ جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سرداروں کے پاس جاتی ہیں۔ پھر وہ ایک کڑیل جوان کو بلائے گا اور تلوار مار کر اس کے دو ٹکرے کر دے

گا۔ جیسے نشانہ پر کوئی چیز لگتی ہے۔ پھر وہ اس کو بلائے گا تو وہ (زندہ ہو کر) دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہنستا ہوا آئے گا۔ دجال کے اسی معمول کے دوران اللہ تعالیٰ حضرت (عیسیٰ) مسیح ابن مریم کو بھیجے گا، وہ دمشق کے مشرق میں سفید مینار کے پاس دو زرد رنگ کے حُلّے پہنے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوں گے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنا سر جھکائیں گے تو اس میں سے قطرے گریں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو اس میں سے لعلوں جیسے موتی جھڑیں گے، جس کافر تک بھی ان کی خوشبو پہنچے گی اس کا زندہ رہنا ممکن نہ ہو گا اور ان کی خوشبو منتہائے نظر تک پہنچے گی، وہ دجال کی تلاشی کریں گے حتیٰ کہ بابِ لُد پر اس کو موجود پاکر قتل کر دیں گے ۔ پھر حضرت مسیح ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) کے پاس ایک ایسی قوم آئے گی جس کو اللہ تعالیٰ نے دجال سے محفوظ رکھا تھا، وہ ان کے چہروں پر دستِ شفقت پھیریں گے اور انہیں جنت میں ان کے درجات کی خبر دیں گے۔ ابھی وہ اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائے گا، میں نے اپنے کچھ بندوں کو نکالا ہے جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے، تم میرے ان بندوں کو طور کی طرف اکٹھا کرو، اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو بھیجے گا، اور وہ ہر بلندی سے بہ سرعت پھسلتے ہوئے آئیں گے ان کی پہلی جماعتیں بحیرہ طبرستان سے گزریں گی اور وہاں کا تمام پانی پی لیں گی، پھر جب دوسری جماعتیں وہاں سے گزریں گی تو وہ کہیں گی یہاں پر کسی وقت پانی تھا۔ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب محصور ہو جائیں گے حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے نزدیک بیل کی سری بھی تم میں سے کسی ایک کے سو دینار سے افضل ہو گی۔ پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب دعا کریں گے، تب اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا تو صبح کو وہ سب یک لخت مر جائیں گے، پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب زمین پر اتریں گے مگر زمین میں ایک بالشت برابر بھی جگہ ان کی گندگی اور بدبو سے خالی نہیں ہو گی، پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں کی مانند پرندے بھیجے گا، یہ پرندے ان کی لاشوں کو اٹھائیں گے اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا وہاں پھینک دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ایک بارش بھیجے گا جو زمین کو دھو دے گی اور ہر گھر خواہ وہ مٹی کا مکان ہو یا کھال کا خیمہ وہ آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا، پھر زمین سے کہا جائے گا تم اپنے پھل اگاؤ اور اپنی برکتیں لٹاؤ، سو اس

دن ان کی جماعت ایک انار کو (سیر ہو) کر کھالے گی، اور ایک دودھ دینے والی گائے لوگوں کے ایک قبیلہ کے لیے کافی ہو گی، اور دودھ دینے والی بکری ایک گھر والوں کے لیے کافی ہو گی، اسی دوران اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور وہ ہر مومن اور ہر مسلم کی روح قبض کرے گی، اور برے لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کھلے عام جماع کریں گے اور انہیں پر قیامت قائم ہو گی"۔ (1) (2) (3) (4)

☆ یہ بات بھی یاد رہے کہ دجال قربِ قیامت کسی انسان سے پیدا نہیں ہو گا بلکہ دجال پہلے ہی سے دنیا میں موجود ہے اور قربِ قیامت اُسے نکلنے کی اجازت ہو گی۔ احادیث میں ہے رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت تمیم داری کا چند اشخاص کے ساتھ دجال سے ایک جزیرہ پر سامنا ہوا تھا اور وہ وہاں مضبوطی سے بندھا ہوا تھا(5)۔ لہٰذا سوشل میڈیا پر جو مختلف قدرتی معذور (ایک آنکھوں والے) بچوں کی ویڈیوز گردش کرتی ہیں، کہ اُن سے متعلق جھوٹی افواہیں پھیلا کر کسی کی دل آزاری نہیں کرنی چاہیے۔

☆ **ایک اعتراض کا جواب:** منکرینِ حدیث یہ اعتراضات اٹھاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس دنیا میں دوبارہ نزول ختمِ نبوت ﷺ کے منافی ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد اب دوسرا کوئی نبی نہیں آسکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی حضرت محمد ﷺ کی آمد کے بعد اب کسی بھی شخص کو نبوت نہیں مل سکتی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی اس دنیا میں دوبارہ تشریف لانا ختمِ نبوت ﷺ کے منافی ہر گز نہیں، کیونکہ آپ علیہ السلام کو نبوت پہلے ہی مل چکی، اب آپ جب اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو رسول اکرم ﷺ کے اُمتی ہی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور

---

1 (صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب ذکر الدجال، ج 3، ص654، حدیث 7299، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی فتنة الدجال، ج 2، ص63، حدیث 121، فرید بک سٹال، لاہور)

3 (سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال، ج 3، ص 265، حدیث 3764، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

4 (سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنة الدضال... ، ج 2، ص607، حدیث 4064، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

5 (صحیح مسلم، کتاب، باب قصته الجساسة، ج 3، ص662، حدیث 7312، فرید بک سٹال، لاہور)

شریعتِ محمدیہ ہی کی تبلیغ کریں گے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے: حضور اکرم نور مجسّم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" تمہاری شان اس وقت کیا ہو گی، جب تم میں ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) نازل ہو گا اور تمہاری راہنمائی تمہاری شریعت کے مطابق کرے گا "۔[1]

اسی طرح امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد سے متعلق رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا:

(1) " تمہاری شان اس وقت کیا ہو گی جب تم میں ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) نازل ہو گا اور تمہارا امام (امام مہدی رضی اللہ عنہ) تم میں سے ہو گا"۔[2]

(2) اور آقا کریم ﷺ نے فرمایا: " دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہو گی حتیٰ کہ میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی عرب کا مالک بن جائے، اس کا نام میرے نام سے مطابق ہو گا"۔[3]

(3) اور حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مہدی مجھ سے ہو گا۔ کھلی پیشانی والا، بلند بنی والا، زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہو گی۔ سات سال حکومت کرے گا"۔[4]

☆ تاجدار ختم نبوت زندہ باد ☆

1 (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی نزول ابن مریم، ج1، ص159، حدیث 392، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسیٰ مریم، ج 2، ص 339، حدیث 3449، فرید بک سٹال، لاہور)

3 (ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی امام مہدی، ج 2، ص 59، حدیث 111، فرید بک سٹال، لاہور)

4 (سنن ابی داؤد، کتاب المہدی، ج 3، ص 252، حدیث 3736، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

قانونِ ناموسِ رسالت

فی زمانہ ناموسِ رسالت ﷺ (رسول اللہ کی عزت وناموس) کے خلاف باقاعدہ ایک عالم گیر مہم چلائی جارہی ہے۔ جس میں یہود و نصاریٰ سمیت دنیا بھر کے لبرل وملحدین شامل ہیں۔ آزادیٔ اظہارِ رائے کے نام پر فرانس و ہالینڈ میں گستاخانہ خاکوں کے مقابلے، بلاگرز کا فتنہ، قانونِ ناموسِ رسالت (295C) کو ختم کرنے کے لیے تمام یورپی پارلیمینٹ کا مسلمان ممالک پر زور دینا سب اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ اور پھر مسلمان حکمرانوں کے دل و دماغ پر ماڈرن اور لبرل بننے کا جو خبط سوار ہے تاکہ اہلیانِ مغرب کے حلقوں میں ان کو پزیرائی ملے، یہ تحفظِ ناموسِ رسالت میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ان حکمرانوں کا یہی رویّہ گستاخانِ رسول کو جرت دیتا ہے۔

295 C :

اللہ تعالیٰ، اُسکے حبیب ﷺ، قرآنِ مجید اور دیگر شعائرِ دین کی حرمت مسلمانوں کے لیے انتہائی حساس مسئلہ ہے۔ اِن مقدسات دینیہ کے تحفظ کے لیے قرآن و احادیث میں ہماری رہنمائی کی گئی ہے۔ پاکستان کے آئین میں اس کے متعلق قوانین شامل ہیں۔ جس میں سے ایک قانون (295C) کا ہے۔ جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والے شخص کو سزائے موت دی جائے گی۔ گستاخانِ رسول سے متعلق یہ سزائے موت کا قانون خود تاجدارِ دوجہاں حضور رحمتہ للعالمین کا بنایا ہوا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا فَاقْتُلُوهُ [1][2][3]

"یعنی جو کسی بھی نبی کی گستاخی کرے اُسے قتل کر دیا جائے"

---

1 (معجم الصغیر، حدیث 499، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت لبنان)

2 (الشفا بتعریف، قسم چہارم، باب اول، ج2، ص587، مکتبہ حنفیہ، لاہور)

3 (مجمع الزوائد، ج6، ص260، دار الکتب العربی، بیروت لبنان)

آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اس کے متعلق ہمیں گیارہ سے زائد فیصلے ملتے ہیں۔ جس میں آقا کریم ﷺ نے خود اپنے گستاخوں کو قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا گستاخِ رسول کو قتل کر کے آنے والے صحابی پر خوشی و رضامندی کو اظہار فرمایا[1]۔ آج یورپی ممالک اور پاکستان میں موجود سیکولر و لبرل طبقہ قانونِ ناموسِ رسالت 295 C کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکن حربہ اپنائے ہوئے ہے۔ کبھی فنڈڈ سیاست دانوں، اور کبھی سیکولر نظریات رکھنے والے دینی سکالرز کے ذریعے عام عوام کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے جاتے ہیں۔ قانونِ تحفظ ناموسِ رسالت 295 C میں کسی بھی قسم کی ترمیم کی نہ صرف ہر سطح پر مذمت اور مزاحمت ناگزیر ہے بلکہ اس کو غیر موثر بنانے کے لیے ضابطہ تعزیرات میں جو قانونی یا انتظامی اقدامات کیے جاتے ہیں ان کی مذمت اور مزاحمت ضروری ہے۔ ہمارے ہاں بہت سے قوانین صرف دکھاوے کے لیے اور عوام کے جذبات ٹھنڈا کرنے کا ایک حربہ ہیں۔ آج پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے 70 سال سے زائد عرصہ ہو گیا۔ ہمارا سوال ہے کہ کیوں آج تک کسی گستاخِ رسول کو جرم ثابت ہونے کے باوجود قانونِ ناموسِ رسالت 295 C کے تحت سزا نہیں دی گئی۔ کسی گستاخِ رسول کو سزا سنا بھی دی جائے تو بیرونی مداخلت پر اُسے کچھ عرصہ قید میں رکھنے کے بعد ملک سے فرار کروا دیا جاتا ہے۔ پہلے ایسی فضاء پیدا کرتے ہیں کہ مسلمان مشتعل ہوں اور پھر ان پر انتہاء پسندی اور جذباتیت کی چھاپ لگا دی جاتی ہے۔

اب اگر کوئی مسلمان خود کسی گستاخِ رسول کو کیفرِ قردار تک پہنچائے یا کوئی شخص کسی ذاتی غرض پر کسی (بے گناہ) شخص کو قتل کر کے گستاخی رسول کا الزام اُس پر لگا دے تو اِن سب واقعات کا اصل ذمہ دار حکومتی احکام اور وہ ادارے ہیں جو یوں مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتے ہیں اور 70 سال سے C 295 کو نافذ العمل بنانے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ جب کلمہ گو مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس پر ان اداروں سے کوئی اُمید نظر نہیں آتی تب

---

1 (اس موضوع مفتی ضیاء احمد قادری حفظہ اللہ کی تصنیف "گستاخِ رسول کے خلاف رسول اللہ ﷺ کے گیارہ فیصلے" کا مطالعہ کیجیے، جس میں آپ نے 150 سے زائد کتب احادیث و کتب سیرت وغیرہ کے حوالہ جات کے ساتھ ان واقعات کو نقل کیا ہے)

ہی ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں وگرنہ کوئی شخص کیونکر قانون اپنے ہاتھ میں لے گا۔ اس موقع پر بہت سے کلمہ گو حضرات کا ان اداروں کے خلاف آواز اٹھانے کے بجائے علماء ہی کو تنقید کا نشانہ بنانا ان لوگوں کی باطنی خباثت و منافقت ظاہر کرتا ہے، ویسے تو یہ لوگ مسلکی اختلافات پر شور شرابا کرتے ہیں لیکن جب تمام مسالک کے علماء ناموسِ رسالت جیسے حساس معاملے پر ایک ہی موقف پر نظر آتے ہیں تو یہ مغرب زدہ دانشور بجائے خوش ہونے کے مزید بپھر جاتے ہیں، یہ لوگ در حقیقت (پس پردہ) اسلامی سزاؤں کا انکار کرنے والے ہیں۔ جب یہ احکامِ دین کا آزادانہ طور پر انکار کرنے کی راہ نہیں پاتے تو علماء کرام کو حرفِ تنقید کا نشانہ بنا کر دل ٹھنڈا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی جداگانہ راہ اختیار کیے ہوئے ہیں کیونکہ تاجدرِ رسالت حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میری ناموس کے مسئلہ میں کبھی دو بکریاں بھی اختلاف نہیں کریں گی"[1]
(یعنی اس میں گستاخ رسول کے قتل کے سوا کوئی دوسری رائے ہے ہی نہیں)۔

" ہمارے ہاں اگر کسی حساس ادارے کے بارے میں کوئی اس طرح کی حرکت کر بیٹھے تو اُسے غائب کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ناموسِ رسالت مآب ﷺ جن پر ہمارے ماں باپ اور ہم سب کی جانیں قربان ہوں، کے حوالے سے اداروں کو بھی کسی کاروائی کی توفیق نہیں ہوتی، ہماری اعلیٰ عدلیہ آئے دن بعض معاملات پر از خود نوٹس لیتی ہے لیکن ان حساس اُمور پر اُن کا (سوموٹو) نوٹس کبھی علم میں نہیں آیا، کیا ہماری لائق صد احترام عدلیہ اور فاضل جج صاحبان کے نزدیک مقدساتِ دین کی حرمت ان امور کے برابر بھی نہیں جن پر وہ آئے دن نوٹس لیتے رہتے ہیں؟ "[2]

1 (المغازی، ج1، ص173/ تفسیر ناموسِ رسالت، ج1، ص632)
2 (اصلاح عقائد واعمال، ص63، دار العلوم، کراچی)

خلقِ عظیم اور 295 C :

ملحدین و لبرل طبقہ قانونِ ناموسِ رسالت 295C سے متعلق عام عوام کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے ایک یہ اعتراض اٹھاتا ہے کہ دیکھیں رسول اللہ ﷺ تو خلقِ عظیم کے مالک ہیں، ہمیں بھی گستاخانِ رسول ﷺ کے بارے میں اس قدر سخت رویہ نہیں رکھنا چاہیے۔

لبرل حضرات کی جانب سے خلقِ عظیم کی ایسی تشریح کرنا قرآنِ پاک، سنتِ رسول ﷺ، سنتِ صحابہ کے خلاف اور گستاخانِ رسول ﷺ کو اہانت رسول ﷺ پر جرت دینے کے مترادف ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآنِ پاک میں اپنے حبیب ﷺ کی شان میں فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ [1]

ترجمہ کنزالعرفان: (اور بیشک تم یقیناً عظیم اخلاق پر ہو۔)

اور حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا: اے اُم لمؤمنین!، مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتایئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں! تو آپ نے ارشاد فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہی تو ہے"۔ [2]

تو پتہ چلا کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ مبارکہ عین قرآنِ پاک کا مظہر اور آپ کا ہر ہر قول و فعل خلقِ عظیم ہے۔ اور آپ ﷺ کے صحابہ جنہوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کی اُن سے بڑھ کر کون خلقِ عظیم کے معنی کو سمجھنے والا ہو گا۔ اب یہ ملاحظہ کیجیے :

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اپنے حبیب ﷺ کے گستاخ ولید بن مغیرہ کو حرامی فرمایا :

عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ [3]

ترجمہ کنزالعرفان: (سخت مزاج، اس کے بعد ناجائز پیداوار ہے)

---

1 (القلم، آیت 4)

2 (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب جامع صلاۃ اللیل، ج1، ص532، حدیث 1736، فرید بک سٹال، لاہور)

3 (القلم، آیت 13)

اور ابو لہب جو اللہ کے حبیب ﷺ کو اذیتیں دیتا تھا اس کے متعلق فرمایا :

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ [1]

ترجمہ کنز العرفان: (ابو لہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ تباہ ہو ہی گیا)

اور فرمایا :

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ [2]

ترجمہ کنز العرفان: (بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے)

یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے دشمنوں کی مذمت میں اور رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس پر لب و لہجہ کی تعلیم دینے کے طور پر ارشاد فرمائیں۔

آج ہماری قوم نے صرف معاف کرنے کو خلقِ عظیم سمجھ لیا ہے، نہیں بھائی ! رسول اللہ ﷺ کا جہاد کرنا بھی خلقِ عظیم ہے اور کافروں پر سختی کرنا بھی خلقِ عظیم ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا :

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ [3]

(اے غیب کی خبریں دینے والے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو)

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ جو حسن خلق کے ساتھ موصوف ہیں کافروں پر جہاد اور ان پر سختی کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کافروں پر سختی کرنا خلقِ عظیم میں داخل ہے "۔[4]

جہاں رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی دیکھیں وہاں پیارے آقا حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی مدنی زندگی بھی دیکھنی چاہیے۔

☆ امام الانبیاء حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے ہجرت کے بعد 10 سالوں میں 27 غزوات میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی اور تقریباً 56 سرایا روانہ فرمائے۔

---

1 (الھب،آیت1)

2 (الکوثر،آیت3)

3 (التوبہ،آیت73)

4 (مکتوبات امام ربانی، ج1، مکتوب163، اکبر بک سیلرز، لاھور)

(سرایا یعنی صحابہ کرام کو جنگی کاروائیوں کے لیے روانہ فرمایا)۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے خلقِ عظیم کا ہی حصہ ہے۔

☆ حبیبِ کبریا حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا بنو قریظہ والے دن یہودیوں کو " بندروں اور خنزیروں کے بھائیو ، شیطان کے پجاریو! " کہنا بھی خلقِ عظیم ہے۔[1]

☆ جانِ جاناں حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا بنو قریظہ کے 600 سے زائد یہودیوں کو عہد شکنی کرنے پر ایک ہی دن میں قتل کرنے کی اجازت دینا اور فرمانا :" آسمان پر رب تعالیٰ کا فیصلہ بھی یہی ہے "۔ یہ بھی خلقِ عظیم ہے۔[2]

☆ تاجدارِ دوجہاں حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا مختلف مواقع پر کفار کے خلاف دعائے ضرر فرمانا بھی خلقِ عظیم ہے۔

☆ سرورِ عالم حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے جب عقبہ بن ابی معیط (جس نے حالتِ نماز میں آپ ﷺ کی پشت پر اونٹ کی غلیظ اوجھڑی ڈالی تھی) کے قتل کا ارادہ کیا ، تو اُس نے کہا میرے بچوں کا کیا بنے گا تو رسول اللہ نے فرمایا : "آگ"۔ (یعنی تیرے بچے جائیں جہنم میں)[3] ۔ یہ بھی خلقِ عظیم ہے۔[4]

☆ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کو رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں اُمصص بَظرَ اللّاتِ کہنا بھی بد خلقی نہیں بلکہ خلقِ عظیم ہے۔[5]

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول اللہ ﷺ پر حملے کرنے کی نیت سے آنے والے شخص کو "یہ کتا اللہ کا دشمن کسی اچھی نیت سے نہیں آیا" کہنا بھی خلقِ عظیم ہے۔[6]

---

1 (سبل الھدیٰ والرشاد، باب بنو قریضہ کی طرف روانگی، ج5،ص29،زاویہ پبلشرز، لاھور)

2 (المواھب الدینیہ، باب غزوہ بنو قریضہ ، ج1،ص 331، فرید بک سٹال ،لاھور)

3 (قال شیخ الحدیث والتفسیر علامہ خادم حسین رضوی علیہ رحمہ)

4 (سنن ابی داؤد ، کتاب الجھاد، باب فی قتل الاسیر صبراً، ج 2،ص 271،حدیث 2311،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاھور)

5 (صحیح البخاری ، کتاب الشروط ،باب شروط فی الجھاد، ج2،ص31،حدیث 2731،فرید بک سٹال، لاھور)

6 (اذانِ حجاز ،ص378، مکتبہ طلع البدر علینا ،لاھور)

☆ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے چند صحابہ کے ساتھ روضہ خاخ پر جاتی عورت سے ایک خفیہ خط لینے بھیجا تو اس پر اُس عورت نے انکار کیا اور کہا میرے پاس خط نہیں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہر گز غلط نہیں ہو سکتا یا تو خط نکال یا ہم تجھے برہنہ کر کے خط نکلوائیں گے۔ اللہ اللہ جلالِ حیدری ! یہ بد خلقی نہیں بلکہ خلق عظیم ہے۔(1)

☆ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کی عزت ناموس کے دفاع میں اپنے باپ عبد اللہ بن ابی کے سینے پر چڑھ کر تلوار سیدھی کر لینا بد خلقی نہیں بلکہ اللہ کے حبیب ﷺ کے دفاع میں ایسا کرنا ہی خلقِ عظیم ہے۔(2)

☆ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں مکہ کے سردار ابو جہل کے سر پر تلوار مار کر سر پھاڑ دینا بد خلقی نہیں بلکہ یہی خلقِ عظیم ہے۔(3)

☆ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول اللہ کے خلاف آنے والے اپنے باپ کو جنگِ اُحد میں قتل کر دینا یہ بد خلقی نہیں بلکہ خلق عظیم ہے ۔(4)

☆ عروہ بن مسعود کا خوشامد کے طور پر رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک تک اپنا ہاتھ لے جانے پر اُن کے بھتیجے حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کہنا کہ "(اے چچا !) اب اگر حضور ﷺ کی داڑھی مبارک تک ہاتھ لے کر گیا تو تیرا کام تمام کر دوں گا"۔ یہ بھی بد خلقی نہیں بلکہ عین خلقِ عظیم ہے۔(5)

☆ غزوہ خندق کے موقع پر عیینہ بن حصن کے رسول اللہ ﷺ کی طرف ٹانگیں پھیلا کر بیٹھنے پر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انہیں یہ کہنا کہ "اے بندر کی آنکھ والے ! اپنی ٹانگیں سمیٹ لو، بخدا ! اگر حضور اکرم ﷺ یہاں تشریف فرما نہ ہوتے تو میں یہ نیزہ تیرے

---

1 (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب فضل من شهد بدراً، ج2، ص537، حدیث 3983، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (اذانِ حجاز، ص296، مکتبہ طلع البدر علینا، لاہور)

3 (معجم الکبیر، فضائل امیر حمزہ، ج 2، ص453، حدیث 2857، پرو گریسو بکس، لاہور)

4 (تفسیر صراۃ الجنان، سورۃ المجادلہ تحتہ آلایت 22)

5 (سبل الهدی والرشاد، باب غزوہ حدیبیہ، ج5، ص67، زاویہ پبلشرز، لاہور)

خصیوں میں سے نکال دیتا " ۔ یہ بد خلقی نہیں بلکہ خلقِ عظیم ہے۔[1] اور یہ تمام ادب و تعظیم مصطفیٰ ﷺ پر افضل ترین لوگوں کی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں، سبحان اللہ عزو جل۔

کیا قرآن و حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں ان مذکور بالا آیات و احادیث پڑھنے کے بعد کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ گستاخانِ رسول ﷺ کے ساتھ سختی والا معاملہ کرنا درست نہیں ؟۔ہاں کہے گا مگر وہی جو جس کے سر پر بد مذہبی کا خبط سوار ہے۔

ایک صحابہ کرام تھے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرنا بھی برداشت نہ کرتے تھے اور ایک آج کے مسلمان ہیں جن کے دل فرانس و ہالینڈ میں سرکاری سطح پر ہونے والے رسول اللہ ﷺ کے خاکوں کے مقابلے کے بعد بھی نہیں دُکھتے ،اِنہیں اب بھی غصہ نہیں آتا، یہ طاقت کا استعمال اللہ کے حبیب ﷺ کی عزت و ناموس کے لیے بھی نہیں کرتے بلکہ جو لوگ فرانس کا سفارتی و تجارتی بائیکاٹ کرنے کا مطالبہ کریں یہاں اُلٹا اُن مسلمانوں کو ہی شہید کر دیا جاتا ہے۔ یہ صرف اسلامی ممالک پر قابض بے دین یہود و نصاریٰ کی دلالی کرنے والے حکمران ٹولے کی بزدلی و بے حسی ہے کہ آج یورپ کو سرکاری سطح پر امام الانبیاء ﷺ کی گستاخی کی جرت ہے وگرنہ ہر کلمہ گو غیرت مند مسلمان آج چودہ سو سال بعد بھی اپنے آقا و مولا ﷺ کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں
(حدائقِ بخشش)

---

1 (سبل الھدی والرشاد، باب غزوہ خندق ، ج 4، ص 813 ، زاویہ پبلشرز، لاھور)

مذموم (برا) غصہ کونسا ہے؟

ہمارے ہاں ایک طبقہ کہتا ہے کہ غصہ کرنا حرام ہے جبکہ یہ بات درست نہیں۔ یہ بات عموماً یہ لوگ اُس وقت کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ اللہ اور اُسکے رسول ﷺ کے دشمنوں کے خلاف غصہ کیا جارہا ہے۔ اور جب ان لوگوں کا کوئی ذاتی معاملہ ہو کوئی ان کا حق مارے یا ان کے ماں باپ کو گالی نکالے تو یہی لوگ آگ بگولہ ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ شریعت کا حکم تو یہ تھا کہ اگر آپ پر کوئی زیادتی کرے، تو اپنے حق کو معاف کر دیا جائے (لوگوں کو معاف کرنے اور غصہ پر قابو پانے وغیرہ سے متعلق احادیث اسی پر ہیں) جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا حکم ہے لیکن یہ لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب ﷺ کے لیے غصہ کرنا جبکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو ، یہ بداخلاقی نہیں بلکہ عین ایمان کی نشانی ہے۔ مذموم غصہ وہی ہے جو اپنے نفس کی تسکین اور ناحق کے لیے ہو۔

دین کے لیے غصہ کرنا :

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اپنے پیارے حبیب ﷺ کو کفار پر غصہ و سختی کرنے کا حکم خود ارشاد فرمایا :

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ [1]

ترجمہ کنزالعرفان : " اے غیب کی خبریں دینے والے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کاٹھکانا جہنم ہے اور کتنی بری پلٹنے کی جگہ ہے "

اسی طرح حدیث پاک میں جانِ جاناں حضور رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

(1) "دین کے لیے غصہ میری امت کے بہترین اور نیک لوگوں کو ہی آتا ہے"۔[2]

---

1 (التوبہ، آیت 73)

2 (صوفیائے کرام کی مجاہدانہ زندگی، ج1، ص297، مکتبہ طلع البدر علینا / المعجم الکبیر / مسند ابن ابی شیبہ)

(2) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں : " رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں (ایک روایت میں ہے رخسار مبارک سرخ ہو جاتے) اور آواز بلند ہو جاتی اور جلال بہت زیادہ ہوتا اور یوں لگتا جیسے آپ کسی ایسے لشکر سے ڈرا رہے ہوں جو صبح یا شام میں حملہ کرنے والا ہو "۔ [1]

(سبحان اللہ ! وعظ و نصیحت کے وقت یہ جلال بھی ہمارے آقا و مولا ﷺ کی سنت مبارکہ ہے، آج اگر کوئی عالم دین دشمنانِ دین کے خلاف بھی سخت بات کرے تو لبرل لوگ کہتے ہیں کہ مولانا صاحب کو آرام سے بات کرنا چاہیے تھی، ایسے لوگوں کو اپنا قبلہ درست کرنا چاہیے)۔

(3) دین کے لیے غصہ نہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ : "اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو بنی اسرائیل کی ایک قوم کو اُلٹنے (عذاب نازل کرنے) کا حکم ارشاد فرمایا تو سب سے پہلے اُس شخص کو عذاب میں مبتلا کرنے کلا حکم فرمایا جو عبادت گُزار تو تھا لیکن اُسے اللہ تعالیٰ کی خاطر کبھی غصہ نہیں آیا تھا۔ [2]

مذکور بالا کلام سے یہ بات بلکل واضح ہو گئی کہ لبرل یا سیکولر حضرات جو بظاہر دین اسلام کی محبت کا دم بھرتے ہیں وہ خلقِ عظیم کے معنی و مفہوم اپنے مزاج کے مطابق اخذ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں۔ دین کی خاطر غصہ آنا نقصِ ایمان نہیں بلکہ اصلِ ایمان ہے۔ ہمارے آقا و مولا ﷺ کی ہر ہر ادا آپ کا ہر قول و فعل ہی خلقِ عظیم ہے، اسی طرح فتنے کو ختم کرنے کے لیے حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کا اپنی حیاتِ مبارکہ میں گستاخوں کے خلاف گیارہ سے زائد فیصلے فرمانا اور صحابہ کرام کا گستاخی کے مرتکب شخص کو قتل کرنے پر اجماع ہونا بھی خلقِ عظیم کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

---

1 (صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب رفع الصوت ۔۔، ج1، ص610، حدیث 2002، فرید بک سٹال، لاھور)

2 (تفسیر تبیان القران ج3، ص235، فرید بک سٹال، لاھور / المعجم الاوسط)

رسول اللہ ﷺ کا اپنے دشمنوں کو معاف فرمانا :

گستاخیءِ رسول ﷺ سے متعلق جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو لبرل حضرات یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ رسول اللہ تو اپنے دشمنوں کو معاف فرما دیا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بلاشبہ آپ ﷺ نے اپنی جان و مال اور اُن قول و فعل کا بدلہ نہیں لیا جن کا تعلق سوء ادب یا معاملات سے ہے، جس سے فاعل کا مقصد اذیت و گالی نہیں تھا جو اہلِ عرب کی سابقہ عادت کی بناء پر تھی کہ وہ ظلم و جفا و نادانی میں رچے بسے تھے۔ جیسا کہ بدوی کا قصہ جس نے چادر آپکی گردن مبارک میں ڈال کر کھینچا یا اُس شخص کا قصہ جس نے گھوڑا فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا جسے آپ ﷺ نے خرید لیا تھا۔ (الشفاء شریف)

لیکن گستاخانِ رسول کو نبی اکرم ﷺ قتل کروایا کرتے تھے، کیونکہ یہ حرماتِ الہٰیہ میں سے ہے اور حرماتِ الہٰیہ سے متعلق اُم المومنین حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ : " رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا مگر جب کوئی اللہ عزوجل کی حرمت کو پامال کرتا تو آپ ﷺ اس سے اس کا بدلہ لیتے "۔[1]

(روایات میں گیارہ سے زائد آپ ﷺ کے فیصلے موجود ہیں جس میں آپ ﷺ نے گستاخوں کے قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا یا قتلِ گستاخ پر خوشی و رضامندی کا اظہار فرمایا) البتہ ابتدائے اسلام میں چند ایسے بے ادب لوگ جو بظاہر مسلمان تھے، نمازیں اور دیگر شرعی احکام کی پابندی بھی کرتے تھے، بعض دفعہ نبی اکرم ﷺ نے وقتی طور پر ان کے قتل سے روک دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ آرزو تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں اسی لیے رسول اللہ ﷺ ان کی اہانتوں اور تکالیفوں پر صبر فرمایا کرتے تھے۔ تاکہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، یا قبول کرنا چاہتے تھے وہ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرواتے ہیں ،منافقین کی حالت چونکہ عام لوگوں سے مخفی تھی اور آپ ظاہر پر ہی حکم لگایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک شخص نے مالِ غنیمت کی تقسیم پر کہا " اللہ کے نبی انصاف سے کام لیجیے " اس پر حضرت عمرِ

1 (صحیح البخاری ، کتاب المناقب، باب صفة النبی، ج 2، ص 373، حدیث 3560 ، فرید بک سٹال، لاهور)

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلال میں آئے اور اس شخص کو قتل کرنا چاہالیکن رسول اللہ ﷺ نے انکو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

اسی طرح فتح مکہ کے دن وہ چار مرد اور دو عورتیں جن کے قتل کرنے کا آقا کریم ﷺ نے حکم ارشاد فرمایا تھا لیکن ان میں سے بعض لوگوں نے کسی صحابیِ رسول سے امان لے کر یا کسی دوسرے طریقے سے آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری اور معافی کی درخواست کا ایک موقع چاہاتو اگرچہ کہ حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کی یہی خوائش تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے لیکن آپ ﷺ نے انہیں معاف فرمادیا جیسا کہ روایت میں ہے کہ:

حضور ﷺ کی چاہت:

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے چار مردوں اور دو عورتوں کے سوا سب کو امان دے دی، وہ چار مرد یہ تھے عکرمہ بن ابی جہل، عبد اللہ ابن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سراح۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ لوگ کعبہ کے پردوں سے بھی لٹکے ہوئے ہوں تو ان کو قتل کر دینا ۔عبد اللہ بن خطل کعبے کے پردوں میں چھپا ہوا پکڑا گیا، حضرت سعد بن حریث نے اس کو قتل کر دیا۔ مقیس بن صبابہ کو لوگوں نے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا۔ عکرمہ سمندری طوفان میں پھنس گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے اللہ اگر تو نے مجھے اس گرداب سے بچالیا تو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جاکر توبہ و معافی کا طلبگار ہوں گا، وہ بارگاہِ رسالت میں آئے اور مسلمان ہوگئے (ملخصًا)۔ اور رہے عبد اللہ بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس چھپ گئے۔ حضرت عثمان ان کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لے گئے اور کہا یارسول اللہ ﷺ عبد اللہ کو بیعت کر لیجیے۔ آپ نے تین بار اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کیا۔ پھر تین بار انکار کے بعد آپ نے بیعت کر لیا پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم میں اتنا سمجھ دار شخص کوئی نہ تھا؟ کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہمیں کیا پتہ تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے ہماری طرف آنکھوں سے اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نبی کے لیے یہ

جائز نہیں ہے کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو"۔ (1)

اسی طرح مشہور حدیث پاک میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کرام سے) فرمایا: قریش کی ہجو کرو، کیونکہ اُن پر ہجو تیر کی بوچھاڑ سے زیادہ شاق گزرتی ہے (یعنی میرے دشمنوں کو اشعار کے ذریعے جواب دو)۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب کر کے فرمایا: ان (کفار) کی ہجو کرو سو انہوں نے اُن کی ہجو کی لیکن آپ ﷺ کو اطمینان نہ ہوا۔ پھر آپ نے کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب کیا پھر حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب کیا، سو جب حضرت حسان آپ کے پاس آئے تو انہوں نے عرض کی: اب وقت آگیا ہے آپ نے اُس شیر کو طلب فرمایا ہے جو (دشمن کو) اپنی دم سے مارتا ہے، پھر حضرت حسان بن ثابت اپنی زبان نکال کر اُسکو ہلانے لگے اور عرض کی: اُس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ان کو اپنی زبان (کی کاٹ) سے اس طرح چیر پھاڑ دوں گا جس طرح چمڑے کو پھاڑا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے: (اے حسان!) جب تک تم اللہ اور اس کے رسول (کی ناموس) کا دفاع کر رہے تھے روح القدس (جبریل امین) مسلسل تمہاری تائید کر رہے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسان نے اُن کی ہجو کر کے مسلمانوں کے دل کو ٹھنڈک پہنچائی اور کفار کے دل کو رنجیدہ کیا" (ملخصًا)۔ (2)

سبحان اللہ! ان روایات سے پتہ چلا حضور رحمتِ عالم ﷺ خود اس بات خواہش رکھتے تھے کہ میرے غلام میرے دشمنوں کو بڑھ چڑھ کر جواب دیں اور میری شان میں خوب مبالغہ کریں۔ اور اس روایت میں دربارِ رسالت کے شاعر حضرت حسان بن ثابت کے جملے معترضین (لبرل و سیکولر حضرات) کے اعتراضات کو چیر پھاڑ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ تو اپنے دشمنوں کو معاف فرمادیا کرتے تھے۔ تو ایسے لوگوں سے ہمارا سوال ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دشمنوں کو معاف فرمایا پھر تو یہ

---

1 (سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب قتل اسیر، ج2، ص269، حدیث 2308/ کتاب الحدود، حدیث 3793، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل حساب بن ثابت، ج3، ص361، حدیث 6345، فرید بک سٹال، لاہور)

تمہارے لیے سنت بن گئی تم بھی اپنے دشمنوں کو معاف کیا کرو، تم اپنے ساتھ زیادتی کرنے والوں کو معاف کیوں نہیں کرتے؟۔ اور یہ بھی بتاو! کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دشمن کو معاف کیا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کے دشمن کو بھی معاف کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دشمن کو معاف کیا ہے تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی رسول اللہ ﷺ کے گستاخ کو معاف کیا؟، اگر کیا ہے تو ثبوت دیا جائے۔

تمہارے والد کا اپنے دشمن کو معاف فرمانا کرم نوازی اور تمہارا اپنے والد پر ظلم وستم کرنے والے شخص کو معاف فرما کر اُسے دوست بنالینا غداری کہلائے گا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا کسی شخص کو معاف کرنا یہ آپ ﷺ کا اپنے حق میں تصرف اور کرم نوازی ہے۔ لیکن امتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں تصرف کر کے آپ ﷺ کے گستاخ کو معاف فرمادے، یہ تو آقا کریم ﷺ سے غداری کے مترادف ہے۔ [1]

کسی ظالم کو اُس کے کیے پر سزا نہ دینا ظلم ہے، جبکہ اسے جرم ثابت ہونے پر سزا دینا نیکی ہے۔ کسی قاتل کو چھوڑ دینا بھی ظلم ہے اور قاتل کو قصاص میں قتل کرنا نیکی ہے۔ بلکل اسی طرح کسی گستاخ کو سزا دینا عین نیکی ہے جبکہ اس کو کھلا چھوڑ دینا ظلم عظیم ہے۔

مذکور بالا کلام سے رسول اللہ ﷺ کے لوگوں کو معاف فرمانے سے متعلق حقیقت واضح ہوگئی، حضور رحمت عالم ﷺ کی خواہش ظاہر ہوگئی اور لبرل و قادیانیوں کی جھوٹی سازشیں و منافقت بے نقاب ہوگئی۔ الحمدُ لِلّٰہ۔

وہ لوگ جو چند روایات کو بنیاد بنا کر اپنا مدعا پیش کرتے ہیں اُنہیں چاہیے کہ اُن احادیث پر بھی نظر رکھیں جن میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب ﷺ کے دشمنوں پر سختی کا حکم ملتا ہے۔ اے عزیز! ایک قسم کی احادیث کو بیان کرنا اور دوسری روایات کو بالکل چھوڑ دینا آپ کو زیب نہیں دیتا۔

---

1 نبی پاک ﷺ کی عزت وناموس کا مسئلہ حرمت الٰہیہ میں سے ہے، ایسے شخص کی سزا خود شرع نے مقرر کر دی ہے ما وشما کو کیا اختیار جو اس میں خود سے معافی نامے بانٹتے پھریں۔

گستاخ رسول کوماورائے عدالت قتل کرنا

کتبِ احادیث و سیرت وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے تو گستاخانِ رسول کی سزا سے متعلق تین قسم کی احادیث ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اول قسم یہ کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایک قاعدہ کُلیہ بیان فرمایا کہ جو شخص کسی بھی نبی کی گستاخی کرے اُسے قتل کر دیا جائے جیسے فرمایا :

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا فَاقْتُلُوْهُ (1) (2) (3)

"یعنی جو کسی بھی نبی کی گستاخی کرے اُسے قتل کر دیا جائے"

دوسری قسم کی روایات وہ ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے گستاخوں کو قتل کروانے کے لیے خود اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو روانہ فرمایا یعنی حکم دیا کہ فلاں فلاں گستاخ کو قتل کر کے آؤ۔(جیسے حضرت فیروز الدیلمی کو مدعی نبوت اسود عنسی کی طرف بھیجنا یا ابو رافع، کعب بن اشرف، ابن خطل، عصماء بنت مروان کو قتل کروانا وغیرہ)۔

تیسری قسم کی روایات وہ ہیں جن میں کسی صحابیِ رسول نے گستاخانِ رسول کو ماورائے عدالت قتل پہلے کر دیا اور رپورٹ بارگاہِ نبوی ﷺ میں بعد میں پیش کی۔ اور صحابیِ رسول ﷺ کا اپنا مدعیٰ بیان کرنے کے بعد حضور رحمۃ للعالمین نے اُس شخص کے خون کو بے بدلہ (مباح) قرار دیا۔(جیسے ایک نابینا صحابی کا ام ولد کو قتل کرنے کا واقعہ، حضرت عمر کا بِشر نامی منافق کو قتل کرنا، حضرت عمیر بن امیہ کا ایک عورت کو قتل کرنا وغیرہ)۔

کتب میں موجود ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گستاخِ رسول مباح الدم ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست میں گستاخِ رسول کو سزا دینا حکومت کی ذمہ داری ہے، عام آدمی قانون اپنے ہاتھ

---

1 (معجم الصغیر، حدیث 499، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت لبنان)

2 (الشفا بتعریف، قسم چہارم، باب اول، ج2، ص587، مکتبہ حنفیہ، لاہور)

3 (مجمع الزوائد، ج6، ص 260، دار الکتب العربی، بیروت لبنان)

میں نہ لے۔ لیکن اگر کسی شخص نے قانون اپنے ہاتھ میں لے کر کسی ایسے گستاخ رسول کو قتل کر دیا جس کی گستاخی بالکل واضح تھی یعنی اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ تھی اور وقت کے جید مفتیانِ کرام اُس کے گستاخِ رسول ہونے پر فتویٰ دیتے تھے تو ایسے شخص کو اگر کوئی قتل کر دے تو اُس پر کوئی قصاص یا تاوان نہیں ہو گا، کیونکہ گستاخ رسول مباح الدم (اس کا خون معاف اور یہ واجب القتل) ہوتا ہے۔ لیکن چاہیے یہی تھا کہ حکومتِ وقت خود اس گستاخ کو قتل کرواتی، تاکہ معاشرے میں کوئی انتشار نہ پھیلے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کتبِ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں گستاخِ رسول ﷺ کے قتل سے متعلق تمام واقعات، اسی طرح غازی علم دین شہید اور غازی ممتاز حسین قادری رحمۃ اللہ علیہما کا گستاخوں کو قتل کرنا، یہ تمام وہ واقعات ہیں جس میں اہانت رسول واضح طور پر ثابت شدہ تھی اور اس میں کوئی دوسری رائے نہ تھی، گواہوں سے جرم اہانت کا وقوع یقینی تھا یا وحی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو اس کی تصدیق کر دی گئی تھی (جیسے حضرت عمر کا گستاخ کو قتل کرنے کا واقعہ)۔ اس بناء پر یہ امر واضح رہنا چاہیے کہ اگر صریح اور مسلمہ توہینِ رسالت موجود ہو اور اس کے ثبوت میں کوئی کلام نہ ہو تو تب ہی ان واقعات سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

آج بعض لوگ حضور تاجدارِ ختم نبوت ﷺ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں بعض نظری (ظنی) اختلاف کو ناموسِ رسالت کا مسئلہ بنا کر اگر ان سے استدلال کرنا شروع کر دیں تو یہ رویہ قانون و شرع کی نظر میں کسی رعایت کا مستحق نہیں ہو گا۔ علماء کو چاہیے کہ گستاخِ رسول کی سزا بیان کرنے کے ساتھ اس حوالے سے بھی عوام کی رہنمائی فرماتے رہا کریں۔

احادیث میں موجود واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ توہینِ رسالت کا مقدمہ ہو یا کوئی اور تنازعہ ہو یہ امور اسلامی عدالت سے بالاتر نہیں کہ جو شخص بھی چاہے تو توہین رسالت کا دعویٰ کر کے قانون سے بالاتر ہو کر رعایت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ بلکہ ان احادیث سے سنتِ نبویہ دراصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے واقعات ہونے پر شرعی عدالت میں ان کی باز پرس کی جائے، امر واقعہ کا پوری طرح جائزہ لیا جائے اور شریعت کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ اگر امر واقعہ میں اہانت رسول کا ارتکاب نہیں ہوا ہے تو ایسے مجرم کو سزا سے معافی دی جائے اور اگر در حقیقت ایسے ہوا ہے (یعنی گستاخی ثابت ہوئی) تو پھر ملزم پر شرع و قانون کے تقاضے پورے کیے جائیں تاکہ

لوگوں کے جان ومال ایمان محفوظ رہے اور بالفرض کسی نے توہینِ رسالت کی آڑ میں اپنا غصہ و انتقام پورا کیاہے تو اس کو جواباً قصاص میں قتل کیا جائے گا۔[1]

انسانی جان کی حرمت / عبرت حاصل کیجیے :

کسی مسلمان کا گستاخ رسول کو ماورائے عدالت قتل کرنے یا کسی شخص کے ذاتی رنجش کی بنیاد پر گستاخی کا الزام لگاکر دوسرے کو قتل کر دینے جیسے واقعات سے ہمارے حکومتی اداروں کو اپنی آنکھیں کھولنی چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ آخر کیوں عوام کا اُن سے اعتماد اُٹھ رہا ہے۔ یقیناً اس کی وجہ یہی ہے کہ پاکستان میں گستاخی ثابت ہونے کے باوجود قانونِ ناموسِ رسالت C 295 کے تحت سزا نہیں دی بلکہ بیرونِ ملک بھیج دیا جاتا ہے ۔

بغیر کسی شرعی دلیل، واضح ثبوت کے صرف اپنی عقل یا ذاتی رنجش کی بناء پر کسی مسلمان یا غیر مسلم کو قتل کرنے والا شخص بہت سخت گناہ و سزا کا مرتکب و مستحق ہے۔ ہمیں درجِ ذیل روایات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًاؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا [2]

ترجمہ کنزالعرفان : " جس نے کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے بدلے کے بغیر کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک جان کو (قتل سے بچا کر) زندہ رکھا اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔

اور امام الانبیاء حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا :

(1) "کسی مومن کو (بے گناہ) قتل کرنے میں اگر زمین و آسمان والے شریک ہو جائیں تو اللہ

1 (ماخوذ تفسیر ناموسِ رسالت، ج1، ص644، مکتبہ طلع البدر علینا، لاهور)
2 (المعائدہ، آیت 32)

تعالیٰ ان سب کو جہنم میں دھکیل دے"۔[1]

(2) اور نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: " اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے ظلماً قتل سے زیادہ سہل ہے"۔[2]

(3) اور حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آگاہ رہو! جو کسی معاہد کو قتل کرے جس کے لیے اللہ اور رسول کا ذمہ ہو (یعنی جو کسی غیر مسلم شہری جس سے معاہدہ ہو کو ناحق قتل کرے) اس نے اللہ تعالیٰ کا ذمہ توڑ دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے آتی ہو گی"۔[3]

☆☆☆

---- حرف آخر ----

ختم نبوت وناموسِ رسالت ﷺ پر اس قدر تاویل کلام کا مقصد، بالخصوص یونیورسٹی و کالج کے نوجوانوں اور بالعلموم ہر خاص و عام کے قلوب و اذھان میں مسئلہ ناموسِ رسالت ﷺ سے متعلق لبرل حضرات اور میڈیا کے پیدا کئے شبہات کو دور کرنا اور قانونِ ناموس رسالت و عقیدہ ختم نبوت ﷺ کی حساسیت کو واضح کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت کے پیارے حبیب ﷺ کی عزت وناموس کے تحفظ کے لیے میری اِس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ مجھے، میرے عزیز و اقرباء اور اس کتاب کے قارئین کو بروزِ محشر حضور جانِ رحمت ﷺ کی عزت وناموس کے محافظوں میں اٹھائے۔ آمین

---

1 (ترمذی، کتاب الدیات، باب الحکم فی الدماء، ج1، ص701، حدیث1421، فرید بک سٹال، لاھور)

2 (ترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی تشد، ج1، ص700، حدیث1416، فرید بک سٹال، لاھور)

3 (ترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فیمن یقتل، ج1، ص703، حدیث1426، فرید بک سٹال، لاھور)
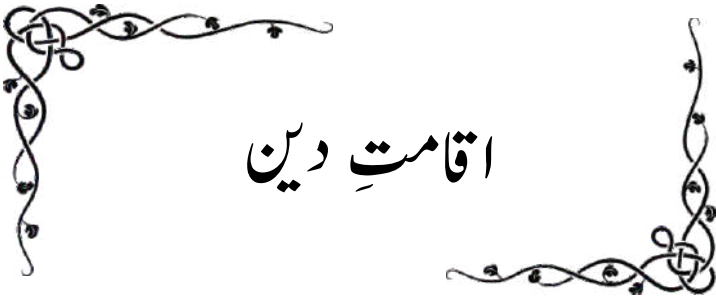
اقامتِ دین

اقامتِ دین

مریدِ ہندی (علامہ اقبال) کا سوال
پیر رومی (مولانا جلال الدین رومی) کا جواب

مریدِ ہندی
کاروبارِ خسروی یا راہبی
کیا ہے آخر غایتِ دینِ نبی؟

ترجمہ : یہ فرمایئے کہ پیغمبر اسلام حضور سرور کائنات ﷺ جو دین لے کر آئے، اس کی بنیادی طور پر غرض وغایت کیا ہے ؟ کیا اس سے اللہ کے دین کو پوری دنیا پر غالب کرنا اور حکمرانی مراد ہے یا ترک دنیا اور رہبانیت اس کا مقصود ہے ؟

پیرِ رومی
مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ
مصلحت در دینِ عیسی غار و کوہ

ترجمہ : ہمارے دین میں جنگ (جہاد) شوکت اسلام کا ذریعہ ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا مسکن غار اور پہاڑ ہے یعنی ترک دنیا و راہبی۔ یعنی دین کا ملک و معاشرے پر غلبہ ہونے سے ہی امت اور اسلام کی نجات و شوکت ہے ورنہ بے دین لوگ جب حاکم ہوں گے تو چنگیزی ہی ہوگی۔ ترک دنیا اپنی معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار کے مترادف ہے۔

Complete code of life

مکمل ضابطہ حیات :

"اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور دین فطرت ہے۔" یہ جملہ ہم نے اپنے سکول وکالج کے نصاب میں بارہا پڑھا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ہماری اکثریت اس جملے کے اصل معنی و مفہوم سے ناواقف ہے۔ جی ہاں! ہم ایک آزاد اور خود مختار ریاست (اسلامی جمہوریہ پاکستان) میں تو رہتے ہیں، جو اسلام کے نام پر لاکھوں لوگوں کی قربانیوں کے ثمرہ میں معرضِ وجود میں آیا۔ اور یقیناً یہ آزادی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی سہی قدر تو کسی اسیر سے ہی پوچھی جا سکتی ہے۔ لیکن بحیثیت مسلمان ہماری قومی آزادی یہ ہے کہ ہم دینِ اسلام پر عمل کے معاملے میں مکمل طور پر آزاد ہوں مگر اس آزادی سے ہنوز ہم محروم ہیں۔ آج ہماری مذہبی آزادی محدود اور دینی آزادی پابندِ سلاسل ہے۔ ہم نے دین اسلام کو مساجد، مدارس اور خانقاہوں تک محدود کر کے اسلام کے اس عالمگیر نظام کو راہبانیت میں تبدیل کر دیا ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

منزل و مقصود قرآن دیگر است
رسم و آئین مسلمان دیگر است

(قرآن کا مقصد اور حاصل کچھ اور چیز ہے مسلمانوں کی رسمیں اور قانون کچھ اور ہو گئے ہیں)

☆ یاد رکھیں مذہب تین چیزوں کا مجموعہ ہے :

(1) اعتقادات (2) عبادات (3) رسومات

☆ اور دین جو رسول اللہ ﷺ ہمیں دے کر گئے وہ چھ چیزوں کا مجموعہ ہے۔

(1) اعتقادات (2) عبادات (3) رسومات (4) معاشرت (5) معیشت (6) سیاست

ہمارے اسلامی معاشرت، معیشت، سیاست سے کوئی بھی آزاد نہیں ہے"۔ (علامہ لقمان شاہد حفظہ اللہ)

ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشہ
اسلام ہے محکوم مسلمان ہے آزاد
(علامہ اقبال)

ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رہنے کے دعویدار تو ضرور ہیں لیکن افسوس جس حقیقی اسلامی مملکت کا تصور قائداعظم اور علامہ اقبال نے پیش کیا تھا، جہاں نظامِ مصطفیٰ قائم ہو، ہم اس سے آج بھی محروم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (1)

(بیشک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ موجود ہے)

اسلام نے زندگی کے ہر معاملے میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم کے ادوار میں عبادات کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرت، معیشت، سیاست کا کامل ترین نمونہ ملتا ہے۔ ان سنہری اصولوں پر چلنا ہی تھا کہ اسلام چند ہی سالوں میں آدھی دنیا پر چھا گیا۔ آج بعض کم فہم لوگ جنہوں نے اسلام کا بغور مطالعہ نہیں کیا ہوتا، وہ سیکولرازم کے داعی اسلام کے ان پہلوؤں (معاشرت، معیشت، سیاست) کا ہی انکار کر دیتے ہیں، گویا وہ دین کے بنیادی مقصد کا انکار کرنے والے ہیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

بیاں میں نکتہ توحید تو آسکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

حکومت رسول اللہ کی :

کتب سیرت میں موجود ہے کہ کفار مکہ نے کتنی ہی بار آقا کریم ﷺ کو یہ التجائیں کیں کہ آپ ہمارے دین (بت پرستی) کو کچھ نہ کہیں، ہم آپ کو عبادات کے معاملے میں تنگ نہ کریں گے۔ لیکن وہ نبی خاتم النبیین ﷺ کسی صورت کفار کی اس پیش کش پر راضی نہ ہوئے، مصائب و تکالیف کے پہاڑ سہے لیکن دین اسلام کو پوری دنیا پر غالب کر

1 (الاحزاب، آیت21)

نے اور ظالم حکمرانوں کے ظلم و جبر سے انسانیت کو آزاد کروانے کے عظیم مقصد پر کارفرماں رہے اور بالآخر ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے اپنے آبائی شہر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ پاک تشریف لے گئے۔

مدینہ ! ایک نیا شہر، نہ ہی کوئی نظامِ مملکت ! نہ نظامِ عدل ، نہ فوج بلکہ یہاں یہودیوں کے قبائل میں دہائیوں سے جنگیں جاری ہیں، پھر چند ہی دنوں میں ایسا کیا سیاسی شاہکار معائدہ ہوا ! کہ یہودی سب تابع ہو گئے! نظامِ مملکت قائم ہو گیا، نظامِ عدل قائم، مدینۃ العلم (صفہ یونیورسٹی) قائم ، آخر اِس یونیورسٹی کے طلباء (اصحابِ رسول ﷺ) نے ایسا کیا سبق پڑھا اور ایسی کونسی تربیتی نظام تھا کہ 1 ہجری سے 11 ہجری تک اوسطاً روزانہ (274 square miles) زمین فتح ہوتی چلی گئی، اور جب آقا کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو (10 lac square miles) پر مسلمانوں کی حکومت تھی ۔اور پھر اگلے 15 سالوں میں یہ ایشیاء ، یورپ ، افریقہ (تین براعظموں) تک یہ سلطنت پھیل گئی اور پھر کئی سالوں تک مزید فتوحات ہوتی چلی گئیں۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا پیش کردہ نظامِ مصطفیٰ (یعنی سیاسی نظام) ہی تو تھا کہ جس نے معاشرے کے ہر ہر پہلو (اعتقادیات ، عبادات ، رسومات ، معاشرت ، معیشت ، سیاست) میں مسلمانوں کی ایسی تربیت کی کہ کئی صدیاں مسلمان دنیا پر حاکم رہے اور انکے عدل و انصاف جرئت و بہادری کی مثالیں دی جاتی رہیں۔ تو پتہ چلا اسلام صرف عبادات و رسومات کا نام نہیں بلکہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے نظام کو پوری دنیا پر غالب کر دینے کی جدوجہد اور کوشش کا نام ہے۔

آج ہمارے لوگ جمہوری و صدارتی نظام کی بات تو کرتے ہیں لیکن کوئی نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا نام لینے کو تیار نہیں ہے ۔اگر آج بھی مسلمان امن و سلامتی چاہتے ہیں اور دنیا میں عروج حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اِنہیں چاہیے کہ آقا کریم ﷺ کے دین (نظامِ مصطفیٰ) کو اپنی ذاتی و اجتماعی زندگی ہر ہر پہلو میں نافذ کریں، انشاء اللہ قرون اولیٰ کی طرح آج بھی کامیابی انکے قدم چومے گی۔ ہر مسلمان کو اعتقادات و عبادات وغیرہ کے معملات کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے پہلو نظامِ مملکت و نظامِ عدل وغیرہ کو بھی ضرور پڑھنا چاہیے۔

اے رب عزوجل! وہ دن جلد دِکھا کہ ہمارا دینِ اسلام ہی پوری دنیا پر غالب ہو، آمین!۔

سودی نظام اور پاکستان :

ہم بحیثیت مسلمان اپنے عقیدہ و ایمان کے حوالہ سے اس بات کے پابند ہیں کہ سود کی لعنت پر استوار نظام معیشت سے چھٹکارا حاصل کریں اور قرآن و سنت کے فطری اصولوں کے مطابق ملک کا معاشی و اقتصادی نظام استوار کریں۔ لیکن ستر سالوں سے زیادہ وقت گزر جانے کے باوجود ہم مغرب کے سودی معاشی نظام کے شکنجے میں نہ صرف جکڑے ہوئے ہیں بلکہ قومی معیشت پر سودی نظام کی جکڑ بندی دن بدن سخت ہوتی جا رہی ہے، عوام کا استحصال دن بدن بھرتا جا رہا ہے اور بد قسمتی سے ہمارے حکمران اس کے ساتھ مسلسل چمٹے ہوئے ہیں، اور اب بھی اسی نظام میں اپنی فلاح سمجھتے ہیں۔ سود کی بہت سی دنیاوی و آخروی آفات ہیں۔ رب تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ (1)

ترجمہ کنزالعرفان : "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو"

قرآنِ کریم میں سود خوروں کے خلاف اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اعلان جنگ کی وعید سنائی ہے، اِسکے باوجود کوئی مسلمان یہ کیسے گمان کر سکتا ہے کہ وہ اس نظام کے ساتھ باقی رہتے ہوئے ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں۔ علمائے اُمت نے اسلامی معاشی نظام پر بہت سی کُتب تحریر فرمائی ہیں، ان اسلامی اصولوں کو اپنا کر ماضی کی طرح ہم آج بھی اپنے ملک کے نظامِ معیشت و بینکی نظام کو یقیناً سود کی لعنت سے پاک کر سکتے ہیں۔

سیکولر اور لبرل حضرات اسلام کے معاشی نظام پر ہمیشہ تنقید کرتے نظر آتے ہیں اور اسے کسی صورت بھی نافذ العمل نہیں سمجھتے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراضات کرنے والے اسلامی

---

1 (البقرہ،279-278)

معاشی نظام سے متعلق بالکل لاعلم ، اسلام کے ساتھ باطنی عداوت ظاہر کرنے والے ہیں۔ ان لوگوں سے پوچھنا چاہیے کہ بتاؤ تم نے اسلام کے معاشی نظام پر کون کون سی کتاب پڑھی ہے ؟ کیا تم نے ابو عبید کی کتاب الاموال، قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج، یحیٰ بن آدم کی کتاب الخراج ، جدید معاشیات پر امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی کتاب کفل الفقیہ، مفتی غلام سرور قادری کی معاشیاتِ اسلام ، علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ کے مقالات اور شروح (جس میں اسلامک بینکنگ کا مکمل ضابطہ موجود ہے) ، علامہ غلام رسول قاسمی کی کتاب اسلام کا معاشی ضابطہ وغیرہ وغیرہ ،اور حدیث کی کتابوں میں مثلاً بخاری شریف میں کتاب البیوع اور مسلم شریف میں کتاب البیوع اور بینکاری وغیرہ پر مفصل بحث موجود ہے۔ کیا آپ نے ان تمام کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کر لیا ہے ؟ اگر مطالعہ کیا ہے تو کیا تمہارے سارے سوالوں کے جواب ان کتابوں میں موجود ہیں کہ نہیں ؟ ایک ہی سوال کو بار بار دہرانا شرارت ہے کہ نہیں ؟ اگر آپ نے ان کتابوں کو نہیں پڑھا تو پھر پڑھے بغیر سوال داغ دینا جہالت ہے کہ نہیں ؟۔

یہ لوگ (socialism)، (communism) یا (capitalism) کی وکالت کرنے والے ہیں۔ (communism) لوگوں کو بے دخل کر دیتا ہے اور ساری عوام کو محض حکومت کا معاشی غلام بنا دیتا ہے۔ اور (capitalism) امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنا دیتا ہے۔ جب کہ اسلامی کی معیشت اعتدال کی راہ پر قائم رکھتی ہے۔ (communism) کی نحوست سے ہی روس کے ٹکڑے ہوئے اور (capitalism) کے نتائج امریکہ بھگتنے لگ پڑا ہے، یورو اور ڈالر نے اس کی کمر توڑ دی ہے۔ یہ چند سطریں ذہین لوگوں کے لیے کافی ہیں۔ مگر جہالت کے ساتھ شرارت جب جمع ہو جائے اور بد عقیدگی کا خول مضبوط ہو جائے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ سکتا۔[1]

---

1 (ماخوذ مقالاتِ قاسمی، ج1،ص70، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، لاہور)

مجاہد کا گھوڑا :

علامہ لقمان شاہد حفظہ اللہ سود کی دنیاوی آفت سے متعلق لکھتے ہیں :

ایک دوست پوچھ رہے تھے۔ اسلامی ممالک کے پاس اتنے ٹینک، توپیں، میزائل، بارود اور جہاز ہیں۔ پھر بھی میدان جہاد کی طرف (دنیا کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے) رُخ کیوں نہیں کرتے ؟؟ میں نے انھیں کہا، غالباً حافظ ابن کثیر علیہ رحمہ نے لکھا ہے :

سلطان رکن الدین بیبرس کے زمانے میں کسی مجاہد کے پاس ایک گھوڑا تھا، جو میدان جنگ میں خوب بھاگ دوڑ کرتا۔ ایک دفعہ لڑائی کے دوران وہ سُست پڑ گیا تو مجاہد نے اسے آگے بڑھنے کے لیے مارا، لیکن وہ آگے نہ بڑھا، پیچھے ہی پیچھے ہٹتا گیا۔ مجاہد کو اس کی حرکت پر بہت غصہ آیا اور حیرانگی بھی ہوئی۔ وہ رات کو سویا تو اس نے خواب میں اپنے گھوڑے کو دیکھا اور اُسے میدان جہاد میں سستی کرنے پر ملامت کرنے لگا۔ اِس پر گھوڑے نے کہا: میں دشمن پر کیسے چڑھائی کرتا، جب کہ تم نے میرے لیے کھوٹے پیسے سے چارہ خریدا تھا۔ مجاہد صبح اٹھ کر چارہ بیچنے والے کے پاس گیا، تو چارہ فروش نے اسے دیکھتے ہی کہا: کل تم مجھے کھوٹا درہم دے گئے تھے!۔

اب آپ خود ہی غور کرلیں کہ جس گھوڑے کو ایک بار کھوٹے پیسے کا چارہ کھلایا جائے جب وہ بھی میدانِ جہاد میں آگے نہیں بڑھتا تو وہ ٹینک ، گاڑیاں ، اور جہاز کیسے آگے بڑھیں گے جن کی پرورش میں سود کا پیسہ بھی شامل ہے۔ اِنھیں "جہاد فی سبیل اللہ" کی طرف لے جانا ہے تو اِن کی پرورش پاکیزہ مال سے کرنی ہوگی، نیز انھیں میدان جہاد میں لے جانے والے فوجیوں کی غذا بھی سود وغیرہ سے پاک کرنی ہوگی۔ اللہ عزوجل ہمارے ملک کو سود کی اِس لعنت سے پاک فرمائے۔

علامہ اقبال نے سچ کہا ہے :

یہ علم ، یہ حکمت ، یہ تدبر ، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا، لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

Western ideologies

مغربی نظریات :

فی زمانہ مسلم ممالک میں کچھ مغربی نظریات لبرل ازم، سیکولرازم، ایتھیزم وغیرہ زور پکڑ رہے ہیں، جو دین اسلام کی بنیادوں کو دیمک کی طرح چاٹتے ہوئے، نوجوانوں کو اپنے بھنور میں لے رہے ہیں۔ یہاں اِن سے متعلق مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

یہ پہلے بیان کیا گیا ہے دین اسلام چھ چیزوں کو مجموعہ ہے :

(1) اعتقادات (2) عبادات (3) رسومات (4) معاشرت (5) معیشت (6) سیاست

سیکولرازم (secularism) :

"دین کو سماجی، معاشی، سیاسی زندگی سے نکال دینے کا نام سیکولرازم ہے اور ایسی ریاست جس میں درج بالا چیزوں سے دین کو بے دخل کر دیا جائے اُسے سیکولر اسٹیٹ (secular state) کہتے ہیں"۔

فی زمانہ سیکولر و لبرل حضرات ہمارے حکمران ملکِ پاکستان کو ایک سیکولر اسٹیٹ ڈکلیئر کرنے اور اسلام کو دیس نکالا دینے کے لیے ہر قسم کا حربہ اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ کہنا کہ قائد اعظم و علامہ اقبال اور آپ کے رفقاء کی جدوجہد صرف ایک زمین کے ٹکرے کے لیے تھی، اس میں دو قومی نظریہ کا کوئی عمل دخل نہیں تھا اور آپ پاکستان کو ایک سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے، ایسا بیانیہ اُن لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں کا مذاق اُڑانے کے مترادف ہے جن کا خون ایک الگ اسلامی ریاست کی جدوجہد میں بہہ گیا۔

ہمارے ہاں نوجوانوں کی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ذہن سازی کر کے جس طرح سیکولرازم کو پروموٹ کیا جا رہا ہے یہ انتہائی قابلِ تشویش بات ہے۔ دین کو صرف مساجد و مدارس تک محدود کر دینا اور یہ اعلامیہ کہ دین کا سیاست اور ریاستی معمولات سے کوئی تعلق

نہیں، یہ قیام پاکستان کے مقاصد اور اسلام کے عالمگیر نظام سے انحراف وبغاوت کے مترادف ہے۔ آج ہمیں نوجوانوں کو یہ بات باور کروانے کی بے حد ضرورت ہے کہ اسلام دینِ رہبانیت بالکل نہیں۔ہمارے پیارے نبی حضور رحمت عالم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہمارے لیے عبادات ورسومات کے ساتھ ساتھ معاشرتی، سیاسی، عسکری اُمور سے متعلق بھی مکمل راہنمائی فراہم کرتی ہے۔پیارے آقا حضور خاتم النبیین ﷺ نے خود بھی سیاست فرمائی اور آپکے خلفاء نے بھی اسلامی سیاسی، عدالتی، معاشی، عسکری نظام کا جو عملی نمونہ پیش کیا وہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔لہٰذا ہمیں عقائد وعبادات کے معمولات کے ساتھ اسلامی سیاست ومعاشرت کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے، اسلام کے ان پہلوؤں کا انکار ہی سیکولرازم کی بنیاد ہے۔ آج بھی مسلمان اگر ان سنہری سیاسی اصولوں کو اپنائیں تو کامیابیاں انکے قدم چومیں گی ، پر افسوس آج اس قدر تباہی وذلت کے باوجود ہم اغیار کے نظام کو ہی اپنی فلاح کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

لبرل ازم (*liberalism*) :

"جب دین کو سیاسی، سماجی، معاشی زندگی سے بے دخل کر دیا جائے تو پھر دین کی صرف انفرادی حیثیت رہ جاتی ہے اور خود کو انفرادی زندگی میں بھی دین (مذہب) سے آزاد سمجھنے کا نام لبرل اِزم ہے۔" یہ لبرل ازم، سیکولراز کی انتہاء ہے"۔

دہریت (*atheism*) :

" خدا تعالیٰ کی ہستی کا مطلقاً انکار کر دینا (یعنی یہ کہنا کہ کوئی خدا نہیں ہے، یہ دنیا کا نظام خود بخود چل رہا ہے) اتھیزم کہلاتا ہے۔اس نظریے کے حامل انسان کو ملحد (دہریہ) کہتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ جب انسان انفرادی (ذاتی) زندگی سے دین کو نکال باہر کرتا ہے تو جلد دہریت میں جا گرتا ہے"۔

ہمارے سننے میں یہ بات بھی آئی کہ لبرل گھرانوں کے بہت سے پاکستانی طلباء جو علمِ دین اور رب تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق علم نہ رکھتے تھے انہوں نے یورپی ممالک میں پڑھنے

کے دوران وہاں موجود ملحدین کی باتوں میں آکر دہریت اختیار کرلی، معاذاللہ۔ والدین پر یہ لازم ہے کہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ اپنی اولاد کو بنیادی علمِ دینیہ سکھانے کا مناسب بندوبست کریں تاکہ وہ ان بے دینوں کی باتوں میں آکر ایمان سے نہ ہاتھ دھو بیٹھیں۔[1]

الحادی فتنے :

"الحاد یا الحادی فتنوں کی اصطلاح (term) فی زمانہ ایک اور بہت اہم فتنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور وہ ہے دینِ اسلام کی بنیادی عقائد و اساس کے بر خلاف کوئی نیا طریقہ ، نیا عقیدہ، کوئی ایسی نئی چیز گھڑ لینا جس کی مثال پچھلے اسلامی تاریخ میں نہ ملتی ہو یا یہ مسلمانوں کے اجماع و جمہور کے خلاف ہو"۔(یہاں الحاد سے مراد ملحد (دہریہ) نہیں)۔

ہمارے معاشرے میں عقائد و نظریات و ترجیحات کے اعتبار سے طرح طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، بعض صرف دنیاداری کو ترجیح دیتے ہیں تو بعض نسبتاً مذہبی علماء کی صحبت میں بیٹھنے والے ہوتے ہیں، بعض لوگ صرف نماز و جمعہ تک دینی اعتبار سے دل چسپی لیتے ہیں اور بعض لوگ مرشد و تنظیم کے غالی پیروکار ہوتے ہیں۔

انہی مختلف طبقات میں سے ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو آج کے دور میں چل پھر کر دینی علم حاصل کرتے ہیں، اسی وجہ سے آزاد خیال ہوتے ہیں، اجماع و جمہور کے خلاف تحقیقات پیش کر دیتے ہیں ایسے آدمی میں اگر بولنے کی صلاحیت بھی ہو یا وہ کسی طرح میڈیا پر آجائے تو عجیب تماشے کرتا ہے ، ایسا آدمی اپنی محدود معلومات کی روشنی میں نہایت خوبصورت بات بنالیتا ہے جو بہت سی بنیادی شرعی تعلیمات کے منافی ہوتی ہے اور اہل علم اپنا سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، مگر عوام کی بلا جانے، کسی اصول کے پابند نہ ہونے کی وجہ سے ایسے لوگوں کی باتیں آپس میں متضاد ہوتی ہیں ، اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیے ایسے لوگ دوسروں کو وسعتِ قلبی کا درس دیتے ہیں۔[2]

---

1 (اِیتھیزم سے متعلق مزید معلومات اور ملحدوں کے اعتراضات کے جوابات جاننے کے لیے مقالاتِ سعیدی، مقالاتِ قاسمی کا مطالعہ کیجیے۔)

2 (ماخوذ مقالاتِ قاسمی، ج 2 ،ص417، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

امت کی اصلاح کے لیے کوئی ایسا لائحہ عمل ترتیب دینا یا کوئی ایسی تحقیق پیش کرنا یا کوئی ایسی نئی بات کرنا کہ امت کی اکثریت اس کی مخالفت پر اتر آئے یہ اصلاحی کارنامہ نہیں بلکہ کور باطنی اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت ہے۔

سونا جنگل ، رات اندھیری ، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو ! جاگتے رہیو ، چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرا لیں، یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھڑی تاکی ہے اور تُونے نیند نکالی ہے
(حدائق بخشش)

سوشل میڈیا کے نقصانات میں سے ایک بڑی تباہی دورِ حاضر میں الحادی فتنوں کا سر اٹھانا ہے اور نوجوان نسل کو اپنی لپیٹ میں لینا ہے، اسکی اصل وجہ یہی لبرل ازم کی وباء ہے ، کہ اِن لبرل نظریات کے مارے ایسا دین چاہتے جو اِنکی عقل و خواہشاتِ نفس کے عین تابع ہو۔ احادیث میں سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کرنا اور صحیح روایت کو ضعیف اور ضعیف کو موضوع بنا کر عام عوام کو گمراہ کرنا ان کا شیوہ ہے۔ تحریفِ دین کا تحقیقِ اسلام اور الحاد فی الدین کا نام اظہار حقیقت رکھتے ہیں۔

ان الحادی فتنوں کی بڑی وجہ اولاد کی گھر سے دینی لحاظ سے تربیت نہ ہونا، علم دین سے دوری ، بے جا آزادی ، مغربی تہذیب سے متاثر ہونا اور سب سے بڑھ کر کالجوں و یونیورسٹیوں کا تعلیمی نظام وغیرہ ہے۔ اور پھر ستم ظریفی یہ ہے کہ فزکس ، کیمسٹری، میتھس ، انجینیرنگ وڈاکٹری وغیرہ سمیت ہزاروں دنیاوی علوم میں ایک علم دین (اسلامیات) ہی ہے جس کے متعلق ہر شخص اپنی رائے پیش کرتا ہے۔ کیا کبھی آپ نے دیکھا کوئی ڈاکٹر انجینیرنگ سے متعلق مشورے دے رہا ہو؟ یا کوئی انجینیر طبی مسائل کا حل بتا رہا ہو؟ ، بالکل نہیں۔ تو پھر یہ کتنی بے باکی ہے کہ جس شخص نے علم دین سوائے سکول کی بنیادی اسلامیات کی کتابوں یا سوشل میڈیا پر ویڈیوز دیکھنے کے علاوہ کبھی پڑھا ہی نہیں، وہ دینی معاملات میں اپنی قیاس آرائیاں کرے اور تمام اصولِ تفسیر و حدیث و فقہ اور اجماع و جمہورِ اُمت کو یکسر نظر

انداز کر کے اپنی رائے دے۔ ایسے ناعاقبت اندیشوں کو اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور اُمت میں یوں فتنے پھیلانے سے باز رہنا چاہیے۔

پھر اس کی ایک بڑی وجہ مشنری سکول ہیں۔ غیر مسلموں کے مشنری سکولوں میں مسلمان بچوں کو تعلیم دلانا سراسر غلط ہے۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " یہ علم دین ہے خوب غور کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کس شخص سے سیکھ رہے ہو"۔ (1)

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو غور کر لینا چاہیے کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا کس کے ساتھ ہے " (2)

لہٰذا ماں باپ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے بچوں کے لیے مناسب علوم اور مناسب تعلیمی اداروں کو ترجیح دیا کریں۔ ہمارے ملک پر حکومت کرنے والواں کی اکثریت عیسائی مشنری سکولوں اور آکسفورڈ و امریکہ سے پڑھ کر آتی ہے یہی فساد کی جڑ ہے۔ (آزاد خیالی اور اجماع و جمہور کا انکار کرنے کی سوچ و فکر انہی اداروں سے پروان چڑھ رہی ہے) (3)

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

(علامہ اقبال)

اولیاء اللہ : ان نظریات کے حامل لوگ اکثر اسلاف اُمت، بزرگانِ دین پر اعتراضات کرتے نظر آتے ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامات کو اپنی عقل و ظاہری اسباب کے تناظر میں پرکھ کر اولیاء اللہ پر طعن کرتے ہیں اور عام عوام کو ان ہستیوں سے بدظن کرتے ہیں۔ یہ لوگ اختیاراتِ انبیاء

---

1 (صحیح مسلم ، مقدمہ صحیح مسلم ، باب بیان الاسناد، ج1، ص 39، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (ترمذی، کتاب الزھد، باب اچھے دوست کی تلاش، ج2، ص116، حدیث 261 ، فرید بک سٹال ،لاہور)

3 (مقالاتِ قاسمی ، ج2 ، ص 350، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

و اولیاء کا انکار کرنے والے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حجۃ الاسلام امام محمد بن غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"کمزور اور محروم کے لئے مناسب نہیں کہ قوی لوگوں کے احوال کا انکار کرے اور گمان کرے کہ جس بات سے میں عاجز ہوں اس سے اولیاء بھی عاجز ہیں۔ اور فرماتے ہیں: اگر ہم اس طرح کے دل اور ایسی روح سے محروم ہوں تو مناسب نہیں کہ جو لوگ اس کے اہل ہیں ان کے لئے اس کے ممکن ہونے پر ایمان نہ رکھیں۔ لہٰذا جو اللہ عزوجل کا ولی نہ بن سکے اسے چاہئے کہ اللہ عزوجل کے اولیا کو مانتے ہوئے ان سے محبت رکھے۔ امید ہے جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ حشر ہو"۔[1]

حدیث پاک میں پیارے آقا ﷺ نے اولیاء اللہ کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا : " اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور فرائض سے بڑھ کر کوئی ایسی چیز مجھے محبوب نہیں جس کے ذریعے بندہ میرا قرب حاصل کرے۔ اور پھر میرا بندہ نوافل کی کثرت کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ پس میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑتا ہے، میں اس کی ٹانگ بن جاتا ہوں جس سے چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا فرماتا ہوں اور کسی شے سے پناہ مانگے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں"۔[2]

شرح : اس حدیث قدسی میں اللہ رب العزت نے اولیاء اللہ کے متعلق جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں ان میں سے دو باتیں خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔

☆ پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ معلوم ہوا خدا تعالیٰ ولیوں کے ساتھ ہے لہٰذا ولیوں کو چھوڑ کر اور کوئی دین و مذہب اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اُن لوگوں کے لیے خاص طور پر توجہ طلب ہے

---

1 (احیاء العلوم، ج5،ص202،175،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2 (صحیح البخاری، کتاب الرقاق،باب التواضع، ج 3، ص 569، حدیث 6502،فرید بک سٹال،لاھور)

جو نئے نئے فرقے بنا کر اپنی علیحدہ علیحدہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر اولیاء اللہ کے مذہب کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس برحق مذہب اور اسلام کی صحیح ترین تصویر کو بریلویت ٹھہرا کر مطعون کرتے اور اس کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت کے جذبات بھرتے ہیں ۔ یہ اولیاء اللہ سے مخالفت بلکہ خدا تعالیٰ سے مخالفت اور دشمنی ہے جس میں آخرت کی کوئی بھلائی نہیں۔

☆ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ رب تعالیٰ بندہ کے آنکھ کان ہو جاتا ہے اس کے متعلق امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بندہ جب عبادت پر دوام کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور اس کا کان ہو جاتا ہوں۔ پس جب اللہ کا نور اس کا کان ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دور سے سُن لیتا ہے۔ اور جب اس کا نور جلال اسکی آنکھ ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور بعید کو دیکھ لیتا ہے اور جب اس کا نور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان چیزوں اور قریب و بعید کی چیزوں کے تصرف پر قادر ہو جاتا ہے[1]

اور پھر یہ مقام اولیاء اللہ کا ہے۔ جب اولیاء اللہ کے افعال عام لوگوں سے ممتاز ہیں تو یقیناً انبیائے کرام کے افعال اولیاء اللہ سے بدرجہا افضل و اعلیٰ اور بلند و بالا ہوں گے کیونکہ خدا کی جو تائید و حمایت حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ تھی اور ہے وہ غیر انبیاء کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عوام الناس اور انبیائے کرام کے حواس و افعال میں اتنا فرق ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ لوگ جو انبیائے کرام کو نزولِ وحی سے ہٹ کر عام لوگوں کی طرح ہی باور کرانے پر زور لگاتے ہیں (یعنی یہ کہتے ہیں کہ انبیاء ہمارے جیسے ہی ہیں)، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضرات مقامِ نبوت ہی سے نا آشنا ہیں۔

صوفیاء کی شطحیات کا محمل : اور ایسی خلافِ شرع باتیں جو بزرگانِ دین کی طرف منسوب ہیں، جن کو بنیاد بنا کر بدمذہب بزرگانِ دین کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں۔ اُس کے متعلق مفسر قرآن شارح بخاری و مسلم علامہ غلام رسول سعیدی قادیانیوں کے اعتراضات کا جواب

---

1 (تفسیر تبیان القرآن، ج 5، ص 418، فرید بک سٹال، لاہور/تفسیر کبیر)

دیتے ہوئے فرماتے ہیں : "اس بات کا سب سے پہلا اور آخری جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی صریح عبارات کے بعد ہمیں ان مبہم اقوال میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اقوال ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہیں۔ ان میں سے جو چیز قرآن و سنت کے مطابق ہے وہ مقبول ہے، اور جو چیز کتاب و سنت کے مطابق نہیں اس کے بارے میں حُسن ظن یہی ہے کہ یہ بعد کے لوگوں کا الحاق ہے، ان کی اصلی عبارت نہیں ہے۔ جس طرح زنادقہ نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں اپنی طرف سے گھڑ کر کلام ملا دیا اسی طرح ملاحدہ نے اکابر صوفیاء اور علماء کی عبارات میں مختلف باتیں وضع کر کے شامل کر دیں۔"[1] (اور یہ اُن بزرگانِ دین سے متعلق ہے جن کی ساری زندگی دینِ اسلام کی خدمت کرتے ہوئے عین شریعت کے مطابق گُزری ہے)۔[2]

بزرگانِ دین اور اکابر مفسرین و محدثین کرام کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ آقا کریم ﷺ نے قربِ قیامت کے انہی فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "قربِ قیامت بعد والے لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں گے"۔ (یعنی کہیں گے اُنہیں دین سے متعلق کچھ علم نہ تھا)[3]۔ جیسے آج بہت سے گمراہ لوگوں نے سوشل میڈیا پر اس کو وطیرہ بنا رکھا ہے اور چار کتب پڑھ کر اکابرین پر چڑھ دوڑے ہیں۔

ایک حدیثِ پاک میں آقا کریم ﷺ نے فرمایا: "آخر زمانے میں دجال کذاب لوگ ہوں گے کہ وہ باتیں تمہارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادا نے، تو ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں"۔[4]

---

1 (مقالاتِ سعیدی، ص 72، فرید بک سٹال، لاہور)

2 ☆ اس متعلق مزید تفصیل کے لیے مقالاتِ قاسمی جلد 2 کا مطالعہ کیجیے۔ ☆ تصوف و بزرگانِ دین پر ہونے والے اعتراضات کی تفصیلی جوابات کے لیے مفتی انس رضا قادری کی لاجواب تصنیف بہارِ طریقت کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔

3 (ترمذی، کتاب الفتن، باب سامان ہلاکت، ج 2، ص 52، حدیث 89، فرید بک سٹال، لاہور)

4 (صحیح مسلم، مقدمۃ، باب النھی الروایۃ عن الضعفا، ج 1، ص 36، حدیث 16، فرید بک سٹال، لاہور)

فتنہ ارتد سے بچنے کے لیے اقدامات :

اسلام کے نام پر اسلام کو ڈسنا، اس پر تحریفی نشتر لگانا اس پر جرح و تنقید کی مشق کرنا اور محض مفروضات سے اُس کے قطعی مسائل کو پامال کرنا، ہر دور کے ملاحدہ و زنادقہ کا طرہ ٔ امتیاز رہا ہے۔ پہلی صدی کے خوارج ہوں یا مابعد کے باطنیہ، تیسری صدی کے اصحاب العدل والتوحید ہوں یا دور حاضر کے ارباب فکر و نظر، ماضی قریب کے سر سید احمد خان، غلام احمد پرویز، مرزا غلام احمد قادیانی ہوں یا ہمارے دور کے جاوید غامدی، یا مرزا محمد علی انجینیر۔ سب اسی الحادی فتنے کی کڑیاں ہیں۔ ان سب کا مشترک مقصد، مشترک نقطہ نظر اور مشترک سرمایہ اسلام کی چار دیواری میں رخنہ اندازی کرنا ہے اور لوگوں کو اسلام اور بزرگانِ دین سے بدظن کرنا ہے۔

خارجی و داخلی فتنوں، آپس کے خلفشار اور باہمی تنازعات سے حفاظت کے لیے ہمیں جو اقدامات کرنے چاہییں وہ یہ ہیں :

(1) اکابر اسلام پر مضبوط اعتماد

(2) علماء فقہاء اور اہلِ دین سے حسن ظن

(3) کسی صاحب نصب عالمِ دین (جو یہودیت اور نصرانیت کی اسلام کے خلاف دسیسہ کاریوں سے آگاہ ہو نہ کہ یہود و نصاریٰ کا نمائندہ) سے گہرا تعلق

(4) رجوع الی اللہ کا اہتمام

(5) اہل خیر و صلاح سے مشورہ

(6) اعتدال پسندی

(7) بلا تحقیق بات قبول کرنے یا پھیلانے سے احتراز

(8) اکرام واحترام مسلم

(9) باہمی اختلاف و انتشار یا اس کے اسباب سے کلی پرہیز۔[1]

---

1 (تفسیر ناموس رسالت، ج 2، ص 31-33، مکتبہ طلع البدر علینا، لاھور)

تواتر، اجماع اور جمہور کا پٹہ

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سے انسان کو فضیلت دی (وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ)[1] انسانوں میں سے مسلمانوں کو فضیلت دی ہے (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ) [2] اور مسلمانوں میں سے اہلِ سنت کی فضیلت دی ہے(آیت: سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ [3] اور حدیث: مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصحَابِی)۔

ان تینوں سطحوں پر آزاد خیالی انسان کی سب سے بڑی دشمن ہے جو شخص اہل سنت کی سطح پر آزاد خیال ہوا وہ اجماع اور جمہور کا منکر ہوا اور قرآن و سنت میں من مانی تاویلیں کرنے لگا، جو شخص اسلام سطح پر آزاد خیال ہوا وہ مسلمان کافر بھائی بھائی کہنے لگا اور جو شخص انسانی سطح پر آزاد خیال ہوا وہ کتیوں (جانوروں) سے شادی کرنے لگا اور لباس اتار کر ڈیول چرچ میں جا پہنچا۔

مسلمانوں میں تواتر اور اجماع کا انکار اسی آزاد خیالی کا نتیجہ ہے، نیٹ پر غیر مسلم پوچھ رہے ہیں کہ موجودہ قرآن کے اصلی قرآن ہونے کا کیا ثبوت ہے اس کا حتمی جواب تواتر اور اجماع ہے ۔ تواتر اور اجماع ہی سے دین کی بقاء ہے اور قرآن و اسلام کا محفوظ ہونا ہم تواتر اور اجماع کو ہی دلیل بنا کر ثابت کرتے ہیں۔

قادیانی اور دیگر کفار اپنے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تواتر اور مسلمانوں کے اجماع کو ہی سمجھتے ہیں، معتزلہ، خوارج و روافض بھی اجماع کے منکر ہیں۔ آزاد خیال لوگ اور مشنری طلباء بھی اپنے قائدین کی باتوں کو پروان چڑھانے کے لیے اجماع کا انکار کر رہے ہیں۔

مشنری طلباء سے ہماری مراد ایسے طالب علم ہیں جو پہلے ہی کسی تنظیم سے وابستہ ہوتے ہیں اور اپنی تنظیم کے مقاصد کو پروان چڑھانے کے لیے ایک خاص مشن کے تحت مدارس میں داخلہ

---

1 (بنی اسرائیل، آیت 70) / ترجمہ: اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی

2 (آل عمران، آیت 19) / ترجمہ: بیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے

3 (النساء، آیت 115) / ترجمہ: اور (جو) مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرتا ہے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے۔

لیتے ہیں ایسے طلباء قائد یا مرشد کے حکم کے سامنے اجماع اور جمہور کو کچھ نہیں سمجھتے گویا منکرین اجماع کی مندرجہ ذیل چھ اقسام ہیں : کفار، معتزلہ، خوارج، روافض، آزاد خیال لوگ، مشنری طلباء۔

یاد رکھیے ! شاذ متروک اور مردود اقوال ہر موضوع پر مل سکتے ہیں ایسے اقوال کو غنیمت سمجھنے والا انسان دشمنانِ اسلام کا بدترین ایجنٹ ہے، تواتر اجماع اور جمہور کا منکر اگر خود کو مسلمان کہتا ہے تو وہ غیر مسلموں کے اعتراضات کی تاب نہیں لا سکتا غیر مسلموں کی تردید میں کامیاب ہونے کے لیے اہل سنت وجماعت ہونا ضروری ہے۔

ہر باطل فرقے نے یہیں سے ٹھوکر کھائی ہے یا جان بوجھ کر فراڈ چلایا ہے کہ محکمات اور تصریحات کے ہوتے ہوئے متشابہات بشمول موضوعات، اسرائیلیات اور تواریخ کا سہارا لیا ہے یا اجماع کے مقابلے پر شاذ اور مردود اقوال پر اپنی خرافات کی بنیاد رکھی ہے یا قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف اجتہاد کیا ہے۔[1]

شیخ الحدیث و التفسیر علامہ غلام رسول قاسمی دام ظلہ لکھتے ہیں: "اجماع (مسلمانوں کی بڑی جماعت (یعنی اہل اسنت)) کے انکار سے بے شمار مفاسد لازم آتے ہیں۔ اجماع کا منکر علمی توازن تو کجا اپنا دماغی توازن بھی درست نہیں رکھ سکتا۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو ٹریفک قوانین کی پابندی کیے بغیر چوکوں میں سے گزر رہا ہے۔ اور اسے قدم قدم پر آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں سے مختلف گاڑیوں کے ساتھ ٹکرا جانے کا اندیشہ ہے ---- آگے لکھتے ہیں : "متشابہ (جن باتوں میں شبہ ہو) کو محکم (جو بالکل واضح ہو) کی طرف لوٹانا ضروری ہے" یاد رکھیئے کہ واضح الفاظ کے مقابلے پر مردود اقوال بھی ہر موضوع پر مل سکتے ہیں۔ اگر ہمارے بیان کردہ قاعدے کو مد نظر نہ رکھا گیا تو دین کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔ معاذاللہ "۔[2]

مبلغین اسلام پر لازم ہے کہ اجماع کے وجود یا اس کی حجیت کا ہرگز انکار نہ کریں۔ اجماع اور تواتر پر ہی دین کی بقاء کا دارومدار ہے۔ (الانتہاء)

---

1 (مقالاتِ قاسمی، ج2،ص 303 / 345، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

2 (مقالاتِ قاسمی، ج2،ص 30 / 40، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

تو اے مخاطب ! اس دور پُر فتن میں تم پر لازم ہے کے مسلمانوں کے اجماعی چودہ سو سالہ عقائد و نظریات کو چھوڑ کر تم ہر گز کسی دین و ایمان کے لٹیرے کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آؤ اور اپنے دماغ میں کسی قسم کے شبہات کو جگہ نہ دو۔ شبہات سے متعلق ازالے کے لیے علماء اہلِ سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ دنیا کا ہر فرقہ پرست یہی سمجھتا ہے کہ سورج صرف اسی کی کھڑکی سے نکلتا ہے، لہٰذا تمھیں چاہیے کہ تحقیق کرو اور اجماعِ امت سے انحراف ہر گز نہ کرو، اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں :

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کرلے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مُریدی کا تو ہَرتا ہے بہت جلد
تاوِیل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اُترتا ہے بہت جلد

جدید منافقین کی علامات :

تمام اہلِ اسلام کو چاہیے کہ وہ نئی نسل کو ان الحادی فتنوں سے محفوظ رکھنے پر توجہ دیں۔ فی زمانہ یہود و نصاریٰ اور ان سے بڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں چھپے ان کے آلہ کار (لبرل و سیکولر طبقہ) کی سازشوں سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ نظامِ تعلیم، سوشل میڈیا اور ٹی وی چینلز وغیرہ پر دکھائے جانے والے پروگرام کو دیکھ کر انسان یہ بات سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا یہ کسی ایسے ملک کا میڈیا اور تعلیمی ادارے ہو سکتے ہیں جو ملک اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے۔ گویا لادینیت، الحاد، سیکولرازم اور دین سے دوری کی جتنی ممکنہ صورتیں ہیں کفار نے مسلم ممالک میں موجود فنڈڈ حکمرانوں، میڈیا چینلز، مغرب کے درآمد شدہ اسلامی سکالرز اور این جی اوز وغیرہ کے ذریعے نافذ کر رکھی ہیں جو ہمارے نوجوانوں کی سوچ و فکر کو احکام اسلام سے بیزار کرنے اور صرف مغربی نظام کو اپنی فلاح کے لیے ضروری سمجھنے کا سبب بن رہی ہیں۔ ان کا واحد مقصد مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ سے دور

کرنا ہے اور وہ اس کوشش میں دن رات ایک کیئے ہوئے ہیں۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

(علامہ اقبال)

یہ لبرل وسیکولر نظریات کے مارے لوگ نام نہاد اصلاح کے پردے میں مفسدانہ طرز عمل اپنانے کے باوجود خود کو صالح اور اپنے سوا سب لوگوں کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کی اکثریت کو گمراہ کہہ کر، سوادِ اعظم، اجماع امت کا انکار کرتے ہیں اور نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ ان پر طنز، طعنہ زنی کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اسلام کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو صبر وہمت سے برداشت کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے اسلامی احکامات کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنا کر فرار کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اسلامی شعائر کی بے حرمتی پر خاموشی اور جو لوگ اسلامی شعائر دفاع میں بولیں ان کے خلاف زبان دراز کرتے ہیں۔ کرکٹ میچ کے لیے راستے اور مساجد بند ہونے سے ان کو تکلیف نہیں ہوتی البتہ وہی راستہ اگر ناموسِ رسالت اور گستاخِ رسول ﷺ کو سزا دلوانے کے لیے احتجاج وحکومتی اداروں پر پریشر ڈالنے کے لیے بند کیا جائے تو یہ لوگ علماء کو معاذاللہ برا بھلا کہتے ہیں۔ ہر غیرت کی بات پر غصہ کرتے ہیں اور بے غیرتی کی بات پر خوش ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی عزت وناموس کے دفاع، مساجد میں فلم کی شوٹنگ وغیرہ کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنے کو انتہاء پسندی اور اپنی ذات کے لیے دوسرے کو گالیاں دینے کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ حضور جانِ رحمت ﷺ کے گستاخوں کے ساتھ قلبی لگاؤ اور گستاخی کو (freedom of speech) کہتے ہیں جبکہ ناموسِ رسالت کے پہرہ داروں کے ساتھ رنجش رکھتے ہیں۔ یہ لوگ برابری اور آزادی کی بات کرتے ہیں جب کہ اسلام عدل وانصاف اور احکامِ الٰہی کی پابندی کا حکم دیتا ہے۔ یہ لوگ قادیانیوں (زندیقوں) سے متعلق نرم لہجہ رکھتے ہیں اور اسلامی سزاؤں کو کسی خاطر میں نہیں لاتے بلکہ اسے انسانیت پر ظلم قرار دیتے ہیں۔ محبت کا درس دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں سبھی انسان برابر ہیں کسی سے نفرت جائز نہیں اور یہ (love for all haterd for none) جیسے نعرے

لگاتے ہیں، حالانکہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ الحُبُّ فِی اللهِ وَالْبُغْضُ فِی الله (یعنی اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر بغض)[1]۔ یہ پاکستان جیسے ملک میں نئے مندروں کی تعمیر کی حمایت کر کے رسول اللہ ﷺ کی سنت کا صاف انکار کرتے ہیں[2] اور قرآن و حدیث کی واضح تصریحات کا انکار کر کے گانے باجے، ویلن ٹائن ڈے اور اس جیسے دیگر فحاشی کے پروگرامز کو پروموٹ کرتے ہیں اور ان کے خلاف بولنے والے علماء کا یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ "یہ مولوی حضرات نے لوگوں کی زندگی پھیکی بنا کر ظلم کر رکھا ہے"۔ یہ لوگ جان بوجھ کر دین سے متعلق ایسے پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں جس سے غیر مسلموں کو اسلام پر تنقید کرنے اور بدمذہبوں کو ہنسنے کا موقع ملے اور یہ علمائے کرام، مدارس دینیہ پر تنقید کرتے اور علمِ دین پڑھنے والوں کو جاہل سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس حدیث پاک سے عبرت حاصل کرنی چاہیے: حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا " میری پیروی کرو اگرچہ تمہارا عمل ناقص ہی کیوں نہ ہو اور قرآن کے محافظین (یعنی علماء، قراء اور حفاظ) کے معاملے میں پڑنے سے اپنی زبان قابو میں رکھو اور اپنے گناہ اٹھاؤ، دوسروں کے گناہ اپنے سر نہ لو اور ان کی مذمت کر کے خود کو پاک ظاہر نہ کرو، کہیں جہنم کے کتے قیامت کے دن تمہیں جہنم میں چیر پھاڑ نہ دیں"۔[3]

وطن پرستی: وطن کے لیے محبت، ہر قوم و ملت کے لیے جذبہ و تحریک کا سامان ہے اس میں حرج نہیں۔ لیکن اگر جذبہ حب الوطنی کو اس قدر بڑھا دیا جائے کہ مذہب پیچھے رہ جائے اور وطن کی محبت پہلی ترجیح بن جائے تو یہ چیز رفتہ رفتہ آدمی کو الحاد کی طرف لے جانے کا سبب بنتی

---

1 (مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ، باب الحب فی اللہ ومن اللہ، الفصل الثالث، ج6، ص417، حدیث4795، حسن پبلیشرز، لاہور)

2 (حکم / ، شرعی یہ ہے کہ دارالاسلام ہونے کے بعد ذمی اب نئے گرجے اور بت خانے اور آتش کدے نہیں بنا سکتے اور پہلے جو ہیں وہ باقی رکھے جائیں گے (یعنی ان میں وہ اپنے مذہبی معمولات کر سکتے ہیں)، مزید تفصیل کے لیے بہارِ شریعت حصہ 9، ص450 یا علامہ کاشف اقبال حفظہ اللہ کے مقالہ بنام "اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کی مذہبی آزادی" کا مطالعہ کیجیے)

3 (آنسوؤں کا دریا، ص262/احیاء العلوم کا خلاصہ، ص280، مکتبۃ المدینہ کراچی/الترغیب والترھیب)

ہے اور امت کی جمعیت کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ یہ لبرل و سیکولر لوگ ہر وقت مذہب کے بجائے خطہ کے گیت گاتے ہیں، امت مسلمہ کے بارے میں سوچنے کے بجائے صرف اپنے وطن کے دفاع کو ترجیح دیتے ہیں اور اسے ہی اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔ جو لوگ مسلم حکمرانوں سے دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے عملی اقدامات کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں یہ لبرل و سیکولر لوگ انہیں یہود و نصاریٰ کے دشمن سے زیادہ اپنی سلامتی کا دشمن تصور کرتے ہیں، راجہ دہر اور رنجیت سنگھ جیسے ظالم حکمرانوں کو یہ فخر سندھ اور شیر پنجاب جیسے القابات سے نوازتے ہیں لیکن محمد بن قاسم و محمود غزنوی جیسے اسلام کے مجاہدین کو انسانیت کا دشمن تصور کرتے ہیں۔ ماضی قریب میں مسلمانوں کی سلطنتِ عثمانیہ جو تین براعظموں تک پھیلی تھی وہ اِنہیں لوگوں (جدید منافقین) کی سوچ و فکر اور سازشوں سے پارہ پارہ ہوئی۔ ماضی میں ایک مسلم خلیفہ کے تحت، شان و شوکت سے رہنے والے تمام مسلم ممالک آج اپنے اپنے وطن کی سلامتی کی جنگ لڑتے ہوئے، تباہی کے دہانے کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی عسکری طاقت رکھنے والا ملک ظلم پر اُترے اور انہیں عراق، شام، افغانستان وغیرہ ممالک کی طرح اپنے پاؤں تلے روند کر چلا جائے۔

مسلمان اگر آج بھی متحد ہو کر اسلامی احکامات پر صحیح معنوں میں عمل کریں اور وطنیت کے بجائے اُمت مسلمہ کے بارے میں مشترکہ جدوجہد کریں، تو یہ وہی شان و شوکت اور اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ علامہ اقبال اپنے درد کو یوں بیان کرتے ہیں:

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لُطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے ، تو مصطفوی ہے

مذہبِ انسانیت : ایک ہتھکنڈا جو یہ لبرل و سکولر حضرات مسلمانوں کو دین سے بد ظن کرنے کے لیے اپناتے ہیں وہ ہے انسانیت کو اسلام پر ترجیح دینا، اسے ایک مستقل مذہب ماننا ہے اور یوں کہنا کہ "انسانیت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا" یا یہ کہنا ہے "میرا مذہب انسانیت ہے اسلام نہیں"۔ ان بے دین لوگوں کا یہ قول صرف لوگوں کو اسلامی احکامات سے متنفر کرنے اور احکامِ شریعہ پر تنقید کرنے کی راہ ہموار کرنے کے لیے ہے۔ یہ لوگ دنیا کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مذہب صرف انسانیت کی خدمت کا نام ہے اور دیگر احکاماتِ خداوندی (عبادات، رسومات و معاشرتی احکامات) کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

لیکن یاد رکھیں اسلام ہی وہ آسمانی مذہب ہے جو انسانیت کے حقوق کا ضامن ہے۔ اور اس میں دیگر احکامات کے ساتھ ساتھ انسانیت کے حوالے سے ایسی جامع ہدایات و تعلیمات موجود ہیں جو کسی اور مذہب کے پاس نہیں۔ جو لوگ اسلام اور انسانیت کو الگ الگ ذکر کرتے ہیں، حقیقتاً یہ لوگ اسلامی تعلیمات کا صحیح معنوں میں علم نہیں رکھتے۔ اسلام ہی ہے جس نے مسلمان ،کافر ذمی، جانوروں، پرندوں تک کے حقوق ارشاد فرمائے ہیں۔ اسلام ہی ہے جو ایک انسان کے بے گناہ قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔ اسلام ہی ہے جو کسی غیر مسلم شہری (معائد) کو بے گناہ قتل کرنے پر جنت کی خوشبو تک حرام فرما دیتا ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جو ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر جنت کا مژدہ اور ایک بلی کو پیاسا رکھنے پر جہنم کی وعید دسنا دیتا ہے۔ یہ اسلام کی ہی تعلیمات ہیں کہ جانور پر ظلم کرنا ذمی کافر پر ظلم کرنے سے زیادہ برا ہے اور ذمی پر ظلم کرنا مسلمان پر ظلم کرنے سے بھی زیادہ برا ہے۔

اسی طرح یہ لوگ عام مسلمانوں کا کفار سے موازنہ کرتے ہوئے یہ کہتے نظر کہتے ہیں کہ دیکھیں کافر مسلمانوں سے زیادہ سچے اور دیانتدار ہیں، مسلمانوں کی اکثریت دھوکا دہی اور دیگر اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہے وغیرہ۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ اسلامی طور پر اخلاقی تربیت کا

دارومدار اَلْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ (نیکی کا حکم دینے اور برائے سے روکنے) پر مشتمل ہے۔ کسی بھی ملک میں کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں اخلاقی اعتبار سے ہمیشہ اچھے اور برے لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو اپنی ان بری خصلتوں میں راسخ نہیں ہوتے اُنکی اصلاح کا ذریعہ علماء کے وعظ و نصیحت بن جاتے ہیں لیکن بعض وہ لوگ جو اپنی بری عادات میں رچے بسے ہوتے ہیں انہیں برائی سے روکنے کے لیے سختی و طاقت کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے لیے اسلام نے مختلف سزائیں متعین کی ہیں۔ مثلاً جب کوئی کسی کا ناحق مال لینے کا سوچے گا تو سزا کے طور پر اُس کے ہاتھ کاٹے جانے کا خیال اُسے اس برائی سے روکے گا، اسی طرح زنا پر کوڑے یا سنگسار کیے جانے کا خیال اُسے اِس زنا کرنے سے روکے گا۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری اکثریت اب علمائے کرام کی صحبت اور علم دین سے بہت دور ہوتی چلی جارہی ہے۔ اور ہمارے ملک میں نہ ہی اسلامی قوانین و سزائیں رائج ہیں اور نہ موجودہ آئین و قانون کی بالا دستی ہے، بلکہ ہر طرف رشوت عام اور سیاستدان بددیانت ہیں، مقولہ ہے پانی اوپر سے نیچے آتا ہے۔ تو ایسے میں بھرتی اخلاقی برائیوں کی وجہ سے اسلام پر اعتراضات اٹھانا کہاں کی دانشمندی ہے ؟، بلکہ حقیقتاً یہ اِس نظام کی نحوست ہے۔ آج بھی وہ اسلامی ممالک جہاں آئین و قانون کی بالا دستی ہے اور مجرموں کو سزائیں دی جاتی ہیں وہاں جرائم کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔(یہ ایک اہم پہلو ہے یقیناًاس کے علاوہ بھی وجوہات ہوسکتی ہیں)۔

مگر سچ ہے کہ جب عقل کی دشمنی کے ساتھ بدمذہبی کا خول سوار ہو تو کچھ سمجھ نہیں آتا۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رُخصت تو ملت بھی گئی

فیمینزم : اسی طرح یہ لوگ عورت کی آزادی اور برابری (feminism) کے نام پر " میرا جسم میری مرضی " جیسے بیہودہ نعرہ (slogan) لگاکر ہماری پردہ دار خواتین کی عصمت کا مذاق اڑاتے ، ہماری نوجوان بیٹیوں کو گمراہ کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں، جبکہ ایک کلمہ گو مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جس مالک نے یہ جسم و جان دیا ہے اُس رب کریم کے احکامات کی پیروی کرے یہاں اُس مالک کی مرضی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ ایک طرف یہ لوگ قوم لوط کے عمل کو اپنا انفرادی حق سمجھ کر اِسے ملک پاکستان میں قانونی طور پر جائز قرار دینے کا مطالبہ کرتے ہیں اور دوسری طرف یہی لوگ سڑکوں پر نکل کر زنا بالجبر کرنے والے کے خلاف سخت قانونی کاروائی کا مطالبہ کرتے ہیں اور پھر جب ان مجرموں کو اسلامی سزائیں دینے کی بات کی جاتی ہے تو سب سے پہلے یہی لبرل حضرات اس کے خلاف مزاحمت کرتے دکھائی دیتے ہیں، یہی ان لوگوں کی منافقت ہے، حقیقتاً یہ لوگ مادر پدر آزادی کے خواہاں ہیں۔

فیمینزم اور علامہ اقبال : علامہ اقبال لکھتے ہیں : " اسلام میں عورتوں کا جو درجہ ہے اس پر تفصیلی رائے زنی کرنے کی یہاں گنجائش نہیں، البتہ کھلے لفظوں میں اس امر کا اعتراف میں ضرور کروں گا کہ بفحوائے آیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ [1] (مرد عورتوں پر نگہبان ہیں) ۔ میں مرد و عورت کی مساوات مطلق کا حامی نہیں ہو سکتا۔ یہ ظاہر ہے کہ قدرت نے ان دونوں کے تفویض جدا جدا خدمتیں کی ہیں اور ان فرائض جداگانہ کی صحیح اور باقاعدہ انجام دہی خانوادہِ انسانی کی صحت اور فلاح کے لیے لازمی ہے۔ مغربی دنیا میں جہاں نفسا نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے، عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے الٹا نقصان رسا ثابت ہو گا اور نظامِ معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی۔ [2]

---

1 (النساء ، آیت 34) (اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ) ترجمہ : (مرد عورتوں پر نگہبان ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی)۔

2 (مقالاتِ قاسمی، ج2 ،ص 288، رحمۃللعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا / مقالاتِ اقبال ص177،مرتب سید عبدالواحد معینی)

سرکار ﷺ کی طرف سے اُمت محمدیہ کے علماء کی ڈیوٹی اور لبرل حضرات کی بغاوت

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

نوجوانو نسل کو گمراہ کرنے اور ملک میں فحاشی و عریانی عام کرنے کے لیے لبرل حضرات کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص اعلانیہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ لوگ اُس کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اسے اُس شخص کا انفرادی حق اور آزادی اظہارِ رائے اور پاکستان ایک سیکولر اسٹیٹ ہے وغیرہ جیسی باتوں کو زیر بحث لاتے ہوئے علمائے دین کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں رہتے ہوئے یہ کہنا کہ "جو شخص جہاں بھی اعلانیہ جس بھی گناہ میں مشغول ہے اُسے کرنے دیا جائے اور اُس کی ذاتی زندگی میں دخل اندازی نہ کی جائے اور ہر ایک کو مکمل آزادی حاصل ہے" یہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے بالکل خلاف، معاشرے میں فحاشی و عریانی کا کینسر پھیلانے اور عذابِ الٰہیہ کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ کتنی ہی قوموں کے نیکوکار صرف اسی لیے عذاب میں مبتلا کیے گئے کہ وہ نہ نیکی کا حکم دیتے تھے اور نہ برائی سے روکتے تھے۔

(1) حدیث پاک میں ہے : اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی کہ "میں تمہاری قوم کے ایک لاکھ افراد کو ہلاک کرنا چاہتا ہوں، ان میں سے اسی ہزار پاکباز (نیکو کار) ہیں جبکہ بیس ہزار گناہ گار ہیں"۔ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے عرض کی پروردگار! تو نیک لوگو ں کو کیوں ہلاک کرنا چاہتا ہے اللہ رب العزت نے فرمایا " اس لیے کہ وہ دوسروں (گناہ گاروں) سے عداوت نہ رکھتے تھے۔ اٹھنے، بیٹھنے، کھانے، پینے اور معاملات کرنے میں ان سے سے اجتناب نہ کرتے تھے۔ (1)

(2) اسی طرح ایک روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " جس قوم میں گناہ کیئے جائیں وہ زیادہ اور غالب ہو پھر بھی مداہنت کرے اور خاموش رہے اور برائی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے تو پھر ان سب پر عذاب آئے گا"۔ (2)

---

1 (کیمیائے سعادت، باب امر معروف اور نہی منکر، ص368، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

2 (تفسیر تبیان القران ج3،236، فرید بک سٹال، لاہور / المعجم الکبیر)

(3) حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلاء ہوئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا، لیکن وہ باز نہ آئے، وہ علماء اِن کی مجلسوں میں شامل ہونے لگے اور انکے ساتھ کھاتے پیتے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک جیسا کر دیا، پس ان پر حضرت سیدنا داوٗد علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔(راوی کہتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے علماء کی بات کی تو آپ تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے مگر جب اِس کے بعد اپنی اُمت کے علماء کی بات کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ تکیہ کی ٹیک چھوڑ کر بیٹھ گئے) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم (میری امت کے علماء) ضرور ان کو نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برے کاموں سے روکتے رہنا اور تم ظالموں کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق کے مطابق عمل پر مجبور کرنا۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو بھی ایک جیسا کر دے گا اور پھر تم پر اسی طرح لعنت کرے گا جیسا کہ اس نے ان (بنی اسرائیل) پر لعنت کی ہے۔ (1)

(4) قرآن اور حکمران: حضرت سیدنا امام عبد بن حمید حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تک تحفہ، تحفہ ہو لے لو جب تم کو دین سے دور کرنے کے لیے بطور رشوت (تحفہ) دیا جائے تو اسے ہرگز نہ لینا اور پیسے لے کر تم دین کو ہرگز نہ چھوڑنا، اس امر سے خوف اور فقر تم کو روکے گا، بنی یاجوج وماجوج آچکے ہیں، اسلام کی چکی گردش کرے گی، جہاں قرآن کریم گھومے تم بھی گھوم جانا (یعنی جو قرآن کریم حکم دے اِسی پر عمل کرنا) عنقریب بادشاہ (حکمران) اور قرآن آپس میں جھگڑ پڑیں گے اور دونوں مختلف حکم دیں گے، تم پر ایسے بادشاہ مسلط ہونگے کہ ان کے لیے الگ قانون ہو گا اور تمہارے لیے الگ قانون ہو گا، اگر تم اِنکی پیروی کرو گے تو تم کو گمراہ کر دیں گے اور اگر تم اِنکی ہاں میں ہاں نہیں ملاؤ گے تو تمہیں قتل کر دیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کی:

---

1 (سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنهی، ج3، ص271، حدیث3774، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاھور / ترمذی/ابن ماجہ)

"یارسول اللہ ﷺ ! پھر ہمارا کیا حال ہو گا اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو؟ "۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " تم بھی حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح ہو جاو جن کو آریوں سے چیر دیا گیا، سولی پر لٹکا دیا گیا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں موت کا آجانا نافرمانی میں زندگی گزارنے سے بہتر ہے۔[1]

☆ اس روایت سے پتہ چلا کہ اگر کوئی حاکمِ وقت احکامِ الٰہیہ کے خلاف حکم دے تو علمائے وقت پر لازم ہے کہ راہِ عزیمت اختیار کرتے ہوئے ایسے ظالم حکمران کے سامنے ڈٹ جائیں اور کلمہ حق بلند کریں، یہی افضل جہاد ہے۔ لیکن فی زمانہ حکمرانوں کی دینی احکامات سے بغاوت و بیزاری کے باوجود امت کی امامت کا دم بھرنے والے بڑے بڑے علماء و مشائخ اپنے آستانے اور نذرانے بچانے کی خاطر ظالم حکمرانوں کا طواف کرتے اُن کے قصیدے پڑھتے نظر آتے ہیں۔ جب قوم کے دینی پیشواؤں کا کردار یہ ہو گا تو قوم میں ملی غیرت و دینی حمیت کا ختم ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انہیں قربِ قیامت کے علمائے سوء کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "یہ بدترین مخلوق ہیں"[2]

فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اُس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے !

(علامہ اقبال)

اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ کے کامل ایمان والوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔[3]

ترجمہ کنزالعرفان: " یہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہ لوگ (اللہ کے) خاص بندوں میں سے ہیں۔"

---

1 (مسئلہ ناموس رسالت پر جعلی مشائخ کی مجرمانہ خاموشی، ص26/ الدر المنثور (124:3))
2 (احیاء العلوم، علم کا بیان، ج1، ص146، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
3 (ال عمران، آیت114)

لہٰذا پتہ چلا کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں کے لیے محبوب ترین افعال میں سے ہے اور یہی تمام انبیاء علیہم اسلام کی سنتِ مبارکہ رہی ہے۔ اور اب چونکہ قیامت تک کسی نئے نبی نے اس دنیا میں تشریف نہیں لانا (بجز حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے اور آپ کو نبوت پہلے ہی عطا ہو چکی ہے) اور ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں اُمتِ محمدیہ آخری اُمت ہے لہٰذا ہم پر بدرجہ اولیٰ یہ واجب ہے کہ ہم اپنے اپنے مقام و منصب اور اختیارات کے مطابق نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، معاشرے میں بے حیائی کا کینسر پھیلے گا تو اُسے ہر شخص کو اپنی حیثیت کے مطابق (sanitize) کرنا ہو گا۔ جو شخص اس کے برعکس عمل کرے گا وہ رب تعالیٰ کے حضور سزا کا مستحق ہے۔ حاکمِ وقت پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے اختیارات (طاقت) سے اسلامی مملکت میں ہونے والے غیر شرعی افعال کا خاتمہ یقینی بنائے۔ چنانچہ فتنہ و فساد کے تدارک کے لیے امیر المومنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے کردارِ مبارکہ کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے آج بہت سے لوگوں کو بھی اسی دوا کی ضرورت ہے۔

عمر کی چھڑی سے دماغ کا خمار جاتا رہا:

دارمی نے حجہ میں، ابن عساکر نے تاریخ میں سلیمان بن یسار سے روایت کیا کہ: "بنو تمیم کا ایک شخص تھا جس کا نام صبیغ بن عسل تھا۔ وہ مدینہ آیا اس کے پاس کچھ کتب تھیں۔ وہ قرآن کے متشابہات کے بارے میں پوچھتا تھا۔ اس بات کی اطلاع حضرت عمر کو پہنچی تو آپ نے اسے بلایا اور اس کے لیے کھجور کی دو چھڑیاں تیار کیں، وہ آیا تو آپ نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں اللہ کا بندہ صبیغ ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ عمر ہوں۔ اس کے بعد آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا اور ان دو چھڑیوں کے ساتھ اسے مارا حتیٰ کہ وہ زخمی ہو گیا اور چہرے سے خون بہنے لگا۔ وہ کہنے لگا اے امیر المومنین! مجھے چھوڑ دو یہی کافی ہے، اللہ کی قسم جو کچھ میرے دماغ میں (خمار) تھا وہ جاتا رہا۔[1]

---

1 (سنن دارمی، باب من ھاب الفتیا کرہ التنطع و التبدی، ج1، ص51، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

علامہ غلام رسول قاسمی حفظہ اللہ لکھتے ہیں : "باطل کی تردید کرتے وقت حسبِ موقع سختی یا نرمی اختیار کرنا درست ہے لیکن باطل کے مقابلے پر چپ سادھ لینا اور باطل کو باطل ہی نہ کہنا بے جا نرمی اور دینی غیرت کا فقدان ہے۔ اس قسم کی باتیں کرنے والے لوگ اعتدال کا ڈھول بجا کر اپنے باطل نظریات کو پروان چڑھانے کے لیے راستہ ہموار کرتے ہیں۔ اب یہ کچھ بھی ہانک دیں وہ تحقیق کہلائے گا اور جو ان کی تردید کرے گا اسے متشدد کہہ دیں گے۔

یاد رکھیے کہ غلط کو غلط کہنا علماء پر واجب ہوتا ہے۔ صرف مثبت انداز کا ڈھول پیٹنے والے آدھی تبلیغ کے منکر ہیں۔ دین کی چکی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں پر گھومتی ہے۔ امر بالمعروف مثبت تعلیم ہے اور نہی عن المنکر باطل کی تردید کا نام ہے۔ ہر زمانے کی باطل قوتوں کو امر بالمعروف پر کوئی خاص اعتراض نہیں رہا زیادہ تر فساد نہی عن المنکر پر پیدا ہوا"۔ (1)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب عزوجل ہمارے نوجوانوں کو ان (لبرل و سیکولر) لوگوں کے شر سے محفوظ فرمائے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کو کوئی نیک عادل حکمران عطا فرمائے جو اس ملک میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ نافذ کر کے ہمارے ملک کو ان جراثیموں سے پاک فرمائے۔ آمین۔

---

1 (ضربِ حیدری، ص217/219، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

فتنوں فرقوں کے وقت اُمت کیا کرے؟

کُتب احادیث کے باب الفتن میں مخبرِ صادق حضور خاتم النبیین ﷺ نے قرب قیامت سے متعلق جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، اُن میں مسلمانوں کے فرقوں میں بٹنے اور اندھیری رات جیسے فتنوں کے سر اٹھانے سے متعلق بھی سرورِ کون و مکاں، حبیبِ خدا ﷺ کے فرامین موجود ہیں۔

آج اُمتِ مسلمہ کی حالت بہت نازک ہے، مسلمان فرقہ واریت کا شکار ہیں، نئے نئے فرقے وجود میں آرہے ہیں۔ کوئی احادیث کا منکر ہے تو کوئی فقہ اسلامی کا منکر، کوئی رسول اللہ ﷺ کی شان میں زبان درازیاں کرتا نظر آتا ہے، تو کوئی صحابہ واہلبیت کرام اور اولیاء اللہ کا دشمن ہے اور کچھ لوگ فرقہ واریت سے تنگ آکر یہ کہتے ہیں ہمارا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہم صرف مسلمان ہیں۔ ایسا کہنے والوں کو بھی سمجھنا چاہیے کہ خود کو مسلمان تو ہر گروہ کہتا ہے، یہ مسلمان ہونا دراصل ادیانِ باطلہ (دوسرے مذاہب) کے مقابلے میں ہے۔ آپ کے اردگرد رسول اللہ ﷺ کی شان میں زبان درازیاں کرنے والے اور اصحابِ رسول ﷺ کو گالیاں نکالنے والے بھی خود کو مسلمان ہی کہتے ہیں، لہٰذا خود کو اور اپنی اولادوں کو اس بدمذہبی سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی ایسی پہچان ضروری ہے جس سے بدمذہبوں اور اہلِ حق میں فرق واضح ہوسکے، سلف صالحین (بزرگانِ دین واولیائے اُمت) نے ان باطل فرقوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی جماعتِ حقہ کی پہچان کرواتے ہوئے خود کو "اہلِ سنت وجماعت" میں شمار کیا ہے، اور ہمیشہ اہلِ سنت وجماعت کے عقائد پر رہے ہیں۔ اسی کو راہِ صراطِ مستقیم جانتے اور اس پر چلنے کی تاقید کرتے رہے ہیں۔

اہلِ سنت وجماعت سے مراد ہے: "نبی کریم ﷺ کی سنت اور جماعتِ صحابہ و اجماعِ امت کی راہ پر چلنے والے"۔ [1]

---

1 (مقالات قاسمی، ص24، ج2، رحمۃ للعالمین، پبلیکیشنز، سرگودھا)

اہلِ سنت (سنیّت) کسی شخص یا کسی فرقے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عقیدہ ہے ، عقائدِ قرآنی و حدیث نبوی اور عقائد صحابہ واہلبیت کی صحیح تعبیر کا نام سنیّت ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے، حضرت ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ جو اجلہ تابعین میں سے ہیں آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں : " پہلے لوگ سند حدیث کی تحقیق نہیں کرتے تھے (یعنی یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ کس راوی سے مروی ہے بس حدیث لے لی جاتی تھی)، لیکن جب دین میں بدعاتِ سیّہ اور فتنہ (فرقے) داخل ہو گئے تو لوگ سندِ احادیث کی تحقیق کرنے لگے اور جس حدیث کی سند میں اہلِ سنت راوی ہوتے تو اس کو قبول کرتے اور جس کی سند میں اہلِ بدعت (بد مذہب) راوی ہوتے اس کو چھوڑ دیتے"۔[1]

پیارے آقا مدینے کے تاجدار حضور رحمت العالمین ﷺ نے زندگی کے ہر معاملہ کی طرح اِن فتنوں سے بچنے کے لیے بھی اُمت کی رہنمائی فرمائی ہے، چنانچہ مسلمانوں کے حق گروہ کی پہچان کرواتے ہوئے فرمایا وہ ہمیشہ تعداد میں زیادہ ہونگے :

(1) چنانچہ آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :"میری اُمت گمراہی پر (کبھی) جمع نہ ہو گی، اور جب تم (لوگوں میں) اختلاف دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ سواد اعظم (یعنی مسلمانوں کی بڑی جماعت) کے ساتھ ہو جاؤ"۔[2]

(2) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:" اللہ تعالیٰ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت جماعت پر ہے۔ اور جو جماعت سے جدا ہوا وہ دوزخ میں گیا"۔[3]

(3) اور جانِ جاناں ﷺ نے ارشاد فرمایا "سَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي ثَلٰثًا و سَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً" (یہ امت 73 فرقے ہو جائے گی ایک فرقہ جنتی ہو گا باقی سب جہنمی) صحابہ کرام نے عرض کی " مَنْ هُمْ یارسول اللہ " (وہ نجات پانے والا فرقہ کون ہے یارسول اللہ ؟)۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي" (وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں)،

---

1 (صحیح مسلم ،مقدمہ صحیح مسلم ، ج1،ص39،حدیث 27، فرید بک سٹال،لاھور)

2 (سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، ج2،ص560،حدیث3939،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاھور)

3 (ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی الزوم الجماعۃ، ج2،ص33 ، حدیث38، فرید بک سٹال،لاھور)

یعنی سنت کے پیروکار۔ دوسری روایت میں ہے "هُمُ الجماعة" (وہ جماعت ہے) یعنی مسلمانوں کا بڑا گروہ جسے سوادِ اعظم فرمایا اور فرمایا جو اس سے الگ ہوا جہنم میں الگ ہوا، اسی وجہ سے اس ناجی فرقہ کا نام اہل سنت و جماعت ہوا۔[1]

(4) اور نبی رحمت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جس نے ایک بالشت بھی جماعت کو چھوڑا اور اسی حال میں مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا"۔[2]

(5) اور امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جس نے ایک بالشت بھی جماعت کو چھوڑا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی"۔[3]

(6) اور حضور جانِ جاناں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: " میرے صحابہ کی عزت کرو کیونکہ وہ تمہارے بہترین (لوگ) ہیں۔ پھر وہ جو ان کے قریب ہیں (تابعین) پھر وہ جو ان کے قریب ہیں (تبع تابعین)۔ جو جنت کا وسط چاہے وہ جماعت (مسلمانوں کے بڑے گروہ) کو مضبوط پکڑے کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے دور رہتا ہے "۔[4]

(7) اور حضور خاتم النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جیسے ایک بھیڑیا بکریوں کا ہوتا ہے۔ وہ اس بکری کو پکڑ لیتا ہے جو اکیلی بھاگ جائے یا ریوڑ سے دور ہو جائے یا کنارے کنارے چرتی ہو۔ تنگ راہوں اور گھاٹیوں سے بچ کے رہو۔ اور جماعت و جمہور کا ساتھ مت چھوڑو"۔[5]

☆ اس طرح کثیر احادیث میں مسلمانوں کی جماعت سے جدا ہونے کی سختی سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور اختلاف کے مواقع میں صاف صحیح اور صریح ہدایت صرف حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت اور جماعتِ صحابہ کی اتباع اور پیروی میں منحصر ہے۔ اللہ عزوجل ہمیں اہلِ سنت و جماعت کے عقائد پر استقامت دے ، یہی وہ عقائد ہیں جو صحابہ و تابعین و آئمہ سے لے کر آج تک پاکانِ

---

1 (بہارِ شریعت، حصہ 1، ص 188، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
2 (صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ، ج 3، ص 804، حدیث 7143، فرید بک سٹال، لاھور)
3 (سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ باب فی الخوارج، ج 3، ص 450، حدیث 4131، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)
4 (مراۃ المناجیح شرح مشکاۃ، کتاب مناقب صحابہ، الفصل الثانی، ج 8، ص 295، حدیث 5751، حسن پبلیشرز، لاھور)
5 (مراۃ المناجیح شرح مشکاۃ، کتاب الاعتصام، الفصل الثالث، ج 1، ص 166، حدیث 174، حسن پبلیشرز، لاھور)

اُمت کے رہے ،اِسی پر ہونے کا تمام اولیاء اللہ نے اعلان فرمایا، اہلِ سنت کی سب سے پیاری علامت، رسول اللہ ﷺ ، آپکے صحابہ و اہلبیت سے بے حد عقیدت اور بے پناہ محبت ہے۔ اہلِ سنت پیارے آقا حبیب کبریا ﷺ کی فضیلت (حقیقتِ محمدیہ) کے امور کا اصرار و چرچا کرنے والے ہیں، جبکہ بدمذہب ہمیشہ حضور علیہ السلام کا ذکر روکنے اور فضل کاٹنے میں مصروف رہتے ہیں۔ عقائدِ اہلسنت کا ماننے والا "اہلِ سنت یا سُنی" اور انکار کرنے والا "گمراہ یا بدمذہب" کہلاتا ہے۔ تاریخ میں اہلِ سنت وجماعت کے عقائد و نظریات سے اختلاف رکھنے والے بہت سے گمراہ فرقے نمودار ہوئے، جن میں سے اکثر وقت کے ساتھ ختم ہوتے چلے گئے (جیسے قدریہ، جبریہ، معتزلہ وغیرہ) اور کچھ قلیل تعداد میں اب بھی باقی ہیں جیسے رفض و نجدیت کے جراثیم وغیرہ۔ لیکن الحمدُ للہ اہلِ سنت وجماعت آج بھی تعداد میں سب سے زیادہ ہیں۔

مقالات قاسمی میں مسلّم الثبوت کے حوالے سے لکھاہے:"اس موضوع پر دلائل کثرت سے موجود ہیں جن کی روشنی میں علماء نے لکھا ہے : اجماع (اہلِ سنت وجماعت کے عقائد و نظریات) تمام اہلِ قبلہ کے نزدیک حجت قطعی ہے اور اس سے یقینی علم حاصل ہوتاہے۔ یہاں مٹھی بھر خارجی اور رافضی احمقوں کی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے(جو اجماع کے منکر ہیں)۔ یہ لوگ صحابہ کا اجماع منعقد ہو جانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور ضروریاتِ دین میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں"۔[1]

☆ ابتدائے اسلام سے آج تک پوری دنیامیں تمام فرقوں سے تعداد میں بڑھ کر اہلِ سنت ہی ہیں۔ اہلِ سنت وجماعت میں پوری دنیاکے کروڑوں حنفی ، شافعی ، مالکی ، حنبلی و تصوف کے سلاسل قادری ، چشتی ، نقشبندی ، سہروردی ، اویسی وغیرہ سب شامل ہیں۔ اہلِ سنت وجماعت کوئی فرقہ نہیں یہ صراط مستقیم پر گامزن عظیم "جماعت" ہے جتنے بھی

---

1 (مقالاتِ قاسمی، ج 2، ص 26، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

فرقے بنے وہ اہلسنت و جماعت سے جدا ہو کر بنے ، جماعت پر سایۂ رحمت ہوتا ہے ، جماعت سے کبھی بھی الگ نہیں ہونا چاہیے۔

نوٹ : یادرہے خود کو اہلِ سنت کہنا مسلمانوں کے باطل فرقوں کے مقابلے میں ہے۔ ہم بلاشبہ اہلِ سنت ہیں لیکن غیر مسلموں (یہود و نصاریٰ ، ہندوں، قادیانیوں وغیرہ) کے مقابلے میں خود کو مسلمان کہنا چاہیے۔

اہلِ سنت و جماعت کے پیشواء :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [1]

"ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تونے احسان کیا"

ہم ذیل میں اہلِ سنت و جماعت کے پیشواؤں میں سے چند علماء و مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے نام لکھتے ہیں تاکہ آپ پر مزید واضح ہو جائے کہ ہمیشہ سلف صالحین، مفسرین و محدثین نے اپنی پہچان اسی جماعتِ حقہ "اہلِ سنت و جماعت" کے نام سے ہی کروائی ہے۔ ہمارے زمانے میں بہت سے باطل گروہ بھی نمودار ہوئے ہیں جو اپنا تعارف اہلِ سنت ہی کے نام سے کرواتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ اہلِ سنت و جماعت کے اجماعی عقائد و نظریات کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ اِن بزرگانِ دین کی کتب و تعلیمات کی طرف رجوع کرنے سے انشاءاللہ حق کے متلاشیوں پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ (متوفی ھ: سنِ وفات ہجری)

☆ تابعی حضرت ابن سیرین (متوفی 110ھ) ☆ حضرت سفیان ثوری (متوفی 161ھ)
☆ امام اعظم ابو حنیفہ (متوفی 150ھ) ☆ امام مالک (متوفی 179ھ)
☆ امام شافعی (متوفی 204ھ) ☆ امام احمد بن حنبل (متوفی 241ھ)

1 (الفاتحہ،آیت 5-6)

☆داتا گنج بخش علی ہجویری (متوفی500ھ) ☆حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (متوفی505ھ)
☆قاضی عیاض مالکی (متوفی544ھ) ☆غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی (متوفی 561ھ)
☆علامہ ابن جوزی (متوفی597ھ) ☆امام فخر الدین رازی (متوفی606ھ)
☆شہاب الدین سہر وردی (متوفی 631ھ) ☆خواجہ غریب نواز اجمیری (متوفی633ھ)
☆شیخ اکبر محی الدین ابن العربی (متوفی 637ھ) ☆بہاو الدین زکریا نقشبندی (متوفی 660ھ)
☆مولانا جلال الدین رومی (متوفی 671ھ) ☆امام بوصیری (متوفی693ھ)
☆امام جلال الدین سیوطی (متوفی 911ھ) ☆مجدد الف ثانی (متوفی 1034ھ)
☆شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی1052ھ) ☆شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی1175ھ)
☆شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (متوفی 1238ھ) ☆علامہ ابن عابدین شامی (متوفی 1252ھ)
☆اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی (متوفی1340ھ) ۔۔۔۔

اے عزیز تم نے ملاحظہ کیا ! وہ بزرگانِ دین جن کا ذکر تم بچپن سے سُنتے آئے ہو وہ سب ہمیشہ سے اہلِ سنت و جماعت کے عقائد و نظریات پر قائم رہے اور اپنا تعلق "اہلِ سنت وجماعت" سے بتاتے ہیں تو تم کہا بھٹکتے جاتے ہو! ۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کی علمی صلاحیت اور بار گاہِ الٰہیہ میں مقام و مرتبہ پر امت متفق ہے۔ امت کے تمام اولیاء نے ہمیشہ اہل سنت سے ہی ہونے کا اعلان کیا۔ آج اگر کوئی شخص ان پر طعن کرے تو یہ اُس بد بخت ہی کی محرومی ہے۔ اگلے لوگوں کا ادب و احترام بعد والوں پر لازم ہے۔ بعد والوں کا اگلے لوگوں پر لعنت بھیجنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔[1]

صحابیِ رسول حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : " تم میں سے جو بھی کسی طریقے پر چلنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ ان لوگوں کہ راستے پر چلے جو وفات پا چکے ہیں، اس لیے کہ زندہ آدمی فتنے سے محفوظ نہیں ہوتا "۔[2]

---

1 (ترمذی، کتاب الفتن، باب سامان ہلاکت، ج 2،ص 52،حدیث 89 ، فرید بک سٹال، لاہور)
2 (مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ، کتاب الایمان،باب الاعتصام ،الفصل الثالث ، ج1،ص169،حدیث 182،حسن پبلیشرز،لاہور)

اس قاعدے سے واضح ہو گیا کہ امام اعظم ابو حنیفہ ان کے شاگردوں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما مقدم ہونے کی وجہ سے اور ان کی کتب بھی قرون اول کی تصنیف ہونے کی وجہ سے راجح اور نسبتاً زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔ یہی وہ اصول ہے جس سے دیگر لوگوں کی تمام کتب، کتبِ اہلِ سنت کے مقابلے پر بہت پیچھے رہ جاتی ہیں، اہلِ سنت کی کتب دوسری اور تیسری صدی میں مرتب ہو چکی تھیں۔

مثلاً : مؤطا امام ماک (متوفی 179ھ)، کتاب الآثار و کتاب الخراج از امام ابو یوسف (متوفی 182 ھ)، کتاب الآثار و مؤطا امام محمد (متوفی 189ھ) وغیرہ۔

اس کے بعد اہلِ سنت کے صحاح ستہ کی باری آتی ہے۔ امام بخاری (متوفی 252ھ)، امام مسلم (متوفی 261ھ)، امام ترمذی (متوفی 279ھ)، امام ابو داؤد (متوفی 275ھ)، امام نسائی (متوفی 303ھ)، امام ابن ماجہ (273 متوفی ھ)۔

جبکہ اس کے برعکس روافض کی چار احادیث کی مشہور کتابوں میں سے دو کتابیں چوتھی صدی میں اور دو کتابیں پانچویں صدی میں لکھی گئیں۔

Do You Know ?

ہم برصغیر اور دنیا بھر کے کروڑوں (حنفی) امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ آپ (امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ) تابعی ہیں، تابعی وہ ہوتا ہے جس نے حالتِ ایمان میں کسی صحابی کی زیارت کی ہو، آپ (امام اعظم ابو حنیفہ) نے 7 سے زائد صحابہ کرام کی زیارت کی [1] اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے احکام دین سیکھے، اب آپ ذرا سوچیں ! ، دین کی ٹھیک ترجمانی ایک ایسی ہستی کرے گی جنہوں نے صحابہ کرام کو دیکھا اور اُن سے دین سیکھا یا آج 1400 سال بعد کوئی شخص کرے گا؟۔ یقیناً امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم جیسے ہستیوں کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص

1 (نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج1، ص170، فرید بک سٹال، لاھور)

آج 1400 کے بعد کسی نیم محقق خطرہ ایمان کی نت نئی تحقیقات کی پیروی کرے گا اُس سے بڑا احمق اور اپنی دین و دنیا کا دشمن کوئی نہ ہو گا۔

تو اے دوست! جب تم ان حقائق کو جان چکے اور اجماعِ اُمت پر فرامین مصطفیٰ ﷺ کو پڑھ چکے، اور قربِ قیامت کے ان جدید فتنوں کی نشانیاں بھی معلوم کر چکے تو اب تمہیں اختیار ہے کہ اپنے نفس کا لحاظ کرتے ہوئے اسلاف کی پیروی کرو اور مسلمانوں کے چودہ سو سالہ عقائد و نظریات کو اپنا کر ان بزرگوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑے رہو یا الحاد کے گھوڑے پر سوار ہو کر پچھلے لوگوں کی طرح دھوکے کی رسی سے لٹکے رہو۔

مذاہبِ اربعہ پر بدمذہبوں کا ایک اعتراض

بدمذہب غیر مقلدین حضرات عام عوام کو اہلِ سنت سے متنفر کرنے کے لیے ایک دجل و فریب یہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں "کہ دیکھیں سُنی حضرات قرآن و حدیث کو ماننے کے بجائے مذاہبِ اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) پر عمل پیرا ہیں، یعنی یہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید کرتے ہیں اور تقلید شخصی کرنا حرام و شرک وغیرہ ہے۔

غیر مقلدین کا ایسا کہنا سوائے دھوکا دہی کے اور کچھ نہیں۔ یہ بات کسی بھی صاحبِ عقل شخص پر مخفی نہیں کہ ہر شخص اس بات کی اہلیت نہیں رکھتا کہ وہ قرآن و حدیث سے مسائل اخذ کر سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [1]

" تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے"

علامہ محمد ظفر قادری لکھتے ہیں: "اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ خود ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ مسائل جن کو سمجھنے یا قرآن سے اخذ کرنے کی تمہارے اندر صلاحیت نہیں اہل علم و مجتہدین

---

1 (الانبیاء، آیت7)

سے پوچھو کیونکہ عام آدمی میں اتنی استعداد نہیں ہوتی کہ وہ ہر مسئلہ قرآن وحدیث سے آسانی کے ساتھ مستنبط کر سکے لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ کسی قرآن وحدیث کے اندر کامل مہارت رکھنے والے کلامِ الٰہی اور فرمان رسول ﷺ کے رموز واسرار سے واقفیت رکھنے والے مجتہد کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ان کی اتباع و پیروی کرے اسی کا نام تقلید ہے۔"

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ "اس آیت سے تقلید کا وجود ثابت ہوا کیونکہ جو چیز معلوم نہ ہو وہ جاننے والے سے پوچھنا لازم ہے۔ لہٰذا غیر مجتہد کو اجتہادی مسائل مجتہدین سے پوچھنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے انہیں خود اجتہاد کرنا حرام ہے"

ہم اہل سنت اسی لیے شرعیہ احکام جیسے وضو وغسل، نماز و روزہ، نکاح وطلاق کے مسائل میں ان مجتہدین کی اطاعت (یعنی تقلید) کرتے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کے دور میں تقلید کا عام رواج تھا اور عام لوگ اپنے متعمد فقیہ صحابی کے قول کو دوسرے صحابی کے قول پر ترجیح دے کر اس کی اطاعت و پیروی کرتے۔ اہلِ مکہ حضرت ابن عباس کے قول کو ترجیح دیتے اور اہلِ مدینہ اپنے مسائل میں حضرت زید کی تقلید کیا کرتے تھے۔ اسی طرح محدثین کرام امام ترمذی، امام ابو داؤد، امام مسلم وغیرہ، حضرات بھی مقلد ہیں اور امام بخاری وغیرہ مقلدوں کے شاگرد کیونکہ یہ تمام محدثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابو داؤد وغیرہ سب کے سب شافعی ہیں اور امام شافعی کی تقلید کرتے ہیں۔

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول قاسمی دام ظلہ مقالات میں "عقد الجید و مرام الکلام" کے حوالے سے لکھتے ہیں: "مذاہبِ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کو اختیار کرنا لازم ہے، مذاہبِ اربعہ سے خروج سواد اعظم (اہلِ سنت و جماعت) سے خروج ہے اس پر پوری امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے"۔ (1)

ضروری وضاحت : جو شخص جس امام کی تقلید کرتا ہے اسے اس بات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ہم حقیقت میں قرآن و سنت پر ہی عمل کر رہے ہیں اور اپنے امام کی تقلید اس

---

1 (مقالات قاسمی، ج2، ص27، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، لاہور)

لیے کرتے ہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو منظم اور آسان فہم کر کے ہم تک پہنچائے ، کیونکہ شریعت نافذ کرنے والا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہیں امام تو ایک مبلغ ہے۔ اسی لیے عقائد و صریح احکامات میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ لہٰذا ہر شخص کے لیے ضروری ہے وہ کسی امام کی تقلید و پیروی کرے کیونکہ زمانے و حالات کے بدلنے سے نت نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں جن کا قرآن و حدیث سے صراحت کے ساتھ ثبوت نہیں ملتا اور ایسے مسائل کے حل کے لیے قرآن و حدیث کے رموز و اسرار سے واقفیت رکھنا ہر شخص کے لیے ممکن نہیں۔ لہٰذا عوام الناس پر لازم ہے کہ وہ مجتہدین کی تقلید و پیری کریں۔

فقہاء کرام کا اس بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ اصول اجتہاد وضع کرنے کی ضرورت ختم ہو گئی ہے لہٰذا اب اگر کوئی شخص اجتہاد کرنا چاہے گا تو آئمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ ، امام شافعی ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی امام کے اجتہادی اصولوں کو سامنے رکھ کر اجتہاد کرے گا۔ (کیونکہ اگر آج ہر دوسرا شخص اپنے اصولِ اجتہاد وضع کرنا شروع کر دے تو ہر کوئی اپنی تحقیق پیش کرے گا اور اس سے (discipline) قائم نہ رہ سکے گا اور امت میں انتشار پھیلے گا۔ جیسے فی زمانہ بہت سے نام نہاد مجتہدین منظرِ عام پر آئے ہیں اور بہت سے دینی احکامات کا انکار کر بیٹھے ہیں)۔ [1]

آئمہ اربعہ کا اختلاف :

غیر مقلدین کے ساتھ لبرل حضرات جن کا وطیرہ ہی اہلِ اسلام پر طنز و مذاق کرنا ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو دین سے بیزار کرنے کے لیے ایک اعتراض یہ اٹھاتے ہیں کہ جب اہلِ اسلام ہی اپنے دینی معمولات میں ایک طریقے پر متفق نہیں تو ہم کیسے کسی کی پیروی کر سکتے ہیں۔ ان کا یہ اعتراض لاعلمی و جہالت پر مبنی ہے اور ان کی باطنی خباثت ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ یہ بات تو بلکل واضح ہے جیسے پیچھے بیان ہوا کہ عقائد و صریح احکامات میں نہ اہلِ اسلام (سوادِ اعظم) کا اختلاف ہے اور نہ ہی اس میں کسی کی تقلید جائز ہے۔ اور بات رہی بعض فقہی

---

1 (ماخوذ حق پر کون، تقلید کی بحث، ص262-279، اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی)

مسائل میں اختلاف کی تو یہ اہلِ اسلام کے لیے رحمت ہے۔

مفسر قرآن شارح بخاری و مسلم علامہ غلام رسول سعیدی علیہ رحمہ لکھتے ہیں: یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ آئمہ اربعہ یعنی "امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ، امام مالک، امام شافعی ،امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیھم یہ تمام آئمہ کرام مسلک اہلسنت وجماعت کے حامل تھے۔ سواد اعظم کی اکثریت انہیں کے ساتھ تھی۔ اصول و فروع میں یہ تمام آئمہ متفق تھے، بعض فقہی جزئیات میں ان آئمہ کرام کا اختلاف تھا۔ یہ اختلاف بالکل نیک نیتی کے ساتھ تھا۔ یہ وہی اختلاف ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا:

" اختلاف امتی رحمة"

(میری امت کا اختلاف رحمت ہے)

اس اختلاف کا ایک عام سبب یہ تھا کہ ہر امام کا ایک الگ اصول تھا۔ مثلاً ایک مسئلہ میں اگر متعدد، مختلف اور متعارض احادیث وارد ہوں تو اس صورت میں ☆ امام شافعی قوت سند کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں۔ ☆ امام مالک اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جس پر اہلِ مدینہ کا تعامل ہو۔ ☆ امام احمد بن حنبل ایسی صورت میں متقدمین کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہیں ☆ اور امام اعظم ابو حنیفہ ایسی صورت میں تمام متعارض احادیث کو سامنے رکھ کر منشاء رسالت تلاش کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو ایسی صورت اختیار کرتے ہیں جس میں تمام متعارض احادیث جمع ہو جائیں اور ہر حدیث کا الگ الگ محل متعین ہو جائے"۔[1]

1 (مقالات سعیدی، ص235،فرید بک سٹال،لاہور)

والدین اور تربیتِ اولاد

آج کے اس بے راہ روی کے دور میں جہاں مسلمان علمی و عملی طور پر کمزور ہو چکے ہیں، وہیں دورِ حاضر کے الحادی فتنے، سیکولر ازم و لبرل ازم کی وبا مسلمانوں کی ایمانی حرارت کو سرد کرنے کے لیے ہر ممکن حربہ اپنائے ہوئے دین اسلام کی حقیقی صورت مسخ کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ ایسے میں اگر والدین اپنی نسلوں کی تعلیم و تربیت کا مناسب بندوبست نہ کریں گے تو یقیناً یہ اولاد نہ صرف دنیا میں والدین کی نافرمانی و بے راہ روی کا شکار ہو گی بلکہ بروزِ قیامت بھی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ندامت و حسرت کا سامنا ہے۔ لہٰذا والدین کے لیے لازم ہے کہ وہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا مناسب بندوبست کریں تاکہ ہمارے بچے دنیا میں بھی کامیاب ہوں اور اُخروی زندگی میں بھی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہو سکیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بدایونی حفظہ اللہ بچوں کی دینی تربیت کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں " ڈاکٹر اور نوراں کا مقالمہ " لکھتے ہیں :

"میں کوئی ویکسین وغیرہ نہیں لگواؤں گی اپنے بچے کو، نوراں نے اپنے بچے کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

دیکھو نوراں ! یہ خسرہ، ٹی بی، نمونیہ یہ سب بیماریاں بچے کے لیے سخت نقصان دہ ہیں بلکہ بچے کی جان کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر حمیرا نے نوراں کو پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

ارے میرا مرد کہتا ہے یہ سب ڈاکٹرنیوں کی ڈرامے بازی ہے۔ نوراں بے چاری کا بھی کیا قصور ! وہ گاؤں سے کچھ دن پہلے ہی شہر آئی تھی اور یہاں بھی بھکاریوں کی بستی میں ایک جھونپڑی میں رہتی تھی۔ جس نے جو بتایا وہ سمجھ لیا۔۔۔

نوراں ایک بات بتاؤ ! ڈاکٹر حمیرا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

جی ڈاکٹرنی صاحبہ پوچھو۔

اچھا چلو نہیں لگاتے تمہارے بیٹے کو کوئی ویکسین اب اگر یہ بیمار ہو گیا تو پھر کیا کرو گی؟
نوراں کو کچھ اطمینان ہوا کہ اب ڈاکٹر اس کے بیٹے کو ویکسین نہیں دے گی تو اس نے بچے پر اپنی گرفت کم کر دی اور کہا جب وہ بیمار ہو گا تو میں تیرے پاس لے آؤں گی۔
لیکن اس وقت تمہارے بیٹے کو یہ ویکسین کوئی فائدہ نہیں دے گی (مگر یہ کہ اللہ چاہے تو)۔۔۔ ویسے بھی آج کل تو آئے روز نئی بیماری جنم لے رہی ہے۔۔۔ یہ ویکسین نہایت ضروری ہے۔ڈاکٹر حمیرا نے سمجھایا۔
کیوں نہیں دے گی فائدہ ڈاکٹرنی پھر یہ ہسپتال کیوں کھولا ہے؟ دوا کیوں بنائی ہے اور تم ڈاکٹر کس کام کے ہو ؟ نوراں تو ایک دم ہتھے سے اکھڑ گئی۔

☆اب ایک سوال آپ سب والدین سے ۔۔۔

نوراں سمجھدار ہے یا بے وقوف؟

آپ سب کہیں گے بالکل بے وقوف ہے۔بچے کی زندگی کا رسک لے رہی ہے۔اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے ڈاکٹر کی بات مان لینی چاہیے۔۔۔

کیوں مان لینی چاہیے؟

کیوں کہ آپ سب جانتے ہیں کہ یہ ویکسین بچپن میں ہی اثر انداز ہوتی ہیں۔(قطع نظر ویکسین کے حوالے سے مختلف آراء کے) بڑے ہو کر ان ویکسین کا اثر بالکل نہیں ہونا۔

اب ذرا سوچئیے ! یہ کیسے ممکن ہے ہم اپنے بچوں کو بچپن میں اعلیٰ اخلاق نہ سکھائیں۔۔۔ انہیں دین نہ سکھائیں۔۔۔ انہیں محبت رسول ﷺ کا درس نہ دیں انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جام نہ پلائیں اور چاہیں کہ ہمارے بچے دنیا میں بھی کامیاب ہوں اور آخرت میں بھی کامیاب ہو جائیں۔۔۔۔ان پر لبرل ازم کا وائرس اٹیک نہ کرے۔۔۔ انہیں الحاد کی بیماری چھوئے بھی نہیں۔۔۔ انہیں سیکولر ازم کے جراثیم فکری بیمار نہ کریں۔۔۔ اور گمراہیت کے کسی گڑھے میں گر کر یہ ہلاک بھی نہ ہوں۔

دیکھو قرآن کیا کہہ رہا ہے ؟

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ [1]

ترجمہ کنزالعرفان: " اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اس پر سختی کرنے والے، طاقتور فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

کیا گوارا کریں گے آپ اپنی جانوں اور اور اپنی اولاد کو جہنم کی آگ کے سپرد کر دیں؟

نہیں نا !!!

پھر آج ہی سے کوشش کیجیے اپنے بچے کو قرآن و حدیث کی تعلیمات دیں۔ اسے اس بے راہ روی کے دور میں جب کہ فتنوں کی بارش ہو رہی ہے اور ہم نوراں کی طرح غفلت کا شکار ہیں فکری ماہرین یعنی علماء سمجھا رہے ہیں اپنی اولاد کو دینی تعلیم دیجیے۔ اسے اعلیٰ اخلاق کی اسلامی ویکسین دیجیے تا کہ یہ فتنوں کی فکری بیماری سے بچ سکے مگر ہم نوراں کی طرح فکری طبیبوں کی بات ماننے کو تیار نہیں ہیں۔۔۔[2]

(اللہ عزوجل ہم سب کو فکرِ آخرت عطا فرمائے، اپنے پیارے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صدقے ہماری نسلوں کو نیک صالح بنائے، ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں نصیب فرمائے۔ آمین !)

1 (التحریم، آیت 6)

2 (سنہری فہم القرآن، ج 4، ص 48، منارہ نور بکس، کراچی)

اسلام اور فلسفہ جہاد

کشمیر، فلسطین ، شام اور پوری دنیا کی
مسلمان بہنوں، بیٹیوں اور جوانوں کے نام

جو اپنے اپنے خطے میں صبر واستقلال کے ساتھ کفار کے ظلم و ستم
برداشت کرنے کے باوجود بڑی جرأت و بہادری سے
کلمہ حق بلند کیے ہوئے ہیں۔

اسلام اور فلسفہ جہاد

اسلامی تعلیمات (قرآن واحادیث کے مطالعہ) سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہاد اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ یہ محض قتال جنگ یا دشمن کے ساتھ دنیاوی مال و دولت کے لیے محاذ آرائی کا نام نہیں بلکہ اس کا مقصد پوری دنیا کے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے اس آخری پیغام (اسلام) کو پہنچانا اور دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا ہے اور وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ [1] پر عمل کرنا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ [2]

ترجمہ کنزالعرفان: تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں ناپسند ہو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

اور ارشاد فرمایا :

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ [3]

ترجمہ کنزالعرفان : "اور ان کے لیے جتنی قوت ہو سکے تیار رکھو اور جتنے گھوڑے باندھ سکو تاکہ اس تیاری کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور جو اُن کے علاوہ ہیں انہیں ڈراؤ، تم انہیں نہیں جانتے اور اللہ انہیں جانتا ہے اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی"۔

---

1 سورۃ انفال آیت 39 : وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ ترجمہ کنزالعرفان: اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے۔

2 (البقرہ، آیت 216)

3 (انفال، آیت 60)

پیارے آقا ﷺ کا محبوب ترین عمل :

جہاد سے متعلق فرمانِ مصطفیٰ ﷺ کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، چنانچہ ذیل میں 3 فرامینِ مصطفیٰ ملاحظہ کیجیے :

(1) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : " قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ایسا نہ ہوتا کہ مسلمانوں کے دل آزردہ ہوتے کہ میں ان کو چھوڑ کر جہاد پر چلا جاتا اور مجھے اتنی سواریاں بھی میسر نہیں کہ سب کو ساتھ لے جاؤں تو میں جہاد پر جانے والے کسی بھی لشکر سے پیچھے نہ رہتا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ و قدرت میں میری جان ہے میری ضرور یہ تمنا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کروں اور شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں (پھر جہاد کروں) پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں (پھر جہاد کروں) پھر شہید کیا جاؤں "۔[(1)]

اللہ اللہ جانِ جاناں حضور خاتم النبیین ﷺ کا جذبہ جہاد اور خواہشِ شہادت۔ سبحان اللہ !

(2) اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا : " جو شخص اس حال میں وفات پا گیا کہ نہ تو اس نے جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کا شوق پیدا ہوا، تو ایسا شخص نفاق (منافقت) کے ایک شعبہ پر فوت ہوا "۔[(2)]

(3) اور پیارے آقا حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا : " میری دو باتیں ہیں ، جو انہیں پسند کرتا ہے وہ مجھے پسند کرتا ہے جو انہیں بُرا سمجھتا ہے وہ مجھے برا سمجھتا ہے۔ (وہ باتیں) فقر اور جہاد (ہیں)۔[(3)]

جہاد کی فرضیت کیوں ہوئی : امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : " صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر حضور تاجدار ختم نبوت ﷺ کی معیت میں جہاد کرنا فرض عین تھا ، پھر جب شریعت حقہ مضبوط ہو گئی اور قرار پکڑ گئی تو جہاد فرض کفایہ ہو گیا "[(4)]

---

1 (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الجہاد والخروج، ج 2، ص 631، حدیث 4836، فرید بک سٹال، لاھور)

2 (سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب کراھیۃ ترک الغزو، ج 2، ص 196، حدیث 2141، فرید بک سٹال، لاھور)

3 (مکاشفتہ القلوب، ص 239، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

4 (تفسیر ناموسِ رسالت، ج 2، ص 82، مکتبہ طلعہ البدر علینا، لاھور/ تفسیر القرطبی)

اس سے پتہ چلا جہاد کی فرضیت ہی شریعتِ حقہ کو مضبوط کرنے کے لیے ہوئی ہے، یعنی جب جب دینِ اسلام کے خلاف دینِ دشمن کے ظلم وجبر اور سازشوں کی آندھیاں چلیں تب تب جہاد فرض ہو جائے گا۔ جہاد اسلامی حکومت کی جانب سے ایک منظم کوشش کا نام ہے ، آج امت کے حالات کو دیکھا جائے تو ہر طرف مسلمان تباہ حال ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک طرف یہود و نصاریٰ دین اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں تو دوسری طرف ہمارے درمیان موجود لبرل اور سیکولر حضرات دین اسلام کے معاشرتی وسیاسی پہلو کا انکار کر کے دینِ اسلام کی بنیاد ڈھانے پر تُلے ہیں۔ اغیار کے زہر آلود نظریات کو اپنا کر اور انہیں مسلمانوں کی نظر میں خوش نما بنا کر ماضی میں ہم سلطنتِ عثمانیہ کو پارہ پارہ ہوتے دیکھ چکے ہیں، یہ وہ سازش تھی جو یہود و نصاریٰ کی طرف سے مسلمانوں کی اجتماعیت کو توڑنے کے لیے کی گئی جس کے بعد اُمت مسلمہ آج تک سنبھل نہیں سکی۔ اُمت کی اس تباہ حالی کے باوجود ہمارے حکمران جہاد کے مقدس فریضہ کو انجام دینے اور غلبۂ دین کی بات کرنے کے بجائے، اغیار کے سامنے خود کو امن پسند ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کا اسلحہ واسباب ہونے کے باوجود لٹتی اور کٹتی امت مسلمہ کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ اللہ ان حکمرانوں کو مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے عملی اقدامات کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارے پیارے آقا حضور رحمتہ للعالمین ﷺ نے پوری زندگی میں حج اور عمرے تین چار کیے، مگر جنگیں 27 لڑیں اور 56 معرکوں میں صحابہ کرام کو روانہ فرمایا اور اب امتِ مرحوم حج پہ حج اور عمرے پہ عمرہ کیے جارہی ہے، لیکن جہاد کی کوئی فکر نہیں۔۔۔!!

ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تُو بھی!
کہ اس جَنگاہ سے میں بن کے تیغِ بے نیام آیا
یہ مِصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں، جب وقتِ قیام آیا

(علامہ اقبال)

مستشرقین کے اعتراض کا جواب :

مستشرقین (غیر مسلم مفکر) اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن میں حکمِ جہاد ظلم و بربریت کا حکم دیتا ہے اور مسلمان جہاد کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے جیسے اوپر بیان ہوئی کہ اسلام کا فلسفہ جہاد دنیا بھر میں امن قائم کرنے، باطل ادیان پر دین حقہ اسلام کو غالب کرنے کا نام ہے اور ہمارے آقا و مولا حضور خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمیں جہاد سے متعلق جو اصول و ضوابط فراہم کیے ہیں (جنھیں ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں) اُس سے مستشرقین کے ان باطل اعتراضات کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

اسلامی جہاد کا ضابطہ :

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول قاسمی مدظلہ العالی لکھتے ہیں :

اسلامی جہاد کا ضابطہ یہ ہے کہ سب سے پہلے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ جسے اسلام کی دعوت ہی نہ دی گئی ہو اسکے خلاف جنگ کرنا منع ہے۔ اگر وہ اسکے لیے تیار ہو جائیں تو پھر بھی ان کے خلاف جنگ کرنا منع ہے، (اسی طرح اگر کفار جذیہ دے کر رہنا قبول کر لیں تو پھر بھی ان سے جنگ کرنا منع ہے)۔ لیکن اگر وہ اس بات کے لیے بھی تیار نہ ہوں تو اب ان کے خلاف باقاعدہ جنگ لڑی جائے گی۔

ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اللہ کے دین کے علاوہ تمام ادیان محض فتنہ اور فساد ہیں۔ اور فتنے کو ختم کرنا ایسے ہی ہے جیسے سانپ، بچھو اور پاگل کتے کو مار دینا۔ تمام مسلمان اقوام (اور غیر مسلموں) نے اپنے اپنے ممالک میں فتنہ و فساد ختم کرنے کے لیے قتل، پھانسی اور قید کی سزاؤں کا قانون نافذ کر رکھا ہے۔ یہی نظام اللہ کریم نے اپنی وسیع سلطنت میں وسیع پیمانے پر نافذ کر دیا ہے، جس کا نام "جہاد" ہے۔ اسلامی جہاد میں عورتوں بچوں، بوڑھوں کو مارنا اسی لیے منع ہے کہ یہ فتنہ نہیں پھیلا سکتے۔ لیکن اگر عورت کفار کی حکمران ہو تو اب اسے مارنا جائز ہے، اس لیے کہ اب وہ فتنہ پھیلا رہی ہے، (اسی طرح اسلامی جہاد میں چرچ میں محصور پادریوں، کھیتوں میں موجود کسانوں، کفار کے تاجروں جو براہ راست جنگ میں ملوث نہیں ان کو قتل کرنا منع ہے، درخت کاٹنا منع ہے، کفار کے گھروں میں داخل ہونا منع ہے)۔

ثانیاً اسلامی جہاد سے ملتا جلتا حکم آج بھی بائیبل (bible) میں موجود ہے۔[1]
بائیبل (کتاب استثناء، باب 20: 9-15)، (کتاب سموئیل اول، باب 17، 1:58) ملاحظہ ہوں ۔ بائیبل میں یہ واضح جہاد کا ذکر ہوتے ہوئے عیسائی مستشرقین کا اسلام کے حکم جہاد پر اعتراض کرنا مضحکہ خیز ہے۔

ان سے بڑھ کر دہشت گرد کون :

آج تک پوری دنیا میں سب سے زیادہ دہشت گردی عیسائیوں نے کی ہے۔ دور کی باتیں چھوڑیئے صرف پہلی جنگ عظیم میں تقریباً دو کروڑ انسان مارے گئے۔ اور دو کروڑ سے زائد فوجی زخمی ہوئے۔[2]
دوسری جنگ عظیم میں تقریباً ساڑے تین کروڑ سے زائد انسان قتل ہوئے۔ جنگِ عظیم کے بعد مختلف بیماریوں اور قحط سے مرنے والوں کی تعداد الگ ہے۔[3]
ہیروشیما اور ناگاساکی میں لاکھوں انسانوں کو ایٹم بم کے ذریعے اڑا دیا گیا، امریکہ اور ویت نام کی جنگ میں دس لاکھ انسان مارے گئے۔[4]
1861 سے 1865 تک جاری رہنے والی امریکی خانہ جنگی میں تقریباً ایک کروڑ انسان قتل ہوئے۔ چند سال قبل امریکہ نے عراق پر مجموعی طور پر دوسری جنگِ عظیم سے بھی زیادہ بارود پھینکا۔ (اسی طرح امریکہ کی پشت پناہی میں اسرائیل کی جانب سے فلسطینیوں پر ظلم کی داستان رقم کی گئی، جو اب بھی جاری ہے)۔
لہٰذا محض زبان سے انسان دوستی کا دم بھرنا بغل میں چھری منہ میں رام رام کے سواء کچھ نہیں۔[5]

---

1 (مقالاتِ قاسمی، ج 2، ص 80، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، لاھور)
2 (world war 1 death centre robert schuman report)
3 (https://en.wikipedia.org/wiki/World_War_II_casualties)
(deaths-world-war nationalww2museum.org)
4 (https://www.britannica.com/event/Vietnam-War)
5 (مقالاتِ قاسمی، ج 2، ص 82، رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز، لاھور)

اہلِ اسلام کا جنگی ریکارڈ :

یہ تھی کفار کی بربریت اب اسلام کا غیر خونی انقلاب دیکھیں۔
اگر ہم کتب سیرت کی ورق گردانی کریں اور نبی کریم ﷺ کی جہادی سرگرمیوں کو دیکھیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہیں کہ آپ ﷺ نے دفاعی اور اقدامی طور پر جہاد فرمایا۔ ان مہموں میں سوائے چند ایک کے تمام اقدامی جہاد تھے۔ ان غزوات (جن میں رسول اللہ ﷺ نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی) اور سرایا (جن مہموں میں صرف صحابہ کرام کو بھیجا) کی تعداد 80 سے زائد ہے، جن میں 27 غزوات اور 56 سرایا ہیں[1]۔ ان غزوات و سرایا کے مقاصد درج ذیل تھے :

☆ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا تعاقب اور ان کی تادیب ☆ دشمنوں کا تعاقب ☆ تبلیغ اسلام
☆ مقامی و شخصی واقعات ☆ دشمن کو مرعوب کرنا ☆ دفع خطرات ☆ بت شکنی
☆ دشمنوں کی سرگرمیوں سے آگاہی حفظ ماتقدم ☆ گستاخوں کے قتل کے لیے
☆ دشمن سے کھلی جنگ [2]

ان 80 سے زائد چھوٹے بڑے جنگی معرکوں میں شہید ہونے والے صحابہ کی کُل تعداد 259 اور قتل کیے جانے والے کافر جن میں چور ڈاکو وغیرہ بھی شامل ہیں ان کی تعداد صرف 900 تھی۔ اور فتح ہونے والے علاقے کا رقبہ تقریباً 10 لاکھ مربعہ میل تھا[3]۔ آپ ﷺ نے زیادہ تر جنگی قیدیوں کو جنگوں کے فوراً بعد رہا کر دیا اور باقی کچھ کی رہائی کا فدیہ بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا تھا۔ کسی کی لاش کا مثلہ کیا نہ کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کیے۔ ان تاریخی اعداد و شمار اور جنگی قوانین وضوابط کے بعد کیا کوئی شخص اسلام پر دہشت گردی کی تعلیم کا لیبل لگا سکتا ہے؟۔
کہاں کفار کی ظلم و بربریت کی داستانیں اور کہاں مسلمانوں کا جنگی ریکارڈ ---
افسوس اس سب کے باوجود ہمارے حکمران اور بعض دینی پیشوا (علمائے سوء) مغربی آقاؤں کے سامنے خود کو امن پسند ثابت کرنے کے لیے اسلام کے فلسفہ جہاد ہی کا انکار کر دیتے ہیں۔

---

1 (ماخوذ اسلام کا تصور جہاد، ص17، دار الکلام، ادارہ اسلامی فکر و تحقیق، گجرات)
2 (اذانِ حجاز، ص 565، مکتبہ طلع البدر علینا، لاہور)
3 (اذانِ حجاز، ص 567، مکتبہ طلع البدر علینا، لاہور)

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جنابِ شیخ کو معلوم کیا نہیں ؟
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سُود و بے اثر
تیغ و تفنگ دستِ مسلماں میں ہے کہاں
ہو بھی، تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اُسے کہ مسلماں کی موت مر
تعلیم اُس کو چاہیے ترکِ جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر
باطل کے فال وفر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زِرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر
ہم پوچھتے ہیں شیخِ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ ، یورپ سے در گزر !

موجودہ دور میں جب کشمیر میں خون کی ندیاں بہائی جارہی ہوں ، ہزاروں مسلمان بیٹیوں کی عصمت دری کی جارہی ہو۔ عراق میں لاکھوں لوگوں کو شہید کر دیا جائے۔ افغانستان میں مسلمانوں کو کنٹینروں میں بند کر کے آگ پر دانوں کی طرح بھون دیا جائے۔ شام و فلسطین کے در و دیوار کو کیمیائی ہتھیاروں و اسلحہ سے چھلنی کر دیا جائے۔ برما میں مسلمانوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کے کباب بنا کر کھائے گئے اور وحشی درندوں اور پرندوں کو کھلائے گئے اور ہمارے قبلہ اول میں یہودی داخل ہو گئے۔ (یہ مناظر انٹرنیٹ پر موجود ہیں)۔ان سب کے

بعد کیا کوئی مسلمان یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ان ظالموں کے خلاف جہاد کرنا لوگوں کو مروانے والی بات ہے؟۔ اس سب کے بعد تو یہ فکر ہونی چاہیے تھی کہ بروزِ محشر رب تعالیٰ نے ہم سے پوچھ لیا کہ جس وقت دنیا بھر میں میرے بندوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے اُس وقت تمہاری قوت و اسلحہ کہاں تھا جو ہم نے تمہیں عطا کیا تھا؟۔ آج دنیا کے مظلوم مسلمان ہم پر نظریں جمائے بیٹھے، ہمیں مدد کے لیے پکار رہے ہیں۔ لیکن افسوس ہمارے صاحبِ حکمران اقتدار کے نشے میں گم یورپ کے سامنے خود کو امن پسند ثابت کرنے کے لیے اپنی آخرت سے بے پرواہ ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے :

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا [1]

ترجمہ کنزالعرفان : "اور تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کے راستے میں نہ لڑو اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر (نہ لڑو جو) یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس شہر سے نکال دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنادے اور ہمارے لئے اپنی بارگاہ سے کوئی مددگار بنادے"۔

اور مسلمانوں کو جنگ میں اللہ کی مدد و نصرت کا یقین دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ [2]

ترجمہ کنزالعرفان: " اور مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے "

اور ارشاد فرمایا : یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ [3]

ترجمہ کنزالعرفان : "اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا "

---

1 (النساء،آیت75)

2 (الروم، آیت47)

3 (محمد،آیت7)

اور ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ ۚ اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا ۚ (1)

ترجمہ کنزالعرفان : " ایمان والے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کفار شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے دوستوں سے جہاد کرو بیشک شیطان کا مکر و فریب کمزور ہے "

اور رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ (2)

ترجمہ کنزالعرفان:" اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے"

مگر وہ لوگ جو اپنی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی خود امریکہ کے حوالے کر کے امریکی ڈالر لیں۔ اُنہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اُمت کا کیا احساس ہو سکتا ہے؟۔اور جن دانشوروں کی نظر صرف ظاہری اسباب پر ہوتی ہے انہیں یہ بات ضرور سوچنی چاہیئے کہ اگر سارا مدار معیشت پر ہی ہوتا تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میدان بدر میں تشریف لے جانے سے قبل اہلِ مکہ کے مقابلے میں معیشت کھڑی کرتے، اسی طرح قیصر و کسریٰ سے جہاد بعد میں ہوتے پہلے ان کے مدمقابل معیشت لائی جاتی لیکن جن کے دماغوں پر سیکولرازم کا خبط سوار ہو اُنکے لیے یہ باتیں اور رب تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ پاک میں کیے گئے وعدے معنی نہیں رکھتے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

اللہ کو پامردیِ مومن پہ بھروسا
اِبلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
دنیا کو ہے پھر معرکۂ رُوح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درِندوں کو اُبھارا

---

1 (النساء، آیت76)

2 (اٰل عمران، آیت160)

دِیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

خارجہ پالیسی اور داخلہ پالیسی میں ترجیحات قائم کرنے پر کسی بھی حکمران کی کامیابی کا دارومدار ہے،(لیکن) سب سے پہلے پاکستان؟ یا سب سے پہلے اسلام؟ زیادہ محترم امریکہ اور یورپ یا ان سے محترم مسلمان۔ ہم نے ان باتوں پر بحیثیت مسلمان غور کرنا ہے یا بحیثیت سیکولر حکمران؟ کونسا موقع ہے جب ہم نے زندگی کو ترجیح دینا ہے اور کونسا موقع ہے جب ہم نے موت کو ترجیح دینا ہے؟ ان سارے کاموں میں مناسب ترجیح دینا آکسفورڈ کے پڑھے ہوئے اور کرسچین مشنری سکولوں کے تعلیم یافتہ حکمرانوں کے بس کا کام نہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان ظالم کافروں کی زجر و توبیخ کے لیے اور مظلوم مسلمانوں کو ان کے تسلط سے نجات دلا کر اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے اپنے تمام اسباب و علل اور تدبیروں کو یکجا کر کے ان کافروں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ اس کا حکم دیا ہے۔ اور یہی جہاد کی اصل ہے۔

اسی میں مقتولوں (شہیدوں) کے لیے دائمی عزت و ثواب کا وعدہ ہے، کون کہہ سکتا ہے اس قسم کی لڑائی زیادتی و ناانصافی پر مبنی ہے، کون دعویٰ کر سکتا ہے اس قسم کی لڑائی قانون و قدرت کے منافی ہے، کون کہہ سکتا ہے اس لڑائی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی، فلاح اُخروی اور مظلوم و مجبور مسلمانوں کی امداد کے علاوہ کچھ ہے۔ کیا دنیا بھر کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کو بغیر طاقت کے صرف امن پسندی کی تقریر سے روکا جا سکتا ہے؟، اگر ایسا ہو سکتا تو کشمیر کی آزادی کے لیے امن پسندی کی درجنوں تقریریں اور 70 سال سے اقوامِ متحدہ کا طواف کافی ہوتا۔ مگر ہم اپنے محسن کی یہ بات بھول گئے، علامہ اقبال کہتے ہیں :

---

1 (مقالاتِ قاسمی، ج2،ص354، رحمۃللعالمین پبلیکیشنز، سرگودھا)

تُرا نادان امیدِ غم گساری ہاز افرنگ است
دلِ شاھین نسوزد بھرِ آن مرغی کہ درچنگ است

ترجمہ : (اے ناداں! تمھیں کافروں سے غمگساری کی امید ہے ؟)
(حالانکہ شاہین (ظالم) کا دل اُس پرندے پر رحم نہیں کھاتا جو اُس کے شکنجے میں ہوتا ہے)

جذبہ جہاد ناپید کرنے والے عوامل :

سوال تو یہ ہے کہ وہ کونسے عوامل ہیں جس نے امت کے قلوب واذھان میں جذبہ جہاد کو ناپید کر کے انہیں اس قدر بزدل بنا دیا۔ اس مقدس فریضہ پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر اس سے اُمت کے نوجوانوں کو بد ظن کر کے رکھ دیا۔

یہ بات تاریخی حقائق میں سے ہے کہ جب یہود و نصاریٰ نے یہ بات جان لی کہ مسلمانوں کے جذبہ جہاد کے ہوتے ہوئے انہیں مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس مقصد کے حصول کے لیے اُنہوں نے تمام اُن چیزوں کو مسلمانوں سے دور کرنے کی ٹھانی جس سے کوئی شخص نظریاتی مسلمان بن سکتا ہے۔ امریکہ نے مختلف ممالک کے حکمرانوں اور جدید ذہنیت کے اسلامی سکالرز پر اربوں ڈالر کی فنڈنگ کی۔ مختلف اسلامی ممالک کے امداد کے نام پر اُن سے اپنی مرضی کے مطالبات منوائے گئے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ان سازشوں کے تحت پاکستان کے نصابِ تعلیم میں سے سیرتِ رسول ﷺ ، جنگ و جہاد کی آیات، فلسفہ شہادت، صحابہ کرام کے واقعات، مسلمان فاتحین کے حالات اور ہر ایسی بات کو نکال دیا گیا جس سے اسلامی فکرِ جہاد اور اقامتِ دین کے نظریہ کو تقویت ملنا تھی۔ اور پھر پاکستان کے میڈیا چینلز کے ذریعے جو قوم کی ذہن سازی کی گئی اور فحاشی و عریانی کا بازار گرم کر کے قوم کے نوجوانوں پر سے شرم وحیاء کی چادر کو تار تار کر دیا گیا اُس کا انکار کون کر سکتا ہے۔ یہ اغیار کا تسلط ہی تو ہے کہ آج ناموسِ رسالت ﷺ پر کوئی میڈیا چینل غیرت مندانہ رپورٹنگ کرے تو اُسے رولز اینڈ ریگولیشن کی خلاف ورزی کا نوٹس بھجوا دیا جاتا ہے۔ یہ سب وہی سازشی عوامل ہیں جن کی طرف علامہ اقبال نے توجہ دلائی تھی:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حِجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلا کو اُن کے کوہ ودمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے اُن کی روایات چھین لو
آہُو کو مرغزارِ خُتن سے نکال دو

پھر بعض ملکی و غیر ملکی جدید اسلامی مفکر وہ ہیں جنہوں نے اغیار کے ساتھ باہمی دوستی و تعلقات کے سبب اقدامی جہاد کا انکار کر دیا۔ حالانکہ حضور رحمۃ للعالمین کی حیاتِ طیبہ ﷺ میں جو جنگی معرکے ہوئے، اُن میں سوائے چند ایک کے تمام اقدامی جہاد ہی تھے۔ انہی جدید مفکروں کے اس باطل نظریہ کی وجہ سے آج لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اب جہاد کا زمانہ نہیں رہا۔ حالانکہ حضور جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جنگ کرتا رہے گا، وہ لوگوں پر غالب رہیں گے حتیٰ کہ قیامت آجائے گی"۔[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " مجھے قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیا ہے تاکہ اللہ کی ہی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں، میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے رکھا گیا ہے "۔[2]

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اب جہاد کا زمانہ نہیں رہا ان لوگوں کے متعلق بھی حدیث پاک میں حضور خاتم النبیین ﷺ نے پہلے ہی سے اطلاع دی تھی، چنانچہ فرمایا:

"جہاد ہمیشہ میٹھا (پسندیدہ) اور تروتازہ رہے گا جب تک آسمان سے بارش برستی رہے گی

---

1 (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب قولہ لا تزال ...، ج 2، ص 659، حدیث 4931، فرید بک سٹال، لاھور)
2 (مسند امام احمد، روایت ابن عمر، ج 3، ص 294، حدیث 5667، مکتبہ رحمانیہ، لاھور)

اور لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئیگا جب ان میں سے کچھ قرآن پڑھنے والے لوگ کہیں گے کہ یہ جہاد کا زمانہ نہیں ہے، پس جو اس زمانہ کو پائے (تو یاد رکھے کہ) وہی زمانہ جہاد کا بہترین زمانہ ہو گا، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب جہاد کا زمانہ نہیں رہا ؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ یہ بات کہیں گے جن پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہو گی اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی بھی "۔[1]

اسی طرح ایک طبقہ وہ نکلا جس نے اتحاد بین المذاہب اور صوفی ازم کے نام پر اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات کو مجروح کیا اور کہا کہ صوفیا کے طریقے پر چلتے ہوئے جنگ و جدال سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ حالانکہ ہمارے اکابر صوفیا و مشائخ (حضرت حسن بصری ،عبد اللہ بن مبارک، ابراہیم بن ادھم، بایزید بسطامی، حضرت سری سقطی وغیرہ رحمھم اللہ) کا طریقہ یہی رہا کہ اپنے مریدین کو غیرت و حمیت کا درس دیا کرتے اور ان کے ہمراہ جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔[2]

خود بدلتے نہیں ، قُرآں کو بدل دیتے ہیں
ہُوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سِکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

(علامہ اقبال)

☆ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ صوفیا کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :" اے نرم لباس پہن کر عبادت گزاروں میں شامل ہونے والے صوفی! سرحد کو لازم پکڑ، اور وہیں عبادت میں مشغول ہو جا"۔[3]

---

1 (مشارع الاشواق، ص، حدیث 40، دار البشار الاسلامیہ، بیروت، لبنان)

2 (صوفیا کرام کے جہاد فرمانے سے متعلق مفتی ضیاء احمد قادری حفظہ اللہ کی تصنیف "صوفیانہ کرام کی مجاہدانہ زندگی" کا مطالعہ کیجیے)۔

3 (ماخوذ اسلام کا تصور جہاد ، ص 11، دار الکلام، ادارہ اسلامی فکر و تحقیق، گجرات)

☆ پیغامِ حسینیت کے علمبر دار امیر المجاہدین علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وہ شخص جس میں اتنی ہمت و طاقت نہیں کہ تلوار اٹھا سکے، اُسے اس بات کا حق بالکل نہیں پہنچتا کہ وہ سید المجاہدین حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی تلواروں کی ہی نفی کر دے"۔

مسلمانوں کی ذلت کی وجہ :

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " قریب ہے کہ دیگر امتیں جمع ہو کر تمہارے اوپر اس طرح ٹوٹ پڑیں ، جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ تو کسی کہنے والے نے عرض کیا: کیا ان دنوں ہم (مسلمان) قلیل ہوں گے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (نہیں) بلکہ ان دنوں تمہاری تعداد کثیر ہو گی، لیکن تم سیلاب کے پانی پر بہہ کر آنے والے میل سے بھری جاگ کے تودے کی مثل ہو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے سینوں سے تمہارا خوف اور ڈر نکال دے گا اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ تو کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ وہن کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (اس سے مراد) دنیا سے محبت کرنا اور موت کو ناپسند کرنا ہے۔ (1)

موجودہ حالات میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ کا یہ ارشاد حرف بحرف سچ ہے کہ آج امت مسلمہ تعداد کے لحاظ سے کثیر ہے ایک جائزے کے مطابق دنیا میں مسلمانوں کی تعداد (1.8 *billion*) ہے اس لحاظ کے مطابق مسلمانوں کی آبادی دنیا میں 24 فیصد ہے، دنیا میں 195 ممالک ہیں جن میں 57 ممالک ایسے جہاں مسلم آبادی کا غلبہ ہے۔ وافر وسائل سے آراستہ ہے، ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ہے لیکن اس کے باوجود ذلت ورسوائی ان کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ کفر ہر محاذ پر بر سرپیکار ہے اور مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنائے ہوئے ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی آج

1 (سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم، ج3، ص257، حدیث3745، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاهور)

مسلمان دنیا میں رسوا کیوں ہیں ؟ کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کا خون پانی سے بھی سستا ہے اور مسلمانوں میں کوئی پوری جرءت و دلیری کے ساتھ ان ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کے لیے تیار نہیں تو اس کا جواب وہی مسلمانوں کو لاحق بیماری "وہن" ہے جس کی نبی غیب دان حضور خاتم النبیین ﷺ نے پہلے ہی نشاندہی فرما دی تھی (جیسے اوپر حدیث میں ذکر گزرا)۔

موت کا خوف اور معاشی نقصان کی فکر (وہن) ہی ہے جو آج ہمیں دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے طاقت کے استعمال سے روکتا ہے۔ ہر کوئی اپنی دنیا کو بچانے کے لیے کفار کے اشاروں پر قربان اور ترکِ جہاد کیے ہوئے ہے۔

اگر آج امت مسلمہ کفر کے خلاف اٹھ کھڑی ہو تو ان کے باہمی اختلافات میں شدت، فرقہ واریت وغیرہ فوراً دم توڑ جائیں۔ کیا ہم نے ماضی میں دیکھا نہیں؟ کہ جب بھی اس قوم پر کوئی مصیبت (طوفان، سیلاب، زلزلہ، ہجرت وغیرہ) آئی تو یہ قوم ان مصائب کے مقابلے اور مسلمانوں کی مدد کے لیے تمام باہمی اختلافات بھلا کر ایک ہو گئی۔ ہم نے جب کرنے والے کاموں (اقامت دین کی کوشش) کو ترک کر دیا تو غیر ضروری کاموں میں مشغول ہو گئے۔ اگر امت مسلمہ اپنی عظمتِ رفتہ بحال کرنا چاہتی ہے تو ان کے پاس نظامِ مصطفیٰ ﷺ نافذ کرنے اور اسلام کے "فلسفہ جہاد" کو صحیح معنوں میں اپنانے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ جیسے کہ حدیث پاک میں حضور رحمۃ للعالمین جناب خاتم النبیین ﷺ کا واضح ارشاد موجود ہے، فرمایا:

"جب تم بیع عینہ (سودی کاروبار) کرنے لگ جاؤ گے اور تم بیلوں کی دم کو پکڑے کھیتی باڑی (یعنی کاروبار میں) میں مشغول ہو جاؤ گے اور (تَرَکْتُمُ الْجِهَادَ) جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اسے اس وقت تک دور نہیں کرے گا، جب تک اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ گے۔ (یعنی تم پر ذلت اس وقت تک مسلط رہے گی جب تک تم دین کی خاطر جدوجہد "جہاد" دوبارہ شروع نہ کر دو)"۔[1]

---

1 (سنن ابی داؤد، کتاب ،باب فی النہی العینۃ، ج2،ص589،حدیث 3003،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاھور)

علامہ اقبال امت مسلمہ کے زوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر، تونگری سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے، تُو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہُوا
قلندری سے ہُوا ہے، تونگری سے نہیں

رب کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ امت مسلمہ کو عظمت رفتہ پھر سے عطا فرمائے اور دین اسلام کے نور سے ہر سو اجالا فرمائے۔ آمین

جہاد کے فضائل و ترغیب پر چند فرامین مصطفیٰ ﷺ ملاحظہ ہوں

پیارے آقا حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی امت کو جو جہاد کا شوق و ترغیب دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ☆ "ایک دن اور ایک رات سرحد پر پہرہ دینا ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے اور اگر وہ مر گیا (یعنی پہرہ دیتے ہوئے شہید ہو گیا) تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا اس کا رزق جاری کیا جائے گا اور اس کی قبر کو فتنوں سے محفوظ کیا جائے گا"۔ (1)

☆ اور رحمتِ عالم ﷺ نے تیر اندازی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ " کفار کے خلاف زیادہ سے زیادہ قوت حاصل کرو۔ سنو قوت تیر اندازی ہے، سنو قوت تیر اندازی ہے، سنو قوت تیری اندازی ہے"۔ (2)

(سبحان اللہ! نبی غیب دان یہ بات جانتے تھے کہ ایک وقت آئے گا کہ قوت کا مدار پھینکنے والے ہتھیاروں (مزائلوں) پر منحصر ہو گا، اس لیے حضور علیہ السلام نے بار بار ترغیب فرمائی)

☆ اسی طرح ایک حدیث پاک میں آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی ایک تیر کے ساتھ تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ ایک اسے بنانے والا جو اسے بناتے وقت خیر و ثواب کی نیت کرتا ہے، دوسرا اسے پھینکنے والا، تیسرا پھینکنے والے کو (تیر) دینے والا۔ تم تیر اندازی اور شہسواری سیکھو اور تمہارا تیر اندازی سیکھنا میرے نزدیک تمہارے شہسوار بننے کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہے"۔ (3)

☆ اور جانِ جاناں ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے اللہ پر ایمان اور اس کے وعدہ کی تصدیق کی وجہ سے اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) گھوڑا پالا۔ اس گھوڑے کا چارہ، اس کا پانی اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن میزان میں وزن کیا جائے گا"۔ (4)

☆ اور ارشاد فرمایا: "لوگو! دشمن سے مقابلے کی آرزو نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔ لیکن اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر کرو اور خوب جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ (5)

---

1 (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرباط ...، ج2، ص656، حدیث4915، فرید بک سٹال، لاہور)

2 (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی ...، ج2، ص657، حدیث4923، فرید بک سٹال، لاہور)

3 (سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الرمی، ج2، ص201، حدیث2152، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

4 (صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب من احتبس فرساً ...، ج2، ص94، حدیث 2853، فرید بک سٹال، لاہور)

5 (صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب کان النبی اذا لم یقاتل، ج2، ص134، حدیث 2966، فرید بک سٹال، لاہور)

اسلام اخلاق سے پھیلا یا تلوار سے؟

اس سوال کے جواب میں مصنف کتب کثیرہ جناب مفتی ضیاء احمد قادری مدظلہ العالی نے تفسیرِ ناموسِ رسالت جلد دوم میں تفصیلی کلام کیا ہے اور بے دینوں کی منافقت کو خوب عیاں کیا۔ ہم یہاں اسے اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

گزشتہ چند دہائیوں سے لوگوں میں یہ نظریہ پھیلایا جارہاہے کہ اسلام تلوار (یعنی پاور) سے نہیں پھیلا بلکہ صرف اخلاق سے پھیلا ہے۔ آج عام مسلمانوں کے ذہنوں میں اخلاق کی غلط تشریحات بھر کر اُنکی سوچ و فکر کو یکسر تبدیل کر دیا گیا، اور انہیں دین اسلام کے بہت سے احکامات کا منکر بنادیا گیاہے۔ یہ اسلام کی کوہان "جہاد" کو غیر اسلامی فعل اور مجاہدین اسلام کو دہشت گرد جاننے لگے ہیں۔ جتنے بھی انگریز فیکٹریوں کے پرزے تیار ہوئے انہوں نے کفار سے اپنی دوستیوں، نیشنیلٹی اور دیگر لالچوں کے سبب "اسلام کے فلسفہ جہاد" کا انکار کر کے اسلام کی عمارت ڈھادینے میں کفار کی مدد کی اور آج امت کو اس حال تک پہنچا دیا کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کے قتل عام کے باوجود آج کوئی بھی اسلامی ملک مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد کا نام تک نہیں لیتا۔ یہاں ہم اس غلط نظریے کے پیچھے چھپی منافقت سے متعلق لکھتے ہیں۔

بے شک اسلام اخلاق سے پھیلا ہے لیکن یہ دعویٰ غلط ہے کہ تلوار اخلاق کی ضد ہے۔ یہ شبہ اس وقت پیدا ہوا جب حضراتِ علمائے کرام سے پوچھا گیا کہ اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی۔ انہوں نے ایک جامع لفظ اخلاق کا استعمال فرمایا اور جواب دیا کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے۔ لیکن علمائے کرام کے اس قول سے یہ ثابت کرنا کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ تلوار تو اخلاق کی ضد ہے۔ یہ دین کو بگاڑنے اور مسلمانوں کو نہتا کر کے اپنے دشمن کے لیے تر نوالہ بنانے کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ مسلمانوں کی بہادری، جوانمردی، تلوار بازی اور شوق شہادت کے سامنے پوری دنیا کا کفر بے بس ہو چکا تھا اور حالت یہ تھی کہ کفار کے لیے اسلام، موت یا غلامی

کے علاوہ چوتھا اور کوئی راستہ باقی نہیں تھا۔ اطراف عالم میں مسلمان فاتحین پہنچ چکے تھے اور لاکھوں انسان جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت دشمنانِ اسلام نے یہ سوچا کہ تیر تلوار کے ان شیدائیوں کو اسلحے سے متنفر کیا جائے عیش و عشرت کی زندگی کو شہادت کی موت کے بھلانے کا ذریعہ بنایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا کہ اسلام تو طاقت کے بل بوتے پر دنیا میں مسلط ہوا ہے۔ اس نے تلوار کی نوک گلے پر رکھ کر لوگوں کو کلمہ پڑھایا۔ اپنے اس موقف کو مزید تقویت دینے کے لیے کفار نے پچھلی چند دہائیوں میں مذہبی لبادہ اوڑھے بعض دہشتگرد تنظیموں سے دہشت گردی کی کاروائیاں بھی کروائیں تاکہ اسلامی جہاد کو بدنام کیا جاسکے (اسی طرح مرزا قادیانی جیسے جھوٹے مدعی نبوت سے جہاد کی فرضیت کا انکار کروایا اور یورپ سے درآمد شدہ جدید مذہبی سکالرز سے اقدامی جہاد کا انکار کروایا)۔ کافروں کے اس خطرناک اور زہریلے پروپیگنڈے کے جواب میں وقت کے علماء نے ان قرآنی احکامات کی وضاحت فرمائی کہ اسلام کسی کو زبردستی مسلمان ہونے کا حکم نہیں دیتا، اسلام کا نظام، نظامِ جبر نہیں بلکہ نظامِ اخلاق ہے۔ علماء کرام کی یہ تصریح بالکل درست تھی کہ دین اسلام کے قبول کرنے کے سلسلہ میں ہمارے مذہب میں کوئی جبر و کراہ نہیں ہے۔ بلکہ جس کا دل چاہے مسلمان ہو جائے اور جس کا دل چاہے وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کی غلامی میں رہے۔ مسلمان اس کی جان و مال کا دفاع کریں گے اور اسلام کا نظام نظامِ اخلاق ہے۔ کہ اس میں ہر معاملے میں اخلاق کو مدنظر رکھا جاتا ہے (اخلاق کی تشریح آگے آرہی ہے)۔ مگر سازشیوں نے علمائے کرام کی اس تصریح کا غلط مفہوم دنیا کو سمجھایا اور یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ علماء نے فیصلہ سنا دیا ہے کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے۔ اس میں تلوار کی نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ دخل۔

چنانچہ اس بات کو اتنے زور و شور سے بیان کیا گیا کہ مسلمان واقعی تلوار اور اخلاق کو دو متضاد چیزیں تصور کرنے لگے۔ انہوں نے سمجھا کہ ہمارے مذہب میں اسلحہ تو ایک جرم ہے۔ ہمارا مذہب اخلاق کا درس دیتا ہے۔ اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ کچھ بھی ہو جائے، وطن چھن جائے، غلامی کرنی پڑے، جان دینی پڑے، عزت کو برباد کرنا پڑے، دین ہاتھ سے چلا جائے مگر اسلحہ کو ہاتھ نہیں لگانا۔ چنانچہ مسلمانوں کو اس امن پسندی کا کلمہ پڑھا کر آج کفار نے خود

ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تک بنالیے، وہ مسلمانوں کے جس خطے کو چاہتے ہیں منٹوں میں مٹادیتے ہیں اور اگر مسلمان ممالک بڑے ایٹمی ہتھیار تیار کرنا چاہیں تو ان پر بین الاقوامی سطح پر پابندیاں لگوا کر (isolate) کر دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

بہتر ہے کہ شیروں کو سکھادیں رمِ آہُو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

یہ نتیجہ ہوا اس اخلاق پر عمل پیرا ہونے کا، جس اخلاق کو ہم نے تلوار کی ضد سمجھا اور جس اخلاق کو ہم نے بزدلی، سستی، کاہلی اور اپاہج سمجھا، حالانکہ ایسے اخلاق کی تعلیم نہ قرآن کریم نے دی، نہ حدیث شریف نے اور نہ ہی فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے یہ سمجھایا اور نہ ہی مشائخ و اسلاف نے۔ اب اخلاق کی درست تشریح پڑھیں۔

اخلاق کی درست تشریح :

اخلاق مسکرانے، ہنسنے، ظلم سہنے کا نام نہیں بلکہ ہر وقت ہر حال کے مطابق ایسا کام کرنا جو اس حال اور وقت کے مناسب ہو اور اس کے بگاڑ کا ذریعہ نہ ہو یہ حسن خلق ہے۔

☆ پیار کے وقت نرمی اور سختی کی جگہ پر سختی حسنِ خلق کہلاتی ہے ☆

حسن خلق کے اس معنی کو ایک عام فہم مثال کے ذریعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک آدمی نے کسی کتے کو پیاسا مرتے دیکھا اور اس نے اسے پانی پلا دیا۔ اس کا یہ فعل یقیناً حسن خلق ہے۔ لیکن اس نے جیسے ہی اس کتے کو پانی پلایا کتا کسی مسلمان عورت کو کاٹنے کے لیے لپکا۔ اب اس نے لاٹھی کے ذریعے سے کتے کا علاج کیا تو اس کا یہ مارنا بھی حسن خلق ہے۔ اسی طرح والدین کا اپنے بچے کی تربیت کے لیے اُس پر سختی کرنا بھی حسنِ اخلاق ہی کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے محبوب ﷺ کے اخلاق مبارکہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ [1]

ترجمہ کنزالعرفان: (اور بیشک تم یقیناً عظیم اخلاق پر ہو۔)

اس گواہی کا مطلب یہ ہے کہ حضور تاجدارِ ختم نبوت ﷺ مجسم اخلاق تھے۔ لیکن ہم سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کریں تو جہاں آپ ﷺ کی رحم دلی، غربا پروری، بیکسوں کی یاوری جیسی عظیم صفات کو دیکھتے ہیں وہاں ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ 27 غزاوات میں خود کفر کے مقابلے میں تلوار اٹھا کر تشریف لے گئے۔ اور تقریباً 56 مرتبہ مختلف جنگی مہموں میں اپنے صحابہ کرام کو روانا فرمایا۔ یہ بھی حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے خلقِ عظیم ہی کا حصہ ہے۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو تلوار رکھنے کے فضائل بیان فرمائے، اس کے سیکھنے اور تیر اندازی ترک نہ کرنے کے احکامات جاری فرمائے۔ پیارے آقا ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مابین گھوڑے دوڑانے کے مقابلے کرواتے۔ اسی طرح حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے ظالم کافروں کے قتل کی فضیلت ارشاد فرمائی، اور اپنے دست مبارک سے ابی بن خلف جیسے خبیث النفس کافر کو قتل فرمایا، بنو قریظہ کے چھ سو سے زائد یہودیوں کو قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، کیا معاذاللہ ہم حضور تاجدار ختم نبوت ﷺ کے ان افعال و اقوال کو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ بد اخلاقی کہنے کی جرٔت کر سکتے ہیں۔؟

کیونکہ اگر اخلاق اور تلوار آپس میں متضاد چیزیں ہیں تو پھر یقیناً تلوار اٹھانا بھی بد اخلاقی ہی کہلائے گا۔ لیکن تاریخ گواہ ہے ہمارے حضور تاجدارِ ختم نبوت ﷺ نے تلوار اٹھائی اور اٹھوائی اور سرزمینِ حجاز سے کفر کے کینسر کو کاٹ پھینکا اور پورا معاشرہ صحت مند ہو گیا اور اسلام اور ایمان کی ہوائیں قیصر و کسریٰ کے کفر کو ہچکولے دینے لگیں۔

اسی طرح قرآن مجید کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید تو مسلمانوں کو نماز، روزہ،

---

1 (القلم، آیت 4)

زکوۃ اور حج کے ساتھ جہاد اور قتال کا بھی حکم دے رہا ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی محکم آیات سے جس طرح جہاد کی فرضیت، فضیلت، اس کے جزئیات کی تشریح و مقاصد اور حدود معلوم ہوتی ہیں کسی اور حکم سے متعلق ایسی تشریح قرآنِ مجید میں موجود نہیں۔ چالیس سے زائد مقامات پر تو قتال کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ شہدا کی ایسی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں کہ اگر ان کا تذکرہ کیا جائے تو شوقِ شہادت سے دل پھٹنے لگے۔

تو سوال یہ ہے کہ کیا قرآنِ مجید نعوذ باللہ بد اخلاقی کی دعوت دے رہا ہے؟ یا صرف قتال جیسی مجبوری کے وقت کی چیز (جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے) پر اس قدر زور لگا رہا ہے اور قتال چھوڑنے پر طرح طرح کی وعیدیں سنا رہا ہے؟۔

بہر حال یہ بات ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ ہمارے حضور تاجدارِ ختم نبوت ﷺ جیسے اخلاق کسی کے نہیں اور قرآنِ مجید مکمل طور پر درسِ اخلاق ہے اور ہمیں ان دونوں میں تلوار، جہاد و قتال جیسی چیزیں وافر مقدار میں نظر آ رہی ہیں۔ چنانچہ ہم دعوے کے ساتھ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے اور اخلاق اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس میں تلوار نہ ہو۔

اس کی عقلی حیثیت بھی مخفی نہیں کہ ایک ڈاکٹر جب مریض کے کینسر والے حصے کو تیز دھار چیز سے کاٹے تو اُس کو یہ نہیں کہا جاتا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ تو پڑھے لکھے ہیں اور یوں کاٹنے کی باتیں کر رہے ہیں بلکہ اس کا شکریہ ادا کیا جاتا اور فیس بھی دی جاتی ہے۔ لیکن اگر معاشرے سے کفر کے کینسر کو کاٹنے کی بات کی جائے تو کچھ لوگوں کو یہ بد اخلاقی نظر آتی ہے۔

تو بدل گیا تو بہتر کہ بدل گئی شریعت
کہ موافقِ تدرواں نہیں دینِ شاہبازی
ترے دشت و در میں مجھ کو وہ جُنوں نظر نہ آیا
کہ سِکھا سکے خرد کو رہ و رسم کارسازی

(علامہ اقبال)

آج کے بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ کافر ہمارے اخلاق دیکھ کر خود مسلمان ہو جائیں گے۔اس دور میں یہ دعویٰ انتہائی مضحکہ خیز ہے۔کیونکہ اخلاق اس قوم کے دیکھے جاتے ہیں جس کی اپنی کوئی حیثیت ہو، جس کا اپنا کوئی نظام چل رہا ہو۔آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کوئی آزاد قوم کسی غلام قوم سے متاثر ہو کر اس کی غلام بن گئی ہو۔ جس زمانے میں مسلمان فاتحین کی شکل میں ملکوں میں داخل ہوتے تھے تو لوگ ان کو دیکھتے تھے اور مسلمان ہوتے تھے۔ مگر اس وقت تو ہم ایک قوم کی حیثیت سے کوئی وقعت ہی نہیں رکھتے، ہمارا اسلامی نظام کہیں بھی نافذ نہیں، صرف کتابوں میں موجود ہے اور ہمیں اس کے نافذ کرنے میں دلچسپی بھی نہیں بلکہ جو شخص بھی دین اسلام کے نفاذ کی بات کرے ہم اسے امریکہ کے دشمن سے زیادہ اپنا دشمن جانتے ہیں۔ ہم نے چند عبادات کو اسلام سمجھ رکھا ہے اور ایک عالمگیر نظام کو رہبانیت بنا دیا ہے۔ اگر چند افراد کہیں اسلام میں داخل ہو بھی گئے ہوں یا ہو رہے ہوں تو اس سے اسلام کو وہ غلبہ و عظمت تو نہیں مل سکتی جس کا ہمارے رب نے ہمیں مکلف بنایا ہے۔

ایک اہم نکتہ : اس وقت تو اسلام کے پھیلنے کا نہیں بلکہ دفاع کا مسئلہ درپیش ہے۔اخلاق کی غلط تشریح کرنے والے اگر کشمیر، شام، فلسطین، برما، عراق وغیرہ مسلم ممالک کی تباہی اور امت کی اس زبوحالی کے باوجود مسلمانوں کو اسلحہ وطاقت کے ذریعے اپنے جان، عزت وعصمت اور وطن کی حفاظت کرنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اس وقت بھی تلوار اٹھانے کو حسن خلق کے خلاف سمجھتے ہیں۔ تو پھر ہمیں یہ کہنے میں ذرہ برابر عار نہیں ہے کہ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔ یہ قرآن و سنت میں تحریف کرنے والے ملحدین ہیں۔یہ مستشرقین کا وہ ٹولہ ہے جو مسلمانوں کو مٹانے کے لیے ان کی صفوں میں گھسا ہوا ہے۔

اخلاق و تلوار کے مسئلہ کو خلط ملط کرنے کے بجائے اسے انصاف کی نظر سے سمجھنا چاہیے۔ جہاں تک اسلام قبول کرنے کا مسئلہ ہے تو اس پر اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ کسی سے بھی جبراً کلمہ پڑھنے کا نہیں کہا جائے گا۔ مگر جہاں تک اسلام کے نافذ کرنے اور اس کی ترویج واشاعت کا مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں جو بھی رکاوٹ ڈالے گا تو سختی کے ساتھ اس رکاوٹ کو دور کیا جائے گا۔

ہمارے آقا و مولا ﷺ نے صحابہ کرام کو جب بھی کفار کی طرف بھیجا تو انہیں اسلام قبول کرنے، جزیہ دے کر رہنے یا قتال کرنے کا اختیار دیا۔ ذیل میں اس کی ایک جھلک حضرت خالد بن ولید کے خط میں ملاحظہ کیجیے جو آپ نے لشکرِ فارس کے سرداروں کی طرف لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَن خَلِدِ ابنِ الوَلِيدِ اِلىٰ رُستَمَ وَ مِهرَانَ فِي مَلاءِ فَارِسِ
سَلَامٌ عَلىٰ مَنِ اتَّبَعَ الهُدىٰ اَمَّا بَعدُ!

ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں اگر تم انکار کرو گے تو پھر جزیہ ادا کرو اور ہمارے ماتحت ہو کر رہنا قبول کر لو۔ اور اگر اس سے بھی انکار کرو گے تو پھر سن لو کہ میرے ہمراہ ایسی قوم ہے جنہیں اللہ کی راہ میں مرنا اتنا محبوب ہے، جتنی اہلِ فارس کو شراب محبوب ہے۔[1]

تاریخ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ داعی زیادہ کامیاب رہے جن کی دعوت کے پیچھے تلوار (پاور) ہوا کرتی تھی۔ مسلمان مجاہدین جب تلوار کی نوک پر کفر کے گندے مواد کو صاف کر کے باعزت حیثیت کے ساتھ کسی ملک میں داخل ہوتے تو اب لوگوں کو ان کے اخلاق دیکھنے کا موقع ملتا اور وہ گروہ در گروہ دین میں داخل ہوتے۔ اس کی سب سے بڑھ کر مثال پیارے آقا حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہی دیکھ لیجیے، کہ اعلانِ نبوت کے بعد ابتدائی سال جو مکہ معظمہ میں گزرے، جہاں کفار طاقت کے اعتبار سے ظاہراً زیادہ قوی تھے وہاں 13 سالوں میں جو لوگ ایمان لائے اُنکی تعداد صرف چند سو تھی لیکن ہجرت مدینہ کے بعد جب حکم جہاد نازل ہوا اور مسلمانوں کے پاس پاور آئی، تو صرف 10 سالوں میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ تھی۔

---

1 (معجم الکبیر، باب من اسمہ خالد، ج 3، ص 42، حدیث 3716، پرو گریسو بکس، لاھور)

رسول اللہ ﷺ کی میراث تھا میں:

حضور تاجدارِ ختم نبوت ﷺ نے مکہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب اعلانِ نبوت فرمایا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور اپنے مشن یعنی دنیا میں لاالہ الا اللہ کو غالب کرنا اور تمام ادیان کو مغلوب کرنا بتایا تو آپ ﷺ کی اس دعوت کے مقابلے میں جو دو چیزیں سینہ تان کر کھڑی ہوئیں ان میں ایک جہالت اور دوسری کافروں کی طاقت تھی۔ آپ ﷺ نے جہالت کے، مقابلے میں قرآن مجید اور حضور ﷺ کی سنت کی صورت میں علم کو پھیلایا۔ اور جب آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے اپنی میراث میں یہ علم امت کے لیے چھوڑا اور امت نے اس علم کو اپنے سینے سے لگایا۔

دوسری چیز جو اسلام کے مقابلے میں اتری وہ تھی کافروں کی طاقت چنانچہ اس سے مقابلے کے لیے آپ ﷺ پر جہاد فرض کیا گیا اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اُس وقت تک لڑتے رہو جب تک دنیا میں کافروں کے پاس کچھ طاقت بھی موجود ہے کیونکہ کافر ہمیشہ اپنی طاقت اسلام کے خلاف استعمال کرتے رہیں گے۔

حضور تاجدار ختم نبوت ﷺ نے اپنی میراث میں نہ درہم چھوڑے نہ دینار اور نہ کوئی اور مال و دولت۔ البتہ آپ ﷺ اپنی امت کو علم اور جہاد کے ہتھیار عطا فرما کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ مسلمانوں نے جب تک میراث نبوی ﷺ کو تھامے رکھا اُس وقت تک دنیا کی کوئی طاقت ان پر غالب نہ آ سکی اور نہ کہیں اسلامی نظام کو چیلنج کیا جا سکا۔ لیکن جب مسلمانوں نے علمِ دین کو چھوڑ دیا اور اسلحے کو بھی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا تو پھر نہ وہ اپنے اندر اسلام کو محفوظ رکھ سکے اور نہ وہ دنیا میں اسلامی نظام کی حفاظت کر سکے۔ بلکہ اب تو وہ زمانہ بھی آچکا ہے کہ جب خود بہت سارے بااختیار مسلمان اسلامی نظامِ حکومت اور اسلامی نظامِ معیشت کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں اور اسلامی سزاؤں کو (نعوذ باللہ) انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتے ہیں حالانکہ آج بھی جن ممالک میں مجرموں پر حدود شرع نافذ کی جاتی ہیں وہاں جرائم کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔

اسلام ایک کامل دین ہے جو دنیا کے تمام باطل ادیان اور ظالمانہ نظاموں پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے اور لوگوں کو سیدھا راستہ، امن، روزی اور وسعت والی زندگی عطا کرنا اسلام کی

ذمہ داری ہے ، جبکہ اسلام کو نافذ کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔

حضور تاجدارِ ختم نبوت جناب رحمۃ للعالمین ﷺ کے یہ فرامین ہمیں یاد رکھنے چاہییں

آقا کریم ﷺ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

انا نبی الرحمة و نبی الملاحم

" میں رحمت والا نبی ہوں اور جنگوں والا نبی ہوں " (1)

غزوہ احد والے دن جانِ جاناں حضور تاجدارِ ختم نبوت ﷺ کے دست مبارک میں جو تلوار تھی اُس پر یہ اشعار لکھے ہوئے تھے :

فی الجبن عار وفی الاقبال مکرمته
و المرء بالجبن لا ینجو من القدر (2)

(ترجمہ : بزدلی میں شرمندگی ہے اور دشمن کا سامنا کرنے میں عزت ہے اور آدمی بزدلی کر کے تقدیر سے نہیں بچ سکتا)

یا الٰہی ہم سب مسلمانوں کو اپنے محبوب حضور تاجدارِ ختم نبوت ﷺ کی میراث سنبھالنے اور تھامنے کی توفیق عطاء فرما اور ماضی کی طرح اب بھی اسلام کو دنیا میں نافذ فرما کر انسانیت پر رحم فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

---

1 (مسند امام احمد، مسند الانصار، حدیث حذیفہ بن یمان، ج 10 ، ص823، حدیث 23838، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

2 (مدارج النبوت ، باب معرکہ احد، ج2، ص180، ضیا القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

مصور پاکستان ڈاکٹر محمد اقبال :

اقامت دین سے متعلق ان موضوعات پر ہمارا محسن ملت مصور پاکستان جناب ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار جابجا نقل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لبرل و سیکولر طبقہ کی منافقت عیاں ہو اور قوم کے نوجوان یہ بات جان لیں کہ جس ملت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہم رہتے ہیں اس کی آزادی کی جدوجہد کے پیچھے کیا سوچ کارفرما تھی۔ اس ملک کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے اور اس میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ نافذ کرنے کے جذبے کے تحت ہی 1947 میں پندرہ لاکھ مسلمانوں نے اپنا خون اس ملک کی بنیادوں میں شامل کیا۔ ایک لاکھ مسلمان عورتوں کو جبراً اغوا کیا گیا اور عام شاہراہوں پر بہیمانہ عصمت دری کا نشانہ بنایا گیا، اسی لاکھ مسلمانوں کو اربوں روپے کے جائیداد و مال سے محروم کر دیا گیا۔ اور جو دیگر مظالم ڈھائے گئے اُن کو بیان کرنے سے دل پھٹتا ہے۔ تو اے عزیز! تمہیں چاہیے کہ اپنے مسلمان بہن بھائیوں کی قربانیوں کو رائیگاں نہ جانے دو اور خون کی بہتی ندیوں پر بننے والے اس ملک پاکستان کی حفاظت اور اس میں عملی طور نظامِ مصطفیٰ ﷺ نافذ کرنے کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق (اپنے منصب کی طاقت، مال و دولت سے، اولاد کی تربیت، زبان و قلم وغیرہ سے) ہمہ وقت جدوجہد کرتے رہو تاکہ بروزِ محشر اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب ﷺ کے سامنے تمہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، تمہارا حساب تمہارے مقام و منصب اور اختیارات کے مطابق ہی ہو گا۔

میرے دین کے لیے کیا کِیا؟

قائدِ ملت اسلامیہ محافظِ ناموسِ رسالت للکارِ زنگی و ایوبی شیخ الحدیث و التفسیر علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی رسول اللہ ﷺ کی بے لوث محبت و اقامتِ دین کا جو درس دیا اور نوجوانوں کے دلوں میں امت مسلمہ کے لیے فکر و درد کی جو شمع جلائی، اس عاجز کی یہ کاوش آپ ہی کا فیض ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے زندگی کے رخ بدلنے اور دین متین کے لیے عملی جدوجہد کی سوچ و فکر پیدا کرنے والے ہیں۔

امیر المجاہدین علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے

فرماتے ہیں :

اے عزیزو ! اگر اللہ کے محبوب امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بروزِ محشر تم سے پوچھ لیا، کہ " جس دین کے لیے لوگوں نے مجھ پر پتھر پھینکے، جس دین کے لیے میں نے مٹی کے ٹوکرے اٹھائے، جس دین کے لیے میں نے پیٹ پر پتھر باندھے ،اور جس دین کے لیے میرے چچا کے جگر و کلیجہ نکال کر چبا دیے گیے، جس دین کے لیے میرے صحابہ کے جنگوں میں قیمے ہوگئے، جس دین کے لیے میرے اہل بیت کو میدانِ کربلا میں شہید کر دیا گیا ، جس دین کے لیے میرے نواسے کا سر کاٹ کر لوگوں نے نیزے کی نوک پر چڑھا دیا۔۔۔ بتاؤ! تم نے اُس دین کے لیے کیا کِیا ؟ ۔ نماز پڑھی ! روزے رکھے ! حج اور عمرے کیے ! یہ سب تو تم نے اپنے لیے کیا، مجھے یہ بتاؤ ! میرے دین کے لیے کیا کِیا ۔۔۔ ؟"

اگر تمہارے پاس اس کا جواب ہے تو ٹھیک ! اگر نہیں ہے تو آج اللہ کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے رسمی طور پر نہیں بلکہ عملاً محبت کرو اور سب کچھ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خاطر آج قربان کرو تاکہ کل قبر و حشر میں جب تم پریشانی کے عالم میں ہو تو حضور علیہ السلام خود فرشتوں سے فرما دیں اسے چھوڑ دو اسے جانے دو یہ غلام اپنا ہی ہے۔

اگر اُمت مسلمہ قیامت تک عزت کا ساتھ رہنا چاہتی ہے تو ان کو کوئی دوسری چیز فائدہ نہیں دے گی سوائے اس کے کہ وہ حضور علیہ السلام کے لائے گئے دین کو مضبوطی سے تھام لیں۔

ہست دینِ مصطفی دینِ حیات
شرع او تفسیر آئینِ حیات

(علامہ اقبال)

حرفِ آخر
اہلِ اسلام کی خدمت میں گزارش:

حدیث مبارکہ میں ہے: حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہر چیز میں کمی ہو گی لیکن شر (فتنوں) میں اضافہ ہوتا رہے گا"[1]

اہلِ اسلام کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ امت کی اس زبوں حالی کا احساس کرتے ہوئے باہمی جھگڑوں کو ترک کر کے دین متین کے غلبہ کے لیے کوشش و سعی کریں، اور اپنی توجہات اسی جانب مبذول رکھیں۔ یہ جدید فتنے قرب قیامت کے ساتھ بھرتے ہی چلے جائیں گے لہٰذا اپنے اور اپنی نسلوں کے ایمان کے تحفظ کے لیے، فروعی اختلافات میں مشغول ہونے کے بجائے لبرل ازم اور سیکولر ازم کی ان فکری یلغاروں کے سامنے بند باندھنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں اور دین اسلام کے لیے کوئی تعمیری کام کیجیے۔

ہمارا اقامت دین و ناموسِ رسالت ﷺ کے موضوعات پر ان ابحاث کو عقائد و رسوم کے ابواب سے آگے، اسی کتاب میں شائع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے کالج و یونیورسٹی کے نوجوان، ڈاکٹر و پروفیسر حضرات اور گھروں میں خواتین وغیرہ جو بھی اس کتاب کا مطالعہ کریں وہ عقائد و رسوم سے متعلق اصلاح کے ساتھ ساتھ اقامت دین کے ان پہلوؤں کو بھی ذہن نشین کر کے، اس حوالے سے اپنی اولادوں کی تربیت فرمائیں تاکہ ہماری نسلیں ان جدید الحادی فتنوں سے متنبہ رہیں اور غلبہ دین سے متعلق اپنی کوششوں کو جاری رکھیں، اس امید کے ساتھ ایک دن ضرور اسلام کا عالمگیر نظام پوری دنیا میں رائج ہو گا، پوری دنیا میں محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کی حکومت قائم ہو گی اور مقصد تخلیق کائنات مکمل ہو جائے گا اور یہی گویا قرب قیامت کے واقعات کی ابتداء ہو گی (جیسا کہ احادیث میں واضح ہے)۔ انشاء اللہ عزوجل۔

---

1 (تفسیر ناموس رسالت، ج 2، ص 32، مکتبہ طلع البدر علینا، لاہور / مسند امام احمد)

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا، پھر اُستوار ہو گا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

(علامہ اقبال)

الحمدُ لِلّٰہ عزوجل ! آج 15 شعبان 1442ھ (30-03-2021) بروز منگل شبِ براءت کی بابرکت رات اس کتاب کا تحریری کام مکمل ہوا۔

اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ آج کی اس رحمتوں بھری رات کے صدقے مسلمانوں کے حال پر اپنا خصوصی رحم و کرم فرمائے، انہیں قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کو بحال فرمادے۔

الٰہ العالمین ! اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے میری اس ادنیٰ کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرما۔ مجھے اور میرے عزیزوں کو محض اپنے فضل و کرم سے دنیا و آخرت میں ہر مصیبت و پریشانی سے محفوظ رکھ اور دارین کی خوشیاں عطا فرما اور میری میرے والدین، دوست احباب، قارئین و معاونین کی بے حساب بخشش و مغفرت فرمادے۔

آمین یارب العالمین

کتاب	مصنفین	مطبوعات
قرآنِ مجید	کلامِ الٰہی	مکتبۃ المدینہ کراچی
تفسیر صراۃ الجنان	مفتی محمد قاسم القادری	مکتبۃ المدینہ کراچی
تفسیر تبیان القران	علامہ غلام رسول سعیدی	فرید بک سٹال لاہور
تفسیر ناموسِ رسالت	مفتی ضیاء احمد قادری رضوی	مکتبہ طلع البدر علینا لاہور
صحیح البخاری	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری	فرید بک سٹال لاہور
صحیح مسلم	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری	فرید بک سٹال لاہور
ترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	فرید بک سٹال لاہور
سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	ضیاالقران پبلی کیشنز لاہور
سنن نسائی	ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب بن علی نسائی	ضیاالقران پبلی کیشنز لاہور
سنن ابن ماجہ	امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	ضیاالقران پبلی کیشنز لاہور
معجم الاوسط	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی	پروگریسو بکس لاہور
معجم الکبیر	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی	پروگریسو بکس لاہور
مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل	مکتبہ رحمانیہ لاہور
کنز العمال	علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری	دارالاشاعت کراچی
شعب الایمان	امام ابی بکر ااحمد بن الحسین البیہقی	دار الاشاعت کراچی
مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ	مفتی احمد یار خان نعیمی	حسن پبلیشرز لاہور
مصنف عبد الرزاق	امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی	شبیر برادرز لاہور
مستدرک للحاکم	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری	شبیر برادرز لاہور
مدارج النبوت	شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی	ضیاء القران پبلی کیشنز لاہور
المواہب اللدینیہ	امام احمد بن محمد قسطلانی	فرید بک سٹال لاہور
الخصائص الکبریٰ	امام جلال الدین سیوطی شافعی	مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور

سبل الہدیٰ والرشاد	امام محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	زاویہ پبلشرز
الشفاء بتعریف	ابوالفضل قاضی عیاض مالکی	مکتبہ حنفیہ لاہور
تاریخ ابن کثیر	حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر دمشقی	نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی
قرآن وحدیث اور عقائد اہلسنت	مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی	مکتبہ امام اہلسنت لاہور
رسم ورواج کی شرعی حیثیت	مفتی محمد انس رضا قادری	مکتبہ اشاعت الاسلام لاہور
بہارِ طریقت	مفتی محمد انس رضا قادری	مکتبہ امام اہلسنت لاہور
احکام شریعت	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان	کتب خانہ امام احمد رضا لاہور
فتاویٰ رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان	رضا فاؤنڈیشن لاہور
ملفوظات امام اہل سنت	مولانا مصطفیٰ رضا خان	مکتبۃ المدینہ کراچی
کیمیائے سعادت	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی	ضیاء القران پبلی کیشنز لاہور
احیاء العلوم	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی	مکتبۃ المدینہ کراچی
منہاج العابدین	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی	مکتبۃ المدینہ کراچی
مکاشفۃ القلوب	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی	مکتبۃ المدینہ کراچی
بہارِ شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی	مکتبۃ المدینہ کراچی
مختصر فتاویٰ اہلِ سنت	مجلس المدینۃ العلمیہ	مکتبۃ المدینہ کراچی
بدشگونی	مجلس المدینۃ العلمیہ	مکتبۃ المدینہ کراچی
فیضانِ فاروقِ اعظم	مجلس المدینۃ العلمیہ	مکتبۃ المدینہ کراچی
صحابیات اور پردہ	مجلس المدینۃ العلمیہ	مکتبۃ المدینہ کراچی
تجہیز وتکفین کا طریقہ	مجلس المدینۃ العلمیہ	مکتبۃ المدینہ کراچی
اسلامی شادی	مجلس المدینۃ العلمیہ	مکتبۃ المدینہ کراچی
اسلامی زندگی	مفتی احمد یار خان نعیمی	مکتبۃ المدینہ کراچی
جنتی زیور	علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی	مکتبۃ المدینہ کراچی
سیرت مصطفیٰ	علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی	مکتبۃ المدینہ کراچی
جہنم میں جانے والے اعمال	شہاب الدین امام احمد بن حجر مکی	مکتبۃ المدینہ کراچی
آنسوؤں کا دریا	امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی الجوزی	مکتبۃ المدینہ کراچی
باحیاء نوجوان	امیر اہل سنت مولانا الیاس عطار قادری	مکتبۃ المدینہ کراچی

کفریہ کلمات کے بارے میں سوال وجواب	امیر اہل سنت مولانا الیاس عطار قادری	مکتبۃ المدینہ کراچی
پردے کی شرعی حیثیت	امیر اہل سنت مولانا الیاس عطار قادری	مکتبۃ المدینہ کراچی
طلاق کے آسان مسائل	مفتی محمد قاسم القادری	مکتبۃ المدینہ کراچی
موبائل فون اور شرعی مسائل	مفتی ضمیر احمد مرتضائی	مسلم کتابوی لاہور
خوشحال گھرانہ کیسے ہو	علامہ حافظ حفیظ الرحمان	یونیک پرنٹرز لاہور
قادیانیت کے بطلان کا انکشاف	محمد کاشف اقبال مدنی رضوی	والضحیٰ پبلیکیشنز لاہور
مقالاتِ سعیدی	علامہ غلام رسول سعیدی	فرید بک سٹال لاہور
مقالاتِ قاسمی	علامہ غلام رسول قاسمی	رحمتہ للعالمین پبلیکیشنز سرگودھا
الانتہاء	علامہ غلام رسول قاسمی	رحمتہ للعالمین پبلیکیشنز سرگودھا
ضرب حیدری	علامہ غلام رسول قاسمی	رحمتہ للعالمین پبلیکیشنز سرگودھا
اصلاح عقائد و اعمال	مفتی منیب الرحمان	دار العلوم نعیمیہ کراچی
تفہیم المسائل	مفتی منیب الرحمان	ضیاالقران پبلی کیشنز لاہور
رسول اللہ پر کوڑا پھینکنے والی بڑھیا کی حقیقت	مفتی ضیاء احمد قادری رضوی	مکتبہ طلع البدر علینا لاہور
گستاخانِ رسول کے خلاف رسول اللہ کے گیارہ فیصلے	مفتی ضیاء احمد قادری رضوی	مکتبہ طلع البدر علینا لاہور
صوفیاء کرام کی مجاہدانہ زندگی	مفتی ضیاء احمد قادری رضوی	مکتبہ طلع البدر علینا لاہور
اذانِ حجاز	مفتی ضیاء احمد قادری رضوی	مکتبہ طلع البدر علینا لاہور
مسئلہ ناموسِ رسالت پر جعلی مشائخ کی مجرمانہ خاموشی	مفتی ضیاء احمد قادری رضوی	مکتبہ طلع البدر علینا لاہور
جاء الحق	مفتی احمد یار خان نعیمی	قادری پبلیشرز لاہور
فتاویٰ امجدیہ	مفتی محمد امجد علی اعظمی	مکتبہ رضویہ کراچی
فتاویٰ فقیہ ملت	مفتی جلال الدین امجدی	شبیر برادرز لاہور
فتاویٰ اجملیہ	علامہ محمد اجمل قادری رضوی	شبیر برادرز لاہور
سر الاسرار	شیخ عبد القادر جیلانی	قادری رضوی کتب خانہ لاہور
حق پر کون	علامہ محمد ظفر عطاری	اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی

مکتوباتِ امام ربانی	مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروق سرہندی	اکبر بک سیلرز لاہور
مشارع الاشواق	احمد بن ابراھیم بن محمد الدمشقی ثم الدمیاطی	دار البشار الاسلامیہ، بیروت، لبنان
اسلام کا تصور جہاد	علامہ کاشف اقبال قادری	دار الکلام گجرات
عہد نبوی میں نظام حکمرانی	ڈاکٹر حمید اللہ	مشتاق بک کارنر لاہور
عقائد نوٹس	علامہ ابو محمد عارفین القادری	کراچی
مسائل النساء	فیروز ساجد قادری	قادری رضوی کتب خانہ لاہور
حدائق بخشش	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان	مکتبۃ المدینہ کراچی
کلیات اقبال	علامہ ڈاکٹر محمد اقبال	مکتبہ دانیال، عبد اللہ اکیڈمی لاہور
فیروز اللغات	مجلس فیروز سنز	فیروز سنز لاہور

اس کتاب کی ترتیب و تحریر، تخریج، کمپوزنگ و ڈیزائنگ کا تمام کام راقم الحروف نے خود انجام دیے ہیں۔ عاجز سے اس کتاب میں کوئی بات جمہور اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات کے خلاف نقل ہو گئی ہو تو بندہ ناچیز اس سے رجوع و اعلانِ براءت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی خطاء سے محفوظ فرمائے۔ (فیروز ساجد قادری عفی عنہ)